

جلد حقوق محفوظ

۷۸۶

مَطَالِبُ الْعَالَمِ

دیوانِ غالب اردو کی بہترین و جدید ترین شرح
یعنی

مؤلفہ

مولانا سہاس

حسب فائش

شیخ مبارک علی تاجر کتب اردو لولہ درویشی ازہ ہو

۱۹۲۸ء

جلتہ امیرِ قدرت اللہ کریمی پریس گلوی مہرچھپا
قیمت فی جلد ۸۰ مجلد ۷

بار دوم

(مطابق نظر وین قلم لکھا)

عرض حال

مدھیہ پردیش اردو اکادمی، اردو کے عظیم شاعر مرزا غالب کی دوسری صدی تقریبات کے موقع پر بھوپال کے مایہ ناز شاعر اور شاعر مولانا سہا مجتہدی کی شرح "مطالب الغالب" کا عکسی ایڈیشن شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔ اس سے پہلے ۱۹۸۲ء میں اکادمی دیوان غالب جدید المعروف بہ نسخہ حمیدیہ کا عکسی ایڈیشن ڈاکٹر عبدالرحمن، بجنوری کے مقدمے سمیت شائع کر چکی ہے۔

نسخہ حمیدیہ کا عکسی ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی تھی کہ وہ بے حد کمیاب تھا اور خطرہ تھا کہ اگر اس کی اشاعت عمل میں نہیں آئی تو بالکل نایاب ہو جائے گا۔ کم و بیش یہی خطرہ "مطالب الغالب" کے سلسلے میں بھی درپیش تھا۔ چنانچہ اکادمی کی اشاعتی کمیٹی کے فاضل اراکین نے یہ فیصلہ کیا کہ غالب کی دوسری صدی تقریبات کو جہاں اردو اکادمی ظاہری شان و شوکت کے ساتھ منائے وہاں وہ مستقل نوعیت کا ایک کام یہ بھی کرے کہ "مطالب الغالب" کے عکسی ایڈیشن کی اشاعت اپنے ہاتھ میں لے۔

اکادمی نے جب اس کام کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا تو محسوس ہوا یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا سمجھ لیا گیا تھا۔ "مطالب الغالب" کی تلاش کی مہم شروع کی گئی تو سب سے پہلے دستِ تعاون میرے دوست ڈاکٹر عبدالباقی (جبل پور) نے دیا کیا اور ان کی کوششوں سے "مطالب الغالب" کا پہلا ایڈیشن دستیاب ہو گیا۔ یہ ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ جگہ جگہ سے اس کے اندرونی صفحات نادر دستے، غالباً "لائق طلباء" نے "امتحائی ضروریات"

کے لیے انہیں کتاب سے جدا کر دیا تھا اور یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کتنا بڑا ادبی جرم کر رہے ہیں۔ یہ بات میرے علم میں تھی کہ شمس الرحمن فاروقی صاحب کے پاس "مطالب الغالب" ہے میں نے اس سلسلے میں انہیں الہ آباد فون کیا۔ انہوں نے فوراً شروع کے ۶ صفحات دیباچے کے آخری دو صفحات اور آخر کے چار صفحات کی فوٹو اسٹیٹ کاپی فراہم کرائی اور یہ توقع ظاہر کر کے حوصلہ بڑھایا کہ: آپ کی نگرانی میں مطالب الغالب کی اشاعت بحسن خوبی انجام پائے گی۔

فاروقی صاحب کے پاس "مطالب الغالب" کا تیسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۳۱ء کا نسخہ تھا۔ اسی دوران مجھے خیال آیا کہ علی گڑھ میں میرے کرم فرما حکیم ظل الرحمن کے پاس "غالبیات" کا جو خزانہ ہے اس میں مطالب الغالب کا بھی نسخہ ہے۔ ظل الرحمن بھائی کسی کو کتاب دینے کے معاملے میں بے حد محتاط ہیں لیکن آپ نے کمال مہربانی فرمائی اور نسخہ عنایت کیا۔ لیکن اس میں ٹائٹل اور انتساب والے صفحات کم تھے 'دیباچہ سے شروع ہوتا تھا۔ میں نے تلاش کی ہم جلدی رکھی اور اپنی مشکلات استاد محترم ڈاکٹر ابو محمد سحر کے سامنے پیش کیں۔ آپ کا کرم ہمیشہ میرے شامل حال رہا ہے۔ آپ نے اپنے ذاتی ذخیرہ کتب میں سے مطالب الغالب کا ایک جلد نسخہ عنایت فرمایا لیکن یہ ناقص الاول اور ناقص الآخر تھا۔ یعنی صفحہ ۵ سے شروع ہوتا تھا اور صفحہ ۴۹۶ پر ختم ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ صفحہ ۲۵۲ سے لیکر آخر تک دیمک حاشیہ کو چاٹتی ہوئی اصل عبارت تک آگئی تھی۔ جبکہ باقی صفحات بہت اچھی حالت میں تھے۔

پتہ چلا کہ یہ بھی "مطالب الغالب" کا تیسرا ایڈیشن تھا۔ اسی دوران میرے شاگرد دوست عزیز اندری نے اپنے محترم والد کی قائم کردہ لائبریری سے "مطالب الغالب" کا ایک نسخہ عنایت فرمایا۔ یہ پہلا ایڈیشن تھا لیکن ناقص الاول تھا۔ حکیم ظل الرحمن والا نسخہ دوسرا ایڈیشن تھا۔ ان چار نسخوں کے حصول کے بعد مجھے اطمینان ہوا کہ ان سب کی مدد سے ایک اچھا عکسی ایڈیشن شائع کیا جاسکتا ہے۔ زیر نظر ایڈیشن میں مقدمہ نسخہ اول سے شامل کیا گیا ہے۔ صفحہ ایک سے ۲۵۲ تک سحر صاحب کے عنایت کردہ نسخے سے، صفحہ ۲۵۲ سے ۳۹۶ تک حکیم ظل الرحمن کے نسخے سے اور آخر والے صفحات پھر باقی صاحب کے دیے ہوئے نسخے سے شامل کیے گئے ہیں۔ یہاں یہ تحریر کرنا ضروری ہے کہ مولانا مہتاب نے جو مقدمہ تحریر کیا ہے اُسے صفحات کی مولانا مہتاب کی دی ہوئی

ترتیب کے مطابق لیا ہے۔ اور بعد میں شرح ہے جو از میر نو صفحہ نمبر ایک سے شروع ہوتی ہے۔

جب "مطالب الغالب" کو طباعت کے لیے تقابلاً رعلن صاحب کے حوالے کیا تو انہوں نے کہا کہ کاغذ بہت بوسیدہ ہو کر پیلا پڑ گیا ہے۔ اگر اس کا سائز بڑھا کر فوٹو اسٹیٹ کرایا گیا تو داغ دھبے اور سطح اور نمایاں ہو کر عیب بن جائیں گے۔ اس مسئلہ کا حل میرے بھائی شاہد علی خاں نے، جو کہ مکتبہ جامعہ کے روح رواں ہیں اور کتابوں کی طباعت کا کافی عملی تجربہ رکھتے ہیں، یہ نکالاکہ بڑے سائز میں الیکٹرو اسٹیٹ کاپی نکالی جائے اور پھر داغ دھبوں کو کیمیائی عمل سے دور کیا جائے۔ ان کے مشورے پر لقاء صاحب نے عمل کیا اور شہد روز کی مقدور بھر محنت کے بعد کتاب کو اس حالت میں لائے کہ چھپنے کے قابل ہو گئی۔

"مطالب الغالب" کے اصل نسخوں کی اشاعت ۲۰ x ۲۰ سائز کے کاغذ پر ہوتی تھی جبکہ اکادمی کا موجودہ ایڈیشن اٹلا راج کر کے ۲۳ x ۳۱ پر شائع کیا جا رہا ہے۔

"مطالب الغالب" کا پہلا، دوسرا اور تیسرا ایڈیشن بہ فرمائش شیخ مبارک علی تاج سر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور چھاپا گیا جبکہ اس کے مہتم اور پریس بدلتے رہے پہلا ایڈیشن (۱۹۲۳) بہ اہتمام ملک دین محمد منیر محمد دین محمدی اسٹیم پریس لاہور کے ذریعہ، دوسرا ایڈیشن (۱۹۲۸) بہ اہتمام میر قدرت اللہ کریمی پریس لاہور کے ذریعہ اور تیسرا ایڈیشن (۱۹۳۱) بہ اہتمام حافظ محمد عالم پرنٹر عالم گیر الیکٹرک پریس لاہور کے ذریعے شائع کیے گئے۔

بعد والے دو نسخوں کے کاتبوں نے کوشش کی تھی کہ کتابت میں بہت زیادہ فسق نہ آئے لیکن کافی محنت کے باوجود کاتب صاحبان اپنی کاوش میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں مثلاً پہلے ایڈیشن کے پانچویں صفحے کی پہلی لائن "بعض علوم" پر ختم ہوتی ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں کوشش کامیاب رہی ہے جبکہ تیسرے ایڈیشن میں لفظ "کو" کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح اسی صفحے کی آخری لائن کے آخری الفاظ "آج تک شاعری کے حدود ہیں لیکن دوسرے اور تیسرے میں "آج تک شاعری" پر یہ صفحہ ختم ہوتا ہے۔

اسی طرح صفحہ ۲۰ تک آتے آتے تینوں ایڈیشنوں کی پہلی لائن اس مصرعے سے شروع ہوتی ہے،

"یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط"

لیکن آخری لائن کا خاتمہ پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں تو "زمین و آسمان" پر ہوتا ہے لیکن تیسرے میں لفظ "کا" کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند باتیں مولانا سہا مجددی کے بارے میں بھی کر لی جائیں۔

جب "مطالب الغالب" شائع ہوئی تو اُس وقت تک مولانا سہا کے نام میں مجددی کا اضافہ نہیں ہوا تھا۔ دراصل بعد میں جب مولانا سہا نے حضرت شاہ محمد یعقوبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تو خود کو مجددی بھی لکھنے لگے۔

مولانا سہا نے ۵۵ سال کی عمر پائی اور ۲۷ دسمبر ۱۹۴۷ء کو بھوپال میں انتقال کیا۔ اُن کے دوستوں اور قدر والوں میں ہندوستان کے چوٹی کے اردو ادیب اور شاعر شامل تھے۔ مولانا سہا کا قد بہت چھوٹا تھا لیکن بونوں جیسے قد کا حامل یہ شخص ایک اعلیٰ دماغ انسان تھا۔ جوش ملیح آبادی نے "یادوں کی برات" میں اپنے جن "قابل ذکر احباب" پر قلم اٹھایا ہے اُن میں مولانا سہا بھوپالی بھی شامل ہیں۔ جوش اُن کی لیاقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ جب کسی علمی مسئلے پر باتیں کرتے تھے تو پتہ چلتا تھا کہ وہ کس قدر وسیع المطالعہ ہیں۔ وہ پرانے رنگ کے شاعر اور نئے مزاج کے نقاد تھے"

مولانا سہا کی ادبی سر بلندی کا اعتراف مالا سری رام دہلوی نے "خمن خانہ جاوید"

کے حصہ چہارم مطبوعہ ۱۹۲۶ میں ان الفاظ میں کیا ہے:

"قد و قامت نہایت منقصر مگر طبیعت ذکی اور مشتاق ہنر۔ علم مجلس میں یگانہ

ہیں۔ دیوان غالب اردو کی شرح میں حکمت و فلسفہ کے مسائل ان کی جدت طرائد

کا ثبوت ہیں"

مولانا سہا کے دوست متین سروش نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ یہ شرح نظم طرابلسی کے جواب میں لکھی گئی ہے شمس الرحمن فاروقی نے "تفہیم غالب" میں بخود دہلوی کے ساتھ سہا مجددی کو "انتہائی قابل قدر شارح" قرار دیا ہے جبکہ منظر امام اپنے ایک مقالے "یکے از

شاعرین غالب۔ مولانا سہا " (مطبوعہ مجموعہ مضامین ایک لہر آئی ہوئی) میں مطالب الغالب کے لیے لکھتے ہیں،

"مولانا سہا مجددی کی مطالب الغالب، غالب کی معدودے چند ابتدائی شروں میں سے ہے۔ یہ امر بذات خود اس شرح کے لیے وجہ امتیاز ہے۔ لیکن اس سے قطع نظر بھی سہا نے اکثر اشعار کی افہام و تفہیم میں نہ صرف وقت نظر سے کام لیا ہے بلکہ اپنی نکتہ بینی کا ثبوت بھی دیا ہے۔"

مولانا سہا کے ہم وطن اختر سعید خاں کو اس شرح میں سہا کے "ذہن کی دراکی" غالب کے اشعار کے کچھ ایسے مطالب بیان کرتی اور کچھ ایسے معانی تلاش کرتی نظر آتی ہے جن معانی اور مطالب تک غالب کے شاعرین کی نگاہ نہیں پہنچی تھی۔

مدھیہ پردیش اردو اکادمی کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اُس نے سہا کی شاعری کی متاعِ گم شدہ کو حاصل کر کے "ملعات سہا" (۱۹۸۵ء) کے نام سے شائع کیا اور جس کا دیباچہ جوش ملیح آبادی سے لکھوایا۔ جوش صاحب نے اپنے اس دیباچہ میں سہا کو قصرا دب کا مینارۂ بلند قرار دیا ہے۔

"مطالب الغالب" بھوپال میں غالب شناسی کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہ اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ ڈاکٹر عبدالرحمن بخوری کی وہ تحریر تھی جو نسخہ حمیدریہ میں شامل ہے اور "محاسن کلام غالب" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئی تو یہ جملہ غالبیات کی شاہ سُرخ بن گیا۔

"ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ مقدس دید اور دیوان غالب۔" بھوپال اپنی اس خوبی قسمت پر ناز کر سکتا ہے کہ اُس نے غالبیات کے سلسلے کے بعض ایسے تحفے نذر کیے ہیں جو صرف وہی دے سکتا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں یہاں تقریباً ایک صدی پہلے کا لکھا ہوا غالب کے دیوان کا قلمی نسخہ ملا۔ ابھی غالب کے اس دیوان کو طے ہوئے مشکل سے ۷۰ سال ہوئے ہوں گے کہ غالب صدی کے زمانے میں اسی بھوپال میں غالب کا ایک اور دیوان بخط غالب دریافت ہوا۔ پھر غالب کے دو غیر مطبوعہ اردو خطوط بنام

مولانا عباس رفعت اور ایک فارسی خط دریافت ہوا۔ آج مدھیہ پردیش اردو اکادمی غالب کی دوسری صدی کے موقع پر "مطالب الغالب" کا عکسی ایڈیشن شائع کر کے اپنی قدیم ادبی وراثت پر نازاں بھوپال کی طرف سے اس صدی کے حضور میں ایک اور بے نظیر تحفہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔ ایک ایسے شاعر کی ابتدائی شرحوں میں سے ایک شرح جس نے بقول سہا مجددی :

"تمام دنیا میں کم از کم اپنی صدی کی آئنازوں کو افسردہ کر دیا تھا"

آفاق احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

دلائل کی ضرورت نہیں۔ مشاہیر کے اقوال نقل کر کے پڑھنے والوں کو مرعوب کرنا عیث ہے۔ کلام فی نفسہ ایک قوی الاثر حقیقت ہے۔ جو طبائع کو متاثر کرتی ہے۔

ایک ادیب کی ساری عمر اسی غور و فکر میں گذر جاتی ہے۔ کہ اثر کلام کیا چیز ہے؟ وہ اس اثر کی ماہیت معلوم نہیں کر سکتا۔ البتہ کلام ہی کو مختلف ناموں، سحر، اعجاز وغیرہ سے پکارا ٹھکتا ہے۔ لیکن یہ سب محض الفاظ ہوتے ہیں۔ اُن نقوش تاثر کو کوئی کس طرح دکھا سکتا ہے؟ جو دل اور صرف دل پر ثبت ہوتے ہیں۔

ایک شاعر ایک خاص تڑپ اور مخصوص ہیجان میں ایک شعر کہتا ہے۔ جو سننے والے کو بھی بے چین کر دیتا ہے۔ لیکن شاعر اور سامع اس کیفیت اثر کو تمثیلاً یا تشبیہاً الفاظ میں ادا نہیں کر سکتے۔

ایک شوخ و شاداب پھول دیکھ کر جس طرح نگاہوں کے ذریعہ سے ایک مسرت آمیز احساس پیدا ہوتا ہے۔ ٹھیک اُسی طرح اچھے کلام کے اثرات قوت سامعہ دل میں اتار دیتی ہے!

لذت، کانشاط محسوس ہوتا ہے۔ مگر متعین نہیں! الم کی کلفت تکلیف

دیتی ہے۔ مگر غیر مفہوم۔ ہتی ہے۔ یہ حالت عام ہے۔ پھر بھلا کلام و شعر کے
اثر کی ماہیت۔ کون سمجھ سکتا اور کون سمجھا سکتا ہے؟ روح کا معمہ ہی کب
حل ہوا ہے۔ کہ امیال روحانی کی گرہ کشائی کی جائے!
کسی شعر کی ساری لفظی و معنوی خوبیاں بیان کر دوں اور غور کرو کہ
اس بیان میں اُن خوبیوں کا پورا احساس بھی ادا ہوا یا نہیں؟ وہ احساس
جو اندرونی طور پر محسوس کیا گیا تھا۔

صورتی و نقاشی دیکھی اور نقل کی جاسکتی ہے۔ مگر شاعری باوجود
سمجھنے کے سمجھائی نہیں جاسکتی۔ الفاظ اور معنی کے تعینات نے چونکہ اس
کو شجرہ ادب میں شامل کر دیا ہے۔ اس لئے فصاحت و بلاغت کا
سوال پیش نظر رہتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ فصاحت و بلاغت خود
شاعری کی پیدا کردہ خصوصیتیں ہیں۔ وہ ان سب سے اعلیٰ اور بے نیاز
ہے!!

شاعر کو محض ادیب سمجھنا بڑا ہی ظلم ہے۔ ادیب تو ہر نثر نگار ہو سکتا
ہے۔ اس کی اہلی حیثیت کو صرف وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جو نفس شاعری
کی منزلت۔ فہم کو سمجھ چکے ہیں۔ یا ایک حد تک وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جو
علوم و معارف کو باعتبار فایات تقسیم کر کے اُن میں مدارج شرف کی
کوئی مدق مصل قائم کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔
ہر ذی شعور کے نزدیک اجمالاً تمام علوم و فنون پر شرف و فضیلت

کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن اُسی طرح یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ بعض علوم کو بعض علوم اور بعض فنون کو بعض فنون پر تفوق شرف حاصل ہے اس کلیہ کو پیش نظر رکھ کر جو صاحب بصیرت 'مراتبِ علوم کی تقسیم کرے گا اُس کو شاعر کے منصبِ فضل کا رتبہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ یہ تو ظاہر ہے، کہ یہ مدارج شرفِ علوم کے غایات و مقاصد کے اعتبار سے تسلیم کئے جائیں گے۔ جو علم انسان کے مطالبِ حیات سے زیادہ معمور ہوگا۔ وہ اُن علوم سے زیادہ اشرف ہوگا۔ جن میں ایسی صلاحیتیں کم ہوں گی۔

قطع نظر اُن رجحانات و امیال اُن معتقدات اور تصورات کے جن کا علاقہ انسان کی محض حیاتِ روحانی سے ہے۔ اگر تعصب سے کام نہ لیا جائے۔ تو شاعری ہماری ساری حیاتِ مدنی پر بھی چھائی ہوئی نظر آ جائے گی۔ اُس حیاتِ مدنی پر جس کے مظاہر و شہود کو مادی نقطہ نظر سے بکشمِ تسلیم کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس مدنی حیات میں عالمِ روحانی نامعلوم طور پر اپنا قدرتی کام اُسی طرح انجام دے رہا ہے۔ جس طرح اس کو حقیقت میں انجام دینا چاہیئے۔

کیا دنیا کا تمدن محض کیمیا اور برقیات کی قدر پر اکتفا کریگا کیونکہ زندگی کی ضروریات کا علاقہ ان علوم سے زیادہ وابستہ ہو گیا ہے؟ اور کیا وہ کمال کی کمال محض ادِ علم کی علم محض ہونے کی حیثیت سے کوئی کفالت نہیں کر سکتا؟ نہیں بلکہ یوں کہو کہ مدنیات ایک ہمہ گیر حقیقت اور جامع کمالات کا احاطہ کرنا چاہتی ہے۔ اُن مضامین کے علاوہ جو آج تک شاعری

کے حدود میں داخل ہو سکے ہیں۔ اور جن میں وجدانیت اور روحانی ذہنیات کا عنصر غالب ہے۔ اگر صرف اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ معمولی سی معمولی بات دائرہ شعر میں پہنچ کر محض شاعری کے اسلوب خاص اور طرزِ اظہار کی وجہ سے کس قدر قوی الاثر ہو جاتی ہے۔ اور یہی ایک خصوصیت ارتقاء زبان کے لئے جو مدنیت کے اصول بنیادی میں سے ہے۔ کس قدر مفید ہے۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ شاعری مدنیت کا نہایت اہم عنصر ہے!

یہ اور اسی قسم کی مختلف اہمیتیں گنائی جاسکتی ہیں۔ جن کا تعلق شاعری کے محض بیرونی سطحی اور ظواہر امور سے ہے۔ لیکن اگر نگاہوں کو وسعت دی جائے۔ اور مادی کثافتوں پر ٹھیرا نہ دی جائیں۔ بلکہ حجابات کو شفاف کرتی ہوئی عالم روحانی تک پہنچائی جائیں۔ پھر تو شاعری کا فضل و شرف آفتاب کی طرح ہر دیکھنے والے کو نظر آسکتا ہے!

شعراء نے مذہب و اخلاق اور فلسفہ کے بڑے بڑے مسائل کو فروغ دیا ہے۔ لیکن اُن کا سب سے بڑا کمال اُس وقت ظاہر ہوتا ہے، جب جذبات کی تصویریں کھینچنے اور کیفیات و محسوسات کی ترجمانی کرنے میں کافی قدرت ظاہر کرتے ہیں۔ اُس وقت محض اُن کی لفظی ترکیبیں منطقی مسلمات اور استدلال پر حکومت کرتی ہیں۔ اور انکی تخیل فلسفہ کے منتہائے نظر پر ایک ٹھوکر لگا کر غیر معلوم الرفیعت فضا کی طرف پرواز کر فی شروع کر دیتی ہے۔

منطق ایک خاص قسم کی عقلیت ہے۔ جو عقل ہی پر غلبہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اور وجدان ایک قدرتی واقعیت ہے۔ جو وہم و صنعت کے فریبوں کو مٹاتا ہے منطق عقل کے لئے ذلت ہے۔ اور وجدان عقل کے لئے مجلی۔

فلسفہ اشیاء کی حقیقت کا متجسس ہے۔ اور وجدان حقائق پر محیط ہے۔ پھر فلسفہ جس کی تلاش میں گم ہے وہ وجدانی دنیا ہے۔ اور وجدانی دنیا کا ہی دوسرا نام شاعری ہے۔ اس لئے شاعر جو اپنے فکر کی قوت احساس کی ذکاوت اور خیال کی رفعت کے باعث وجدانیات ہی کی ترجمانی کرتا رہتا ہے۔ ہر منطقی اور ہر فلسفی سے افضل و اشرف ہے!

ایک فلسفی کی نگاہ کے سامنے جب کوئی چیز آتی ہے۔ تو وہ بالکل جھٹی اور جاہل ہوتا ہے۔ اور ایک شاعر کے سامنے جب کوئی چیز آتی ہے۔ تو وہ معلوم شدہ اور بے نقاب آتی ہے۔ فلسفی ڈھونڈتا رہتا ہے۔ اور شاعر پہچانتا رہتا ہے! وہ منتشر حقیقتوں میں ربط دے دے کر ایک حقیقت الحقائق مان لیتا ہے۔ اور یہ حقیقت الحقائق کے اُس آفتاب کو اپنے پہلو میں دیکھتا ہے۔ جس کی شعاعوں کو حقائق عالم سے تعبیر کیا جانا چاہئے! اس کا شہنائے نظر ایک نقطہ تاریک و مجہول ہے۔ اور اس کا مطلع نگاہ یکسر نور!!

ہر علم کا موضوع ہوتا ہے۔ شاعری کا موضوع استقصاء حسن عشق ہے۔ حسن موجودات کے ایک ایک ذرہ سے جھانک کر صاف نگہ انگنی کر رہا ہے۔ اور عشق کی خانیاں سوزی کے شعلے نضا میں بھڑک رہے ہیں۔ یہ شاعری کے مسلمات ہیں۔ جیسے ہر علم کے بعض مسلمات ہوا کرتے ہیں۔ شاعری نضا میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہوا کے جھونکے اُس کے تعطر سے لبریز ہیں۔ بادلوں سے برستی اور سبزہ کے ساتھ روئیدہ ہوتی ہے۔ وہ حُسن سے اٹھکھیلیاں کرتی اور محبت بھرے دلوں سے کھیلتی ہے۔ ساری دُنیا اُس کا نشیمن ہے۔ اور شعراء کی قوت فکر اُس کا مرکب ! "موسیقی" اور "ادب" اُس کے ملبوس ہیں۔ اور وہ اکثر انہیں نقابوں میں جلوہ نما ہو جایا کرتی ہے ! وہ جس کو چاہے ہو مر بنا دے۔ اور جس کو چاہے شیکسپیر امراء القیس ہو یا ابونواس، کالی داس ہو یا حافظ شیراز، جس پر اُس کا پر تو نور پڑ گیا۔ سحر بیانی کا خداوند ہو گیا۔ وہ تقسیم اقوام ولسنہ اور جغرافیہ سے بے پروا ہے۔ ہندوستان میں بھی عرفی و نظیری کے بعد اُس نے میر تقی میر سے گزر کر مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اپنے ظہور کے لئے چنا۔ اور اردو کو نوازا۔ پھر غالب نے بھی اس کی ایسی صحیح اور پُر جوش ترجمانی کی، کہ تمام دُنیا میں کم از کم اپنی صدی کی دوسری آوازوں کو افسردہ کر دیا۔ گو ساری دُنیا کو موقع نہ ملا ہو۔ کہ غالب کی آواز سنے، یہ دُنیا کا تصور ہے۔ غالب کا نہیں، اُس کے خیالات تو کرۂ ارض کے تمام دفاتر

ادب کے لئے سرمایہ نازش ہو سکتے ہیں۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب، وہی غالب جس نے اب سے تقریباً ایک صدی پیشتر اردو شاعری میں اپنی ندرتِ تخیل و مضامین اپنی جدتِ اسلوب و ادا، اپنی نزہتِ تشبیہات و استعارات، اور شوکتِ تراکیب و الفاظ سے، ایک ایسا باب کھول دیا جس میں گویا ایک نئی دُنیا نظر آنے لگی۔ یہ ارتقاء شعر کی ایسی کڑی تھی جو اس وقت تک آخری سمجھی جا رہی ہے۔

ایسے کلام کی اشاعت کا قدرتی نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا کہ اہل نقد نے تنقید میں نگاہیں ڈالیں۔ سطحِ آشنائیاں نکھیں مطالب کی گہرائیوں تک کام نہ کر سکیں۔ انہوں نے جدت کو 'مجہول' مضمون آفرینی کو 'کوہِ کندہ' و 'کامہ برآوردن' تراکیبِ بلیغ کو 'گورکھ و حندا' شوکتِ الفاظ کو 'اغلاق' کہہ کر پکارا، لیکن امتدادِ مجلسی اذبان ہے۔ چنانچہ ایک مدت کے بعد ایک بڑا طبقہ ایسا پیدا ہو گیا۔ جس نے تعمقِ فکر سے کام لیا۔ اور دُنیا کے اردو اس کلام کی تحسین و داد کے آوازوں سے معمور ہو گئی۔ اور آج اس تحسین میں کافی بلند آہنگی پیدا ہو چکی ہے۔ اور خیال ہے کہ اُردو کا ذوقِ شعر جس قدر بلند ہوتا جائے گا۔ غالب کی شاعری کے محاسن زیادہ نمایاں اور محسوس ہوتے جائیں گے۔ اس وقت بھی عام طور پر اس کو غیر معمولی

شاعر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس خصوصیت کا عام سبب محض اعتراف کمال ہی نہیں ہے، بلکہ اس میں بیشتر حصہ صرف اس اعتراف کا ہے۔ کہ وہ بہت مشکل نگار تھا۔ اور چونکہ خصوصیت کا یہ اعتبار اعتراف کمال کے ساتھ خلط سا ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اُس کی فوقیت محض کو عام طور پر تسلیم کئے جانے کے لئے ابھی کچھ اور وقت درکار ہے۔

اسی مشکل نگاری کے یقین کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لوگوں نے اُس کے کلام کی شرحیں تالیف کیں، اور اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اس کے ہر شعر پر خواہ وہ اشکال لفظی اور عقود معنوی سے پاک ہی کیوں نہ ہو، تاویلی نظریں ڈالی جاتی ہیں۔ اور طرح طرح کی معنی آفرینیاں کی جاتی ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو غالب کے سارے مرثجہ دیوان میں مشکل سے پندرہ بیس ہی شعر ایسے ملیں گے۔ جن کو مشکل کہا جاسکتا ہے۔ اور اُس کے دیوان کے پیشتر حصہ کو طلسم اشکال قرار دے دینا بڑا ہی ظلم ہے۔

غالب کے کلام کو مشکل قرار دینے جانے کا ذمہ دار غالب کا کلام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس میں مشکل کو دخل ہی نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ غالب کے دور کی عام اردو اُس عتلائے خیال اس رفعت فکر اُس وسعت مطالب اس کمال مطالبت تشبیہات اُس بلاغت استعارات اور اُس خاص اسلوب ادا و شیوا بیانی

سے نابلد تھی۔ جن کو پہلے پہل غالب نے بکمال قدرت شاعرانہ اُردو میں روشناس کرایا۔ اور اس اجنبیت سے اگر ”مشکل نگاری“ کی غلط فہمی ابتدا ہی میں پیدا نہ ہوئی ہوتی تو اب سے بہت پہلے وہ اعتراف صحیح پیدا ہو چکا تھا۔ جس کا ابھی اور چند سال انتظار کرنا چاہئے، اور یہ وہی اعتراف عام ہوگا۔ جو غالب کو بلا استثناء تمام شعراء اُردو سے فائق تسلیم کرادے گا!

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غالب کو اُردو زبان پر قدرت نہ تھی، حالانکہ اُردوئے معلّٰی اُس کا مجموعہ مکاتیب اور خود دیوان کا سہل ممتنع غزلوں کا ذخیرہ قدرت زبان کا ایک ایسا ثبوت ہے۔ جسکے دیکھنے کے بعد اس قسم کا کوئی شبہ بھی رکھنا محض ضد و جہالت ہوگا۔ وہ زبان جو غالب نہایت فصیحانہ قوت سے اپنے خطوط اور بعض غزلوں میں استعمال کر گیا ہے۔ نہ تو مولوی محمد حسین آزاد کو نصیب ہوئی، نہ مولوی حالی کو اور نہ سرسید مرحوم کو۔ جن کو آج کل کے لوگ ائمہ زبان کی طرح مانتے ہیں۔

کوئی شاعر شاعرانہ مضامین کو اُس وقت تک ادا کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ محیط اعظم عشق میں ڈوب کر شعر نہ کہے۔ جس طرح ایک ممثل کسی تمثیل کو اچھی طرح ادا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تا وقتیکہ وہ اُن احوال تمثیل کو اپنے اد پر طاری نہ کرے اس

کے یہ معنی نہیں کہ ہر شاعر کو قیس عامری بھی ہونا چاہئے۔ بلکہ اُس کے حواس و درکات میں ایسی فطری جودت ہونی ضروری ہے کہ وہ مقاماتِ عشق سے اگر خود نہ بھی نہ گزر رہا ہو۔ تاہم وہ اپنی غیر معمولی انفعالیّت سے انہیں مقامات کے تاثرات سے متکلیف و لذت اندوز ہو سکتا ہو۔ جس طرح پر تو حسن سے کائنات کا ایک ایک ذرہ معمور ہے۔ اُسی طرح تاثراتِ عشق سے ایک ایک جزء لایتنجز لبریز ہے۔ اختلاف طبائع و تعدد اشیاء کی وجہ سے اگرچہ عشق کے عام احوال و آثار متعین نہیں ہیں۔ مگر انسانی امیال کی چند جزئیات کا خارجی احساس ضرور معلوم و متعین سا ہے اس لئے کم از کم اُن محسوسات تک شاعر کی رسائی اس کے شاعری کے فروغ کے لئے نہایت لازمی امر ہے۔ اور یہی وہ خصوصیت ہے۔ جس کی موجودگی ہمیں مجبور کرتی ہے۔ کہ ایسے شاعر کو فطری شاعر کا لقب دیں۔

بعض لوگ شعر کی خوبی کا تعین ارسطو اور ابنِ رشیق کے اقوال سے کرتے ہیں اور بعض ملٹن اور کارلائل کے جملے دہراتے ہیں۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے۔ کہ شعر کی خوبی نہ کسی مجہول الکلیف محاکات میں مضمر ہے نہ غیر مفہوم سادگی میں ہے۔ اور نہ نامعلوم جوشش میں پنہاں ہے۔ بلکہ وہ ہر اور لب لباب ہے۔ اُن تمام لطائف کا جن کو ابتداء سے لے کر آج تک کی نسلِ انسانی کے

ارتقاے مادی و روحانی نے معلوم و حاصل کیا ہے۔
 اسی لئے ایک کامل شاعر جن جن مطالب کو ادا کرتا ہے۔ وہ
 یکسر لطافت ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے سامع کے لئے مؤثر
 ثابت ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ شاعر بھی ہمہ گیر حسن و عشق سے متکیف
 ہو کر ہمہ دان اور ہمہ بیان ہو جاتا ہے۔ اور وہ محاکاتِ تغنی، ادب،
 فلسفہ، مصوری وغیرہ تمام خزائنِ لطافت کا مالک ہو جاتا ہے۔
 پھر اہل نظر انہیں لطائف میں شاعر کا کمال دیکھتے اور انہیں مطالب
 کی قوتِ اظہار میں اس کا معیارِ فضل ڈھونڈتے ہیں۔

غرض کہ دنیا میں اس وقت تک، جغرافیائی نسبتوں سے جس قدر
 ذخائرِ شعر موجود ہیں۔ اُن اشعار میں انسانی ذہنیاتِ مرتقیہ کا نمایاں
 یا غیر نمایاں جو ہر ضرور پایا جاتا ہے۔ اور ہر زبان و ملک کی شاعری
 میں مختلف علومِ عالیہ اور فنونِ لطیفہ کے عنصرِ خود و طریقہ پر ترکیب
 پائے ہوئے ملتے ہیں۔ و جدا نیات و جذبات کی شاعری سارے
 جہان میں اپنا ایک ہی جزوِ مشترک رکھتی ہے۔ یعنی ”عشق اور تحسین“
 لیکن اُن کے مراتب و مدارج میں فرق و اختلاف سا معلوم ہوتا ہے
 تاہم یہ فرق و اختلاف اس قدر اہم نہیں ہے۔ کہ اُس کی بنا پر ہم
 خاص خاص حدود قائم کر کے کوئی معیار بنائیں۔ جس سے اندازہ ہو
 سکے۔ کہ کس ملک کے کس شاعر کو امتیاز و تفوق حاصل ہے۔ لیکن

شاعری میں وہ خیالات و محسوسات جو علوم و فنون کی وساطت سے
خارجی طور پر شریک ہو گئے ہیں۔ صرف وہی ایسے اجزاء ہیں، جن کے
ذریعہ سے ہم کسی ملک یا کسی شاعر کی شاعری میں حدود امتیاز بنا
لیتے ہیں۔ کیونکہ وجدانیات ترتیب و تنظیم سے ارفع و اعلیٰ حقائق
ہیں۔ درآں حالیکہ علوم و فنون کی بنیاد ہی ترتیب و تنظیم پر ہے۔ یہی
وجہ ہے کہ جب ہم کسی اُردو کے شاعر کی شاعرانہ کاوشوں کو سمجھنا
چاہتے ہیں۔ تو ضروری ہو جاتا ہے۔ کہ اُس کے تمام ماحول اور ماحول کے
تمام ماحول کو پیش نظر کر لیں۔

چنانچہ ہندوستان اور ہندوستان کے اُردو زبان کے شاعر
کو سمجھنے کے لئے ناگزیر ہے۔ کہ سارے ایشیا کے اذواق و محسوسات
پر نظر رہے۔

اس اعتبار سے کہ اُردو زبان کا مولد و مسکن ہندوستان ہے۔
اس میں ہندوستان کے تمام لطائف علوم و فنون کا ہونا مسلم ہے۔
اور چونکہ اُردو زبان نے عربی اور فارسی کے حاملوں کی آغوش میں
پرورش و تربیت حاصل کی ہے۔ اس لئے اُس میں عربی و فارسی
کمالات کا عنصر ہونا یقینی امر ہے۔

عربی شاعری سے جو جذبات اُردو شاعری میں زیادہ تر منتقل
ہو سکتے تھے، اُن کا علاقہ علمائے اخلاق کی تقسیم احوال نفس کے اعتبار
سے انسان کی قوت غضبیہ سے ہے۔ یعنی بہادری و شجاعت انتقام

و آزادی، حرب و ایشارہ وغیرہ مخصوص جذبات ہیں۔ جن کو عربی شاعر
 کا نمایاں عنصر ناز سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن عربی سے زیادہ اُردو شاعری
 فارسی شاعری کی زیر ہارِ منت ہے۔ جس نے مضامین بوقلموں کا ماخذ
 پیش کر دیا۔ اور اس طرح شعرائے اُردو کو طبعی و جغرافیائی مناظر فطرت
 عشق و محبت، فلسفہ و تصوف اور اخلاقی مضامین کی ایک گلستان زار
 شاہ راہ میسر آگئی اور اسی سے انہوں نے گزرنا شروع کیا۔

عرب کی شاعری کے معترفین شاید اس ترجیح کو گوارا نہ فرمائیں۔
 لیکن اس میں شک ہی کیسا ہے کہ عربی کی ساری علمی و فنی ترقیاں ظہور
 اسلام کے بعد کی ہیں۔ اور ان ترقیوں کے حاملین بیشتر بلکہ کلینتاً کما
 جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ کہ عجمی تھے۔ جن کے اذہان انہیں کے متہمد ملک
 کے تربیت یافتہ تھے۔

فطرت کے خالص جذبات و امیال سارے جہان میں یکساں
 ہیں لیکن اذہان مرتقیہ میں جو لطائف و دقائق بطور اضافات جذبات
 کے پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کا جولان گاہ کوئی نیم مہذب یا کم ترقی کردہ
 ذہن نہیں بن سکتا۔ اور یہ تفوق ایران کو نہ صرف عرب ہی پر
 حاصل ہے۔ بلکہ سارے ایشیاء پر بلا کسی استثناء کے حاصل ہے۔

سنسکرت جس کی قدامت کو اپنی تہذیب و ترقی پر آج بھی بڑا
 ناز ہے۔ فارسی کے مقابل نہیں آسکتی۔ کیونکہ اُس کا بعد زمانی ہی اس
 بات کی دلیل ہے۔ کہ فارسی کو قرون ترقی سے قرب و اتصال میں تفوق

ہے۔ رہا سالیبِ بیان قوت و شوکت الفاظِ تشبیہات و استعارات وغیرہ کا مسئلہ تو اس کا تعلق تنقید ادبیات کے ضمن میں اعلم الناسہ سے پایا جاتا ہے۔ نفس شاعری اور مضامین شعر سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ غرضیکہ اردو شاعری میں عربی فارسی اور اپنے وطنی مآخذ سے منتقل ہو کر جو مضامین شامل ہوئے۔ وہ عشق و محبت تحسین، فلسفہ و تصوف اخلاق و مناظر نگاری وغیرہ کہے جاسکتے ہیں۔ اور ان مضامین کے ذیل میں اور بہت سے جزئیات ہیں۔ جن کا استقصاء طوالت سے خالی نہیں۔

انہیں مضامین کے اعتبار سے ہم اردو کے ہر شاعر کی شاعری پر نظر ڈال سکتے ہیں۔ اور اس کا معیار شاعری معلوم و متعین کر سکتے ہیں۔

غالب کے یہاں یہ تمام مضامین اپنی تمام جزئیات کے ساتھ موجود ہیں۔ جن کی چند مثالیں پیش کی جائیں گی۔

غالب سے پہلے میرؔ سودا اور خواجہ میر دردؔ اردو شاعری کے تین نامور اساتذہ گذرے ہیں۔ لیکن غالب کا مرتبہ باعتبار جامعیت مضامین کے ان تینوں سے بلند تر ہے۔

میرؔ کے یہاں مضامین اور مضامین کی رفعت محدود ہے۔ ان کی شاعری کی خصوصیت امتیازی سادگی الفاظ اور عام درد آمیز انداز بیان

میں جلوہ گر ہوتی ہے اور بس۔

سودا کے یہاں بجز قدرت سخن طرازی کے کوئی خاص بات نہیں۔ رہے خواجہ میر درد تو ان کے اسلوب ادب میں خفیف سی شوخی رجو میر کے یہاں مفقود ہے، کے ساتھ متصوفانہ خیالات کا اظہار بھی پایا جاتا ہے۔

اب معاصرین غالب پر نظر ڈالو، تو ان میں صرف مومن اور ذوق قابل ذکر ہیں۔ جن میں سے مومن کی خصوصیت شعر محض نگین نوائی ہے۔ اور ذوق کی خصوصیت محض محاورہ نگاری۔ یہ تمام خصوصیتیں جب غالب کے مضامین عالیہ کے سامنے آتی ہیں تو خصوصیتیں نہیں رہتیں!

غالب کے بعد اردو شاعری کے حقیقی رنگ کا عہد عروج و افول اٹھو امیر پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور ان دونوں کے امتیازات شعر صرف یہ ہیں کہ امیر کا کلام کوئی عیب نہیں رکھتا، اور داغ صاف گو اور بے عیب ہاتھ لگا رہے ہیں۔ گویا غالب کو اس آخری عہد تک، بمذہب بلندی حاصل ہے کہ اور وہ امیر سے لے کر داغ و امیر تک کی تاریخ شعر میں ایک نمایاں ترین حیثیت پر متمکن ہے۔

ذراغ و امیر کا دورا بھی ختم نہ ہوا تھا۔ کہ مغربی خیالات کی رونے
متاثرین تنجید کو مجبور کر دیا۔ کہ تمام قدیم موضوعات کی طرح، شاعری
کے نظریات کی بھی از سر نو ترتیب و تنظیم کی جائے اور اس تحریک
نے نیروستودا، انقلاب و مومن۔ ذراغ و امیر کا جھگڑا ہی مٹا دیا۔ اور
مشرقی و مغربی تنازع کا شگوفہ چھوڑ کر مغربیت سے بخودانہ گردیدگی
پیدا کر لی۔ اور اردو شاعری کے تباہی عنوان سے لطف اندوز ہونے
پر مصر ہو گئے۔

یہاں تک تو ہم کو بھی اعتراف ہے۔ کہ اس عہد انقلاب ذوق
نے ادبیات اردو میں ایک ضروری اور قابل قدر صنف کا نام کا اضافہ
کر دیا۔ لیکن جو لوگ محض اسی ایک صنف سخن کو پورا جہاں شاعری
مانتے ہیں۔ ہم کو ان کے خیال سے مطلق اتفاق نہیں منظومات ملی،
وطنی یا سیاسی وغیرہ میں ہی شاعری کو محدود سمجھ لینا کوتاہ نظری اور
تنگ خیالی ہے۔ انقلاب ذوق کی نصف صدی نے آج تک صرف
دو سنجیدہ قومی شاعر پیدا کئے ہیں۔ حالی اور اقبال اگر شاعری کا مرتبہ
نثر سے بلند تر اور زیادہ موثر ہوتا ہے۔ تو حالی اور اقبال کی شاعری
کے اصلاحی اثرات نہایت نمایاں ہونے چاہئیں۔ لیکن کیا ایک
صاحب نظر بھی ان کے اشعار کے اثرات کو ابوالکلام آزاد کے
افسوں، تحریر و تقریر پر ترجیح دے سکتا ہے۔

حالی کے مسدس نے کبھی رُلا یا ضرور ہے۔ اقبال کے اشعار نے

ہنگام سماع لذت کش جوش ضرور کیا ہے۔ لیکن ابوالکلام کی انشاء نے تو جماعتوں کے متعقدات سیاسی و مذہبی میں، تزلزل پیدا کر کے ایک قلم بدل دیا۔ اور رنگ دیا۔ پھر کہاں ہے وہ خصوصیت جو شعر کو ہر نثر سے برتر رکھتی ہے؟ نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ کہ ”دریا نہیں کار بندر ساقی“۔ یعنی شعر کی اصناف میں ”قومی“ و ”ملنی“ اور سیاسی منظومات کو دخل کرنا تو ناگزیر ہے۔ مگر شاعری کو اسی حد تک برقرار جاننا غلط ہے۔

راہندر ناتھ ٹیکور آج مشرق و مغرب کا مسلمہ شاعر مانا جاتا ہے کیا اُس کی شاعری قومیت اور سیاست کی تبلیغ سے متعلق ہے؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر اُس کی شاعری میں سے ایک جذبہ شوق تعبذ حذف کر دیا جائے۔ تو مجذب کی بڑے سوا کوئی دوسری تعریف اُس پر صادق نہیں آ سکتی۔ لیکن وہی ایک جذبہ شوق ہے۔ جس نے باوجود انتشار و بے ربطی کے سامعین کی توجہات کو مسحور کر دیا ہے۔ اور یہ شاعری کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

غرض کہ شاعری میں معیار قائم کرنے کے لئے معمولی معمولی جزئیات اور ہنگامی ضروریات پر اصرار کرنا بے محل ہے۔ شاعری تو دو جانبیاتی اور لطائف علوم و فنون سے تعبیر ہے۔ اور شاعر اپنے اذواق و لطائف

علوم کو، علوم متعارف کی طرح دنیا کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ لطائف علوم و فنون کی صورت میں ہم سطور بالا میں اُن مضامین کا مختصراً حوالہ دے چکے ہیں۔ جو اردو شاعری میں فارسی وغیرہ سے منتقل ہو کر آئے ہیں۔ اور معرض بیان میں آتے رہتے ہیں۔ لہذا اب دیکھنا چاہئے کہ غالب اِن مطالب کو کس طرح ادا کرتا ہے۔

مخلوق اپنے خالق کے اور مصنوع اپنے صانع کے وجود و صنعت کی دلیل ہوتی ہے۔ غالب اپنے دیوان کی ابتدا اسی مضمون سے کرتا ہے اور کہتا ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذ ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
اسی خیال میں مشاہدہ مظاہر سے ایک استعجابی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور جستجو میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔

جب کہ تجھ بن کوئی نہیں موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں غمزدہ و عشوہ و ادا کیا ہے
شکین زلفِ عنبریں کیوں ہے نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

اگرچہ احوال و منازل سلوک قید کلام سے آزاد ہیں۔ تاہم علم تصوف

کے مسائل چونکہ خاص خاص احوال ہی پر قیاس کے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ اس لئے اُن میں مطابقت احوال کا کافی عنصر موجود ہے متصوفین کا معرکہ الآراء مسئلہ ”توحید وجودی“ ہے۔ نقاش ذرہ ذرہ میں تناسب ڈھونڈتا ہے۔ شاعر ہر چیز میں حسن دیکھنا چاہتا ہے۔ وحدت الوجود کا اعتقاد اُس کی تیشگی بھگادیتا ہے۔ اور مجاز و حقیقت کے دو جدا گانہ حدیں اُس کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتیں۔ اب اُس کی نگاہیں زیادہ کامیاب زیادہ شاداب اور بے حجاب ہو جاتی ہیں۔ اس لئے وہ اس مسئلہ کا معتقد ہو کر خود کو شاعرانہ سکون کی فردوس میں پاتا ہے۔ اور اپنی آرزو کے مطابق ہرائق سے ایک ہی شوخی ہر گوشہ سے ایک ہی رعنائی ہر حجاب سے ایک ہی دلکشی کو مسکراتے اور آنکھیں لڑاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اور پکارتا ہے

ہے تجلی تری سامانِ وجود ذرہ بے پر تو خورشید نہیں

نشوونما ہے ہر گل سے غالبِ فروع کو خاموشی ہی سے نکلے ہے جوبات چاہئے

ہے رنگِ لالہ بگل و نسریں مجداً ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے
یعنی بحسبِ گردشِ پیمانہ صفات عارف ہمیشہ مستِ مئے ذات چاہئے

دل سے اٹھا لطف جلوہ ٹائے معافی غیر گل آئینہ ہمار نہیں ہے

مظاہر کائنات کو ماسوا یقین کرنا نگاہوں کی کوتاہی ہے۔

ورنہ

ہے مشکل نمود صور پر وجودِ بحر یاں کیا دھرا ہے قطرہ موجِ حجاب میں

کثرت آرائی وحدت پرستاری ہم کر دیا کافرانِ اصنام خیالی نے مجھے

توحید کا کمال یہ ہے کہ سوائے وحدت کے ہر وجود معدوم ہو جائے۔ کسی موحد کو اگر توحید کے ساتھ ساتھ اپنے وجود کا بھی احساس باقی ہے۔ تو اس کے اعتقاد میں ہنوز خامی ہے :-

ہر چند سبکدست ہوئے بُت شکنی میں ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگِ گراں اور

موجودات کائنات اشکالِ وہی ہیں۔ ان میں گم ہو جانا حقیقت شناسی سے بعید کر دیتا ہے :-

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور جز وہم نہیں ہستیِ اشیاء مرے آگے

حجاباتِ مظاہر خود جلوسے کا پتہ دیتے ہیں :-

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہاے راز کا یاں ورنہ جو حجاب ہے پڑ ہے ساز کا

ایک وہ "انانیت" ہوتی ہے جو راہ میں "سنگِ گراں" ہوتی ہے۔
 کیونکہ اس کی بنیاد احساسِ ماسواء پر ہے۔ دوسری وہ "انانیت" ہے
 جو "ہینیت" پر منحصر ہوتی ہے۔ اس انانیت سے غفلت، گم گشتگی
 ہے۔ اور "من" عرفِ نفسِ فقد حرفِ مرہ میں معرفتِ نفس
 سے اسی انانیت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اور اسی انانیت کا
 غلبہ منصوص سے انا الحق کہلا دیتا ہے۔ تاہم اتنا ضرور سمجھ لینا چاہئے
 کہ:-

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بعد ہے
 جتنا کہ وہم غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

لیکن توحید میں کمال کمالِ اخلاص سے پایا ہوتا ہے۔ اس لئے
 یہی سمجھنا چاہئے کہ:-

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

معرفتِ نفس سے معرفتِ رب حاصل ہونا تو مسلم تھا ہی غالب
 نے اسی کے ساتھ ایک صحیح جدتِ فکر سے، ایک دوسرا پہلو معرفتِ
 رب کا بیان کیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فنائے نفس سے
 بھی وہی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور غفلت بھی مبادی فنا میں
 سے ہے:-

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو آگئی گر نہیں، غفلت ہی سی

برکے جو عالم خارجی کا وجود داخل نفس میں دیکھتا ہے۔ وہ شاید
اپنے فلسفہ کو اتنا منحصر اور مستدل بیان کرنے پر قابو نہ رکھتا ہوگا
غالب اپنی حقیقت آگاہی کو اتنی قوت سے بیان کر سکتا ہے :-

باوجودیکہ جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دل پر دانہ ہم

ایک شعر میں اپنی انانیت کے فنا کو کن الفاظ میں ادا کرتا
ہے :-

ہم دماں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی

جس طرح توحید میں کامل اخلاص کی ضرورت ہے۔ اسی طرح
عبادات میں اخلاص کا زبردست معیار ہے۔ حافظ شیرازی نے
ایک شعر میں اس خیال کو اس طرح ادا کیا ہے :-

حافظ و خلیفہ تو دعا گفتن است و بس

در بند این مباش کہ نشنید یا شنید

غالب اسی خیال کو اس طرح ادا کرتا ہے :-

کیا زبد کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ رہائی پاداشِ عمل کی طمع خام بہت ہے

اور
طاعت میں تار ہے نہ سے دانگیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

آفتاب کی طرف کون دیکھ سکتا ہے۔ جمال کی شدت آنکھوں
کے لئے حجاب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جلوۂ حبیب کے دیدار میں
برق نظارہ سوز ہی ناکامی دید کا سبب بن جاتی ہے۔ یہی مضمون
ہے جو اس طرح ادا ہوا:-

ناکامی نگاہ ہے برق نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

اور
نظارہ کیا حریف ہو اس برق حسن کا
جوش بہار جلوہ کو جس کے نقاب ہے

حیات انسانی کی ساری مسرتوں کی بنیاد آرزو پر اور آرزوؤں
کا انحصار امید پر ہے۔ اور بالیوسی کا ایک سانس بھی ہلاکت نامرادی
سے کم نہیں:-

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں تظاں ساغر کھینچ

اور آدمی کا مصروف کوشش ہی رہنا، اُس کی مصیبتوں کو کم کرتا ہے۔ خواہ وہ سرگرمی مساعی بے صرفہ ہی کیوں نہ ہو:-
بس ہجومِ ناامیدی خاک میں بل جلتے گی
یہ جواک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

ہمت اور سعی تحصیل ہی میں دُنیاوی چل چل کا راز
مضمحل ہے:-

ہنگامہ زبونی ہمت ہے، انفعال
حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں ہو

اب ذرا ذیل کی غزلوں پر غور کیجئے۔ جن کا ایک ایک مطلع حوالہ
کے طور پر لکھا جاتا ہے:-
ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

عرض نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

ذکر اُس پر یوش کا اور پھر بیاں اپنا
ہو گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا

ہے بسکہ ہر ایک اُن کے اشارہ میں نشان اور
کرتے ہیں محبت تو گُذرتا ہے گساں اور

دل ہی تو ہے نہ سنگِ خوشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنچ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینہ میں تو پھر منہ میں باں کیوں ہو

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا، کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

سادگی پر اُس کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے

حسنِ مہ گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے
اس سے میرا مہِ خورشیدِ جمال اچھا ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے

تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

نکتہ چیں ہے غمِ دل اُس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

باز بچہ اطفال ہے دُنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہتے
تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہتے

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے
جوشِ قدح سے بزمِ چراغاں کئے ہوئے

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام تجھ سے کس نے کہا کہ ہو بدنام

تھیں حسن کے مضامین شبیہوں، اور تخیلات سے غالب کا کلام
اپنی نظیر آپ ہی ہو سکتا ہے۔ وہ جذبات عشق کو ایسی بلند آہنگی
سے ادا کرتا ہے کہ جس کو شاعری کے لئے سرمایہ نازش سمجھنا
چاہئے۔ اور کہیں کہیں ایسا پختہ کارانہ ذوق نمایاں ہوتا ہے، جو
مشکل سے کسی شاعر کے یہاں مل سکتا ہے۔ یعنی:-

عجز و نسیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر!
دامن کو اُس کے آج حریفانہ کھینچے

اور

اس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں
شوقِ فضول و جرأتِ رندانہ چاہئے

بے شباقی عیش کے مضامین شعرا نے اکثر لکھے ہیں۔ مگر دنیا
کی شاعری میں اس قطعہ کا بھی کوئی جواب ہے:-

اسے تازہ واردانِ بساطِ ہوا سے دل
زہباہ اگر تمہیں ہو بس ناؤ نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدہ عبسرت نگاہ ہو
میری سُنو جو گوشتِ حقیقتِ نوش ہے
ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ زہراں شگین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط
 دامانِ باغبان و کف گل فروش ہے
 لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
 یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
 یا صبح دم جو دیکھتے آ کر تو بزم میں
 نے وہ سرور و شور نہ جوش و خروش ہے
 داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
 اک شمع رہ گئی ہے سودہ بھی خموش ہے

میں نے سطور بالا میں استقصائے اشعار میں بجد اختصار سے
 کام لیا ہے۔ کیونکہ غالب کی شاعری کے جس تفوق کو میں بیان کرنا
 چاہتا ہوں۔ وہ شرح کے ہر صفحہ میں موجود ہے۔ حاصل کلام یہ ہے
 کہ غالب کا کلام سامنے ہے۔ دُنیا کے مشہور شعراء کے کلام کو مقابلہ
 میں لائیے۔ اور دیکھئے، کہ غالب کہاں ہے؟

ہندوستان کی نیچرل یا جدید، یا قومی یا سیاسی شاعری کے
 طوفان سے تعرض نہیں۔ آج کل ہمارے بیشتر افراد اپنے اذواق
 امیال کی بھیک بھی مغرب سے مانگتے ہیں۔ اسی تقلید سے کام لیجئے
 اور عمرِ خیام اور فردوسی جن کی شاعری کا سکہ تمام مغرب میں رونا
 ہے اُن کی شاعری کا غالب کی شاعری سے مقابلہ کیجئے، تو زمینِ آسمان

کا فرق نظر آئے گا۔ فردوسی محض رزم نگار یا زیادہ سے زیادہ واقعات
نگار تھا۔ اور اُس کے کمال کا راز صرف اُس کی زبان کی شوکت میں
پنہاں ہے۔ عمر خیام کی شاعری دو خیالات پر منحصر ہے یعنی تحصیل
عیش اور بے ثباتی عالم انہیں دو مضمونوں کو اُس نے طرح طرح سے
بتنوع تشبیہات و استعارات دہرا دہرا کر ذخیرہ شعر جمع کر دیا
ہے۔ لیکن غالب کے یہاں خیالات جذبات مضامین عالیہ وغیرہ کا
ایک بحر پیکر ان ہے جس کی موجیں دُنیا و مافیہا کو حلقہ کئے ہوئے
ہیں۔ اور:-

ہیں اور بھی دُنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

فقیر
مہا



بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱	نقش فریادی ہے کس کی شوخی و تحریر کا	۱	کاغذی ہے پیروں ہر پیکر تصویر کا
۲	کاؤ کا وسخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ	۲	صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
۳	جذبات ہے اختیار شوق دیکھا چاہئے	۳	سیٹھ شمشیر سے یا ہر ہے دم شمشیر کا
۴	آگنی دام شنیدن جہد رہا ہے بچھائے	۴	بدعا غنقا ہے اپنے عالم فقر پر کا

۵
بکہ ہوں غالب سیری میں آتش پیرا
موسے آتش دید ہے حلقہ مری زنجیر کا

۱۱) "نقش" تحریر، تصویر "فریادی" پکارنے والا، گلہ کرنے والا، زبان حال، دلیل، ثبوت، منظر، شوخی، تحریر، رنگینی، تحریر، عنوت، تحریر، کمال مصوری، کاغذی پیروں، بمناسبت فریادی، فریادیوں کا لباس لباس عجز، پابلوس فنا، مودیے بود، ہستی بے ثبات، ظہور فانی، پیکر تصویر، تصویر کی ہیئت کذا فی، نقش و تحریر کی وہ خاص کشمکشیں اور رسمیں جن سے صورت تصویر متشکل ہوتی، قالب، خاکہ، قیود، ابغاد نقش، تحریر اور تصویر یا لہوم کا غر پر بنائے جاتے ہیں، نقش و نگار سے کاغذ کی سادگی میں شوخی و رنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔ رنگینی و شوخی، مصور و محرر کی ذہنی رنگینی و شوخی کی خارجی پر تو ہوتی ہیں

گویا تصویر ہر زبان حال تحریر اور بگوشیئے ظہور کمال، مصور کا ذکر کرتی ہے یعنی نقش بلباس کا غزی کس کی بیداد تحریر کا فریادی ہے؟ یا تصویر اپنی سادگی (کاغذی پیرہن) میں کس کی رنگینی ظاہر کرتی ہے؟ یا تصویر اپنی سادگی، بے شہادت، اور کاغذی ہستی پر کس سے داد طلب ہے؟ یا آدمی (نقش)، باوجود حیات مستعار (کاغذی پیرہن) کس کی صحت و اعجازِ خلائی (شوخی تحریر) کا ثبوت (فریادی) ہے؟ یا آدمی، اپنے مصائب گرد و پیش (کاغذی پیرہن) پر کس کا تب تقدیر (شوخی تحریر) سے شاکی (فریادی) ہے؟ یا آدمی باوجود اپنی نمود و نمونہ (کاغذی پیرہن) کے کس کرشمہ ایجاد (شوخی تحریر) پر دلالت کرتا اور ثبوت لاتا (فریادی) ہے یا یہ جسم فنا ہوا ہے، یہ ہولناکی شعیف البیان یہ قالبِ خاکی یہ کالیدِ عنصری (تصویر بہ پیرہن کاغذی) کس کے دست رنگین کی صنعت طرازی (شوخی تحریر) کا شوق و مصنوع ہے۔ یا یہ مظهرِ نقش (بایں ظہورِ فانیہ انسانیہ) (کاغذی پیرہن) کس کے جمالِ حیات (شوخی تحریر) سے دست و گریباں (فریادی) ہے؟ اس قصہ (پیرہن کاغذی) میں جو عندلیبِ نالائ (نقش) ہے وہ کس گل (شوخی تحریر) کے شکوہ و شکایات (فریادی) کرتی ہے؟ شعریات جو استقامت ہے وہ اشارہ ہے، جو اب صریح کی جانب، اور اس قسم کے تمام سوالات جن کا جواب ایک ہی بدیہی اور بلذومی ہوتا ہے، جن کلام میں داخل ہیں۔ اور اگر غور کیا جائے تو استاد کا یہ شعر

مولانا رومیؒ کی "بشنواز نے" والی، پوری حکایت کا مرادف ہے اور قطع نظر اس حکیمانہ و متصوفانہ مفاہمت کے اپنے شاعرانہ انداز میں تمام حکایت "نے" کی جامعیت رکھتا ہے جن لوگوں نے قصہ کی وحشت یا کم غوری سے کام لیا ہے وہ اس شعر کو بھل قرار دیتے ہیں۔

(۱۲) "کاڈ کاڈ" کاوش و تلاش، تکرار لفظی نے تلاش و کوشش کا مفہوم پیدا کیا ہے۔ "جوسے شیر" دودھ کی تھر، تلخ قندہ قندہ فراد۔ فراد کا وہ کنی سے معروف اور کوہ کن سے ملدیا ہے اور تلخ سے "کاڈ کاڈ" سخت جانی "شب تار یک تنہائی پہاڑ کے کاٹنے" جوسے شیر (جس میں) سپیدہ سحر یا خط ابیض سحر سے تشبیہ ہے) وغیرہ میں شاعرانہ رعایتیں پیدا کر دی ہیں۔ یعنی ہم اپنی کیا کاوشیں بیان کریں کہ شب بھر و تنہائی کی صبح، اس مشکل سے ہوتی ہے گویا صبح کرنا شام کالانا ہے جوسے شیر کا!

(۱۳) شوق شہادت کی پیکشش اور تسخیر بھی قابل دید ہے کہ تلوار خود بڑھ بڑھ کر ہماری بجانب آتی ہے۔

(۱۴) "آگنی" عقل، سمجھ، جستجو، "دام" جال، عنقا کی رعایت سے استعمال ہوا ہے "شنیدن" سننا۔ "دام شنیدن" پھسانا، غور کر کے سننا، سمجھنے کی بے حد کوشش کرنا۔ "عنقا" پرند ہے جس کا وجود اذان میں فرض کر لیا گیا ہے۔ اور خارج میں کوئی وجود نہیں، معدوم "عالم" دنیا، حالت عنقا

کی رعایت سے، نرا اندر استعمال ہوا ہے۔ ”تقریر“ گفتگو، مدعا“
مطلب۔ یعنی ہماری گفتگو میں مطلب ہی نہیں، کوئی کتنی
ہی سمجھنے کی کوشش کرے، سمجھ نہیں سکتا، یا ہم جس عالم حال
کی باتیں کرتے ہیں ان کو اہل ظاہر و قال، اپنی ان عقلوں سے
سمجھ ہی نہیں سکتے!

(۵) ”اسیری“ گرفتاری، پابہ زنجیر ہونا۔ ”آتش زیر پا“ بیقرار یا
بے چینی سے قدم نہ تھمنا۔ ”موسے آتش دیدہ“ آگ پر تپا ہوا
بال ایک مبالغہ ہے۔ یعنی کمزور بچہ۔ ”حلقہ زنجیر“ زنجیر کی کڑی
کڑی اور موسے آتش دیدہ میں تشبیہ ہے۔ ”آتش زیر پا“ اور
آتش دیدہ رعایات لفظی ہیں۔ مطلب یہ ہے یا وجود اسیر و پایہ
زنجیر ہونے کے، میری بتیابی یا وحشت خراعی کا یہ زور ہے
کہ زنجیر کی کڑیاں ایسی کمزور ہو کر ٹوٹ جاتی ہیں، جس طرح
موسے آتش دیدہ!

۱	عمرانگریہ تنگ کی چشم سود تھا	۱	جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
۲	ظاہر ہوا، کہ داغ کا سرمایہ دور تھا	۲	آتش تنگی نے نقش سویدا کیا درست
۳	جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں ٹھکانہ سود تھا	۳	تھا خواب میں خیال کو بچھڑے معاملہ
۴	لیکن یہی، کہ رفت گیا، اور بود تھا	۴	لیتا ہوں کتبہ غم دل میں سبق ہنوز
۵	تین ور نہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا	۵	ٹھکانیا کفر نے داغ عیوب بر سنگی
تیشہ بغیر، مرنہ سکھا کو بچن، اسد		۶	
سرگشتہ خمار رسوم و قیود تھا			
(۱) ”بروئے کار نہ آیا“ مقابل ”یا عشق نہ کیا۔ چشم سود“			

حاسدوں کی نظر، جو کسی کو دیکھ ہی نہ سکے۔ بادی النظر میں شعر کے
 معنی صاف ہیں کہ سوائے قیس کے کوئی مرد میدانِ عشق نہ ہو سکا
 شاید صحرانصرانی (عشق) نگاہِ خود کی طرح تنگ تھا، لیکن
 یہ معنی واقعیت کے اعتبار سے صحیح نہیں ہیں، بلکہ مصرعہ اول میں
 استفہام انکاری ہے، اور صحرانصرانی مراد وادیِ نجد ہے
 مطلب یہ ہے کہ کیا سوائے قیس کے کسی کو عشق ہی نہیں ہوا
 (غلط ہے) (راں) وادیِ نجد چشمِ خود کی طرح تنگ سی
 (کہ دہاں کوئی دوسرا عاشق نہ ہوا)

(۲) "آشنائی پریشانی، الجھن۔ نقش سویرا" نقطہ قلب کے نقوش۔
 یہ تو ظاہر ہے، کہ نالہ و آہ، پریشانی کے آثار ہیں سے ہیں۔
 شعراء آہ کے ساتھ دو آہ لکھا کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ
 پریشانی کی آہوں سے نقطہ قلب (سویل) کا نشان گہرا ہو گیا
 اور یہ ظاہر ہو گیا کہ داغ کی ہستی دو پر قائم ہے!

(۳) بظاہر تو شعر صاف ہے۔ لیکن "خواب" سے مراد خوابِ ہستی
 ہے، اور خیالِ معنی وہم۔ جب آنکھ کھل گئی، یعنی جب یہ خوابِ
 زندگی ختم ہوا، یا جب فنا فی الذات ہوئے۔ "سود و زیاں"
 معاملہ کے تلازمات میں سے ہیں۔ "تیریاں تھانہ سود تھا" یعنی
 جیسے تھے ویسے ہی رہے۔ شاعر نے معاملہ کے تلازمات میں
 "من و تو" کا مفہوم ادا کیا ہے، معنی یہ ہیں، کہ "من و تو" کا انحصار
 خوابِ ہستی کے اتمام پر تھا، جب فنا فی الذات ہوئے، تو جیسے
 تھے ویسے ہی رہے (الآن کہا کان)!

(۴) مکتب "سبق" گرفت و بود (گویا ابتدائی درس) سببِ عایات
نقطی ہیں، مطلب ہے کہ میں ابھی تک دل ہی کا ماتم کر رہا ہوں
کہ کبھی میرے پاس بھی دل تھا، اور (ماتے) کہیں جاتا رہا
(گویا مدارجِ عشق کی ابتدا ہے)

(۵) کفن نے، انسانیت کے دامن پر جو عیب میرے وجود سے
تھے ان پر پردہ ڈال دیا، ورنہ میں اپنی ہستی کے تمام پیکروں میں
"ہستی مطلق" کے لئے باعثِ تنگ و عار تھا۔ یا ظہورِ ذات کی جو
عریانی تنزلات باعتبار میرے تھی، میری موت نے اس تنگ
نمود کو مٹا دیا کیونکہ میں بجائے خود ہر عالم و حیثیت میں "وجود مطلق"
کے لئے عار و ناموزوں تھا!

۱۴) "تیشہ" نیتہ۔ کوہن، فرما د "سرگشتہ خمار" سرشارِ مستِ نشاط
سکرے فاترِ العقل۔ رسوم و قیود "خیر فطری" پابندیاں اور فرائض
آدمیوں کے اختراع و اختیار کئے ہوئے وہ دستور جن کو
اگر ترک کر دیا جائے تو کوئی نقصان نہ ہو، اور جن کی بجا آوری
بے سود و بے نتیجہ ہو، مطلب ہے کہ فرما دی عقل میں سکرِ رسوم
و قیود کا فتور تھا، کہ اپنی ہلاکت کے لئے، تیشہ کا التزام کیا،
حالانکہ عشاق کی ہلاکت کے لئے کسی آلہ جارحہ کی ضرورت
نہیں، بلکہ ایک آہِ حسرت و یاس، ایک نالہ جگرگداز اور ایک
غمزہ چشم کافی ہے!

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا	۱	دل کہاں کہ کم کیجے، ہم نے مدعا پایا
عشق سے طبیعت نے زیست کا مزایا پایا	۲	درد کی دوا پائی، درد بے دوا پایا

دوستدار دشمن ہے، اعتمادِ دل معلوم ۳	آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارِ ساپا یا
سادگی و پرکاری، بخود ہی و ہیشیاری ۴	حسن کو تغافلِ مسل میں، جزا ت آزا پایا
غنجہ پھر لگا کھلنے، آج ہم نے اپنا دل ۵	خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا
حال دل نہیں معلوم، لیکن اس قدر یعنی ۶	ہم نے بار بار ڈھونڈا، تم نے بار بار پایا

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نہک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے، تم نے کیا مزا پایا

(۱) یعنی تم جو خود بخود کہہ رہے ہو کہ ”دل اگر پڑا پایا تو ہم نہ دیں گے“ اس تمہارے کہنے سے، ہم سمجھ گئے کہ یا تو دل تمہارے پاس موجود ہے اور یا دل لے لینے کی خواہش ہے، جس کو اس طرح ظاہر کیا جا رہا ہے۔

(۲) صوفیاء اور شعراء بعض اوقات زندگی کو سلسلہ در در سمجھتے ہیں اور یہ ہی مسلم ہے کہ عشق سے زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے۔ حالانکہ عشق بھی ایک قسم کا درد اور الم لا علاج ہے۔ شعر میں اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے، کہ عشق سے طبیعت کو زندگی میں لطف حاصل ہونے لگا، گویا، یہ ”دردِ بے دوا“ (عشق) دردِ زندگی کے لئے دوا ہو گیا ہے۔

(۳) مطلب ہے کہ دل پر بھروسہ فضول ہے۔ آہ بے اثر ہے اور نالہ نارِ سا، اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ (دل) بکھوت رقیب کا دوست ہو گیا ہے۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ وہ تغافل کر کے ہمارے صبر و ضبط کو آزمانا چاہتے ہیں، اور اس طرح اُن کی چالاک کی کس قدر بھولے پر ہوتی ہے

کیونکہ ہم باوجود بخودی آتنا تو سمجھ ہی رہے ہیں کہ اس تغافل سے ہماری آزمائش منظور ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ تغافل اس لئے کر رہے ہیں کہ ہماری جرأت عشق کو آزمائیں، اور ہم بخودی میں بھی اتنی عقل رکھتے ہیں کہ اس پر کاری کو جسے وہ نہایت سادگی کے ساتھ پیش کر رہے ہیں سمجھ لیں دچنانچہ اب جرأت عشق دکھائے ہی دیتے ہیں اور بڑھ کر ان کا دامن تمام لیں گے اور پوچھیں گے کہ آخر عشاق سے یہ سب پر وانی کیوں فرمائی جا رہی ہے)

(۵) ”غنجہ کھلنا“ گویا شکوفہ کھلنا شکوفہ چھوڑنا، نرالی بات کرنا، یا فتنہ پیدا کرنا، محاورہ ہے۔ بقول شاعر کبھی بن سنور کے جوائے تو بہار حسن دکھا گئے + وہ نیا شکوفہ کھلا گئے مرے دل پہ داغ لگا گئے۔ ”تو کیا ہوا“ مبتلائے عشق اور کشتہ حسن ہونا مراد ہے۔ مطلب ہے کہ آج پھر وہی فتنہ بیدار ہوا اور ہمارا دل جاتا رہا۔

(۶) یعنی ”دل کا راور کچھ“ حال (تو) معلوم نہیں، مگر راتنا جاتا ہوں کہ میں نے جب ڈھونڈا تو تمہارے پاس نکلا۔

۱	دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا	۱	آتش خاموش کے مانند گویا، جل گیا
۲	دل میں ذوقِ وصل و یادِ یاز تک باقی نہیں	۲	آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جوتھا، جل گیا
۳	میں عدم سے بھی پیسے ہوں ورنہ غافل بار	۳	میری آہ آتشیں سے بالِ عنقا، جل گیا
۴	عرض کیجے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں	۴	کچھ خیال آیا تھا وحشت کا، کہ مہر، جل گیا
۵	دل نہیں، تنجکود کھاتا ورنہ داغوں کی بہا	۵	اس چراغان کا کروں کیا، کار فرما، جل گیا

میں ہوں اور افسر کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاک اہلِ دنیا جل گیا

۶

۱) ”سوزِ نہاں“ کی رعایت سے ”آتشِ خاموش“ لائے ہیں۔ اور
”سوزِ نہاں“ کو ”آتشِ خاموش“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ”بے محایا“
کھلم کھلا۔ بلا پس و پیش۔ ”نہاں“ ”بے محایا“ ”خاموش“ اور ”گویا“ تمام
الفاظ میں رعایتیں ہیں۔ مطلب صاف ہے۔

۲) ”آگ“ سے ”آتشِ عشق“ مراد ہے، اور اس گھر کا اشارہ دل
کی طرف ہے۔ اس شعر میں عشق کے اُس مقام کی طرف اشارہ
ہے جب اُمید و یاس وصل و ہجر، یادِ محبوب، غرض کہ کسی جذبہ کا
احساس باقی نہیں رہتا، اور یہ وہ مقام حیرت و عالمِ فراموشی ہے
کہ اسی کے بعد انا المحبوب یا انا الحق کی کیفیت طاری
ہوتی ہے۔ شعر کا مطلب صرف یہ ہے کہ اب نہ تو ذوقِ وصل
باقی ہے نہ یادِ دورت۔ اس گھر میں عشق کی آگ ایسی لگی، کہ
سب کچھ جل گیا۔

۳) ”عقلاً“ ایک معدوم پرند کا مفروضہ نام ہے۔ یہاں ”عدم“
سے متصوفانہ عقیدے کے موافق، ”مقامِ فنا“ مراد ہے جہاں
سائلک کی ذاتیت اور نفسیت باقی نہیں رہتی اور خودی و انا نیرت
مثلاً ”بقا باللہ“ کے حدود میں داخل ہوتا ہے چنانچہ شاعر
اس شعر میں اس خیال کو ادا کرتا ہے کہ میں عدم یعنی فنا سے
گذر چکا ہوں اور بقا کے مراتب پر پہنچ گیا ہوں ”دوسرا مصرعہ“
ایک شاعرانہ دلیل اور ثبوت ہے کہ جب میں مقامِ فنا میں

تھا تو میری آہ آتشیں سے ہمیشہ بال غنقا جلتا رہا ہے اور آب
 اس سے گزر گیا۔ کیونکہ آب آہ آتشیں بال غنقا کو نہیں جلاتی۔
 شعر پر اگر نظر غائر ڈالی جائے تو مفہوم زیادہ بلیغ ہو جاتا
 ہے، یعنی صوفیائے کرام اور شعرا کے متصوف ہستی اور
 موجودہ حیات کو موہوم و کالعدم یقین کرتے ہیں، اس لئے
 معدوم کی ہریات معدوم ہونی چاہئے، گویا ان کی آہ کی
 تاثیر بھی معدوم اور شے معدوم پر ہونی چاہئے، آب مطلب
 یہ ہوگا کہ میں آب عدم سے گزر چکا ہوں، یعنی جب میں عدم میں
 تھا تو میری آہ آتشیں سے بال غنقا جلتا تھا اور بال غنقا
 جلنا بالفاظ دیگر یہ کہ آہ آتشیں میں کوئی تاثیر ہی نہ تھی،
 جس کے یہ معنی ہوتے کہ جب میری آہ آتشیں سے بال
 غنقا جلتا تھا تو میں خود ہی معدوم تھا اور آب تو میں اس سے
 پرے ہوں، اور وجود ہستی و بقا اور اثر و غیبتانی رکھتا ہوں
 یا شعر کا مطلب یہ ہے کہ پہلے میری آہ کا اثر یہ تھا کہ اس سے
 بال غنقا جلتا تھا اور آب تو وہ بال غنقا بھی نہیں جلتا، گویا
 پہلے اگر تاثیر اتنی تھی تو آب وہ بھی نہ رہی اور میری بے اثری
 بے ثباتی اور نیستی اس حد تک پہنچ گئی کہ عدم سے بھی
 گئی گزری ہو گئی۔

۴۴) ”عرض کیجئے“ پیش کیجئے۔ ”جو ہر اندیشہ“ جو ہر زائد استعمال
 ہوا ہے ”اندیشہ“ خیال و فکر۔ شعر میں مبالغہ عادی سے
 کام لیا گیا ہے.... یعنی میں اپنی گرمی اندیشہ کو کہاں لجاؤں

جس کے سوز کا یہ عالم ہے کہ وحشت کا خیال آتے ہی
صحر ابل گیا۔

(۵) دل کے داغوں کی تشبیہ چراغاں سے دیکر "کار فرماستے
چراغاں" دل سے استعارہ کیا ہے۔ شعر کا انداز ادا خوب
ہے، کہ دل کے جل جانے کا ذکر داغوں کی بہار دکھانے کے
ضمن میں کر دیا ہے۔

(۶) یعنی میں جو ہمیشہ زندہ دل رہتا تھا، اب اہل زمانہ کی سرد
مہربانوں سے تنگ آ کر افسردہ دلی کا آرزو مند ہوں تاکہ کسی سے
ملنے کے قابل ہی نہ رہوں۔

۱	شوق ہر رنگ رقیب سروسا مان نکلا	قیس تصویر کے پردہ میں بھی عریاں نکلا
۲	زخم سے داؤد نہ دی تنگی دل کی یارب	تیر بھی سینہ بیل سے پراخشاں نکلا
۳	بوئے گل، نالہ دل، دود چراغ محفل	جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
۴	دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذت درد	کام یاروں کا بقدر لب و دندان نکلا
۵	تقی نو آموز فنا، ہمتیت دیشوار پسند	نحت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

۴ دل میں پھر کر یہ نے اک شورا ٹھایا غالب

آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا، سو طوقاں نکلا

۱) "شوق" عشق۔ "ہر رنگ" ہر طرح اور رنگ کے معنی شوق بھی
ہوتے ہیں۔ یہاں لفظ رنگ، تصویر کی رعایت سے بھی
استعمال ہوا ہے۔ "رقیب" حریف، دشمن مطلب یہ ہے
کہ عشق، ہر حال میں آرائش، تکلفات، اور ساز و سامان کا
دشمن ہے، تصویر اگرچہ نقش و رنگ سے بنتی ہے لیکن قیس

تصویر میں۔ بھی جامہ دریدہ اور عریاں رہتا ہے اور تصویر
کی صنعت اس کے لئے باعث زینت نہیں ہوتی۔ سچ ہے
عشاق پر سوائے عشق کی بیرنگی کے کوئی اور رنگ نہیں
چڑھتا۔

(۲) ”دادندی“ تلافی و بہمدی نہ کی۔ ”پرافشاں“ سرسیمہ
پھڑ پھڑاتا ہوا۔ یعنی پہلے دل تنگ تھا، خیال یہ ہوتا تھا کہ تیرے
زخم سے کشادگی پیدا ہوگی، لیکن تیر خود دل سے سرسیمہ ہو کر
نکللا، اور زخم سے بھی دل کی تنگی نہ گئی۔

(۳) بندش، اہتمام اور خیال کے اعتبار سے شعر عجیب و غریب
اور مشہور ہے۔ بوسے گل، نالہ دل اور دود چرائی، تمنا
شاعرانہ اشیاء جمع کی گئی ہیں، پھر، بو، نالہ، اور دود
پریشان خاصیت چیزیں ہیں اور ان کا علاقہ محفل و بزم سے
ظاہر ہے۔ شعر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ محبوب سے
خطاب کر کے شاعر کہتا ہے، کہ تیرے ستم کا یہ حال ہے کہ
جو تیری بزم سے نکلتا ہے وہ پریشان ہو کر نکلتا ہے دوسرا
مطلب یہ ہے کہ تیری بزم سے نکلنے کی وجہ سے مبتلا ہے
پریشانی ہوتا ہے۔

(۴) ”مائدہ“ خوان نعمت ”بقدر لب و دندان“ معمولی، سرسری
عارفی۔ لوگ عشاق کی ہنسی اڑایا کرتے ہیں، ان کی حسرتوں کی
تلافی نہیں کرتے بلکہ مضحکہ وغیرہ سے خود لطف اٹھاتے ہیں
اسی خیال کو اس طرح ادا کیا گیا ہے، کہ میرا دلی حسرت زدہ

یاروں کے لئے درد کی محض لذتوں کا خوان نعمت بن گیا،
کاش وہ خود حسرت، درد اور محنت پیدا کرتے تو ان کو
حقیقی سیری میسر ہوتی، اس طرح تو معمولی، مہربانی اور عارفی
لطف اٹھالیا۔

(۱۵) "نو آموز" بتدی۔ ابتدا اور شروع میں، طالب کو عام طور پر
دقتیں معلوم ہوتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے، کہ میری حالت عام
نو آموزوں کی سی نہ تھی کہ میں پہلے پہل، کوئی دشواری محسوس
کرتا، کیونکہ میری ہمت ہی دشواری پسند تھی اور جب میں نے
مقام فنا کو طے کرنا شروع کیا، تو مجھے دشواری یہ پیش آئی کہ
فنا سے گزرنا مجھے آسان معلوم ہوا، اور طبیعت کی مشکل پسندی
اور زیادہ مشکلوں کی جستجو کرنے لگی۔

(۱۶) یعنی، دل میں رونے کا ایک طوفان سا ہے، اور یہ طوفان
اشک کے ان قطروں نے اٹھا رکھا ہے جن کو ہم نے ضبط
کریں روکا تھا۔

۱	عشقِ نبرد پیشہ، طالبکار مرد تھا	۱	دھنکی میں مز گیا جو نہ بابِ نبرد تھا
۲	مرنے سے پیشتر بھی مرارنگ زرد تھا	۲	تھا زندگی میں مرگ کا کھکا لگا ہوا
۳	جموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا	۳	تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
۴	اس رہنمائی میں جلوہ گل آگے گر د تھا	۴	دل تاجگر کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب
۵	دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا	۵	جاتی ہے کوئی کشمکش اس دردِ عشق کی
۶	زندانی میں بھی خیالِ بیاباں نور تھا	۶	احباب چارہ سازی و حشت نہ کر سکے
یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے		۷	

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

(۱) یعنی عشق کے لئے بڑی بھارت چاہئے۔ اگر عشق میں آدمی مردانہ وار نہ ہو تو ہر مشکل و مصیبت کا خوف، عشق کو بالکل کر دے۔

(۲) رنگ، آثارِ حیات میں سے ہے۔ زردی بھی رنگ کی ایک قسم ہے۔ جو مردنی سے مشابہ ہوتی ہے۔ اور مردنی کی زردی رنگ نہیں بلکہ بدرنگی ہے۔ خوف بھی رنگ زرد ہو جاتا ہے مطلب ہے کہ مجھ پر زندگی میں بھی موت کے خوف سے مردنی چھائی رہتی ہے!

(۳) "فرد فرد" ایک ایک۔ علاحدہ علیحدہ۔ مراد ابتدا سے ہے "مجموعہ خیال" سے عشق مقصود ہے مطلب ہے کہ میں ابتدا سے عشق ہی سے وفا پر رست تھا! یا۔ وفا سے عشق مراد ہے، اور مجموعہ خیال سے عام خیالات۔ یعنی ابتدا ہی سے میرے خیالات میں عشق کا میلان تھا! یا "مجموعہ خیال" سے، عاشق کا نقطہ خیال بطور نظر یعنی معشوق مراد ہے، اور فرد فرد سے بیگانگی و نا اشنائی، تو شعر کے معنی یہ ہونگے، کہ میں اس وقت بھی وفا شیوہ تھا جب کہ اس کو میرے عشق کی خبر تک نہ تھی!

(۴) یعنی دل سے جگرتک ایک ساحل دریائے خون ہے کبھی یہ مقام ایسی بہار کا تھا، کہ پھولوں کی آب و تاب گویا بہاؤ کی گرد قہقہہ شگفتہ خاطری اور افسردہ دلی کا تذکرہ ہے۔

(۱۵) اندوہ "غم یعنی غم عشق کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا، دل اگر نہ رہے، تو دل کے جانے کا غم ضرور ہوگا، اور یہ یاد غم عشق کو تازہ کرتی رہے گی۔

شمار سبجہ مرغوب بہت مشکل پسند آیا	۱	تماشا شے بیک کف بردن صد دل پسند آیا
فیض بے دلی تو میدتی جاوید آساں ہے	۲	کشائش کو ہم سارا عقدہ مشکل پسند آیا
ہولے سیر گل، آئینہ بے مہر قاتل	۳	کہ اندازِ بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا

مباحثہ تحفہ الماس از معانی غفرلہ
مبارکباد اسد غفور جان دردمند آیا

۱۱ "شمار سبجہ" تبیع پر مضار تبیع یہاں ہم نے عام محاورہ کے موافق استعمال کر دیا ہے ورنہ تبیع تو خود شمار سبجہ کو کہتے ہیں) "مرغوب آیا" اچھا معلوم ہوا۔ بیک کف بردن صد دل ایک ہی مضمون میں سودل اڑا لینے۔ سبجہ چونکہ عموماً سودا نہ کی ہوتی ہے، اس لئے "صد دل" استعمال کیا ہے۔ "بیت" معشوق "مشکل پسند" سے معشوق کا وصف اس لئے تھا ہر کیا ہے کہ ایک دم سودل اڑا لینے کوئی آسان بات نہیں مطلب یہ ہے کہ بیت مشکل پسند کو سبجہ خوانی اس لئے پسند آئی، کہ اس سے اس کو "صد دل بیک کف بردن" کا تماشا نظر آیا!

(۱۲) "بیدری"۔ افسردگی۔ ناامیدی جاوید۔ ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جانا "عقدہ مشکل" دل افسردہ سے استعارہ ہے "کشائش" سے خود فعل کشائش مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بے دلی کے فیض سے، مایوسی دوام، یکسر ہے۔ کیونکہ خود

کشائش کو میرے عقدہ کا مشکل ہونا، یعنی ناقابل حل ہونا پسند ہے!

(۱۳) ”ہوائے سیر گل“ سیر یاغ کی خواہش ”آئینہ بے مہر“ نمود ستیم گاری یعنی جس فعل میں، جفا کی جہلاک ہو۔ ”بہل“ زخمی عشق سے استعارہ ہے۔ ”بخون غلطیدن“ خون میں لوٹنا۔ خون۔ اور رنگ گل میں مشابہت ہے گویا پھول بھی باعتبار رنگ کے بخون غلطیدہ ہیں۔ مطلب ہے کہ آن کی خواہش سیر گل، آن کی بے مہر کی دلیل ہے، کہ ان پھولوں کا رنگ پسند ہے جو خون بہل کی طرح ہوتا ہے۔

(۱۴) ”جراحات“ زخم ”الماس“ شمشیر آب دار۔ تھوہ، ارمغان ہدیہ، مراد ف الفاظ ہیں۔ ”غخوار جان درد مند“ محبوب شتم پیشہ کی آمد پر خود کو طنز آمیز کہا ددی ہے۔

۱	ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا	دہر میں نقش و فشا و چہ تسلی نہ ہوا
۲	یہ نہ مرد بھی حریف دم افخی نہ ہوا	سبزہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ دبا
۳	وہ ستمگر مرے مرنے بھی راضی نہ ہوا	میں نے چاہا تھا کہ اندوہ جفا سے چھوٹ
۴	گر نفس جادہ سر منزل تقویٰ نہ ہوا	دل گذر گاہ خیال سے وسا غریبی سی
۵	گوش منت کش گلیا نگ تسلی نہ ہوا	ہوں تے عذ نہ کرنے میں بھی راضی کہ بھی

مر گیا صدمہ یک جنبش لب کا غالب
نا توانی سے حریف دم عیسیٰ نہ ہوا

۶

(۱) ”لقش“ ”لفظ“ ”معنی“ سب رعایات ہیں۔ مطلب ہے کہ زمانہ میں وفاداری کی کوئی پرکشش نہیں، اور یہ لفظ بے مصرف

ہونے کے سبب بے معنی اور بھل سا ہے۔ یا۔ وفاداری
کبھی منت کش اثر نہ ہوتی !

(۲) ”سبزہ خط“ کا کل زلف۔ سرکش و صف ہے زمرہ واقعی
تشبیہات ہیں۔ دوسرے مصرعہ میں زمرہ، سبزہ خط ہے
اور واقعی کا کل سرکش سے استعارہ ہے۔ خاصہ یہ ہے، کہ زمرہ
کے پر تو سے، افعی اندھا ہو جاتا ہے۔ مراد ہے کہ سبزہ خط سے
زلف کا رنگ مانند نہ ہوا۔ یعنی سبزہ آغازی پر بھی اُن کی
معشوقیت کا وہی عالم رہا !

(۳) ”اندوہ جفا“ غم ستم مطلب ہے کہ تیں نے تو چاہا تھا کہ وہ
جان ہی لے لیں تو آئے دن کی ستم کشی سے نجات مل جائے
لیکن وہ اس پر بھی راضی نہ ہوئے، کیونکہ وہاں روز کا شغل ہے
ایک ہی دن میں کیوں قصہ پاک کریں !

(۴) ”گزرگاہ“ رہتہ۔ جادہ۔ ”نفس“ سانس۔ مطلب ہے کہ
زندگی ہمہیزگاری کے مشاغل میں مصروف نہ سہی، دل میں
سئے و ساغر کا خیال ہی سہی، کچھ سہی، ”آگئی گر نہیں غفلت
ہی سہی“ !

(۵) ”گوش“ کان۔ ”منت کش“ احسان مند۔ ”گلبا تک“۔ مُردہ
خوش خبری۔ ”یک جنبش لب“ ہونٹوں کی ایک حرکت۔ ”تا توانی“
کمزوری۔ ”حریف“ مقابل۔ ”دم عیسیٰ“ حضرت عیسیٰ کا پتہ پتھرہ
مشہور ہے، کہ آپ مُردوں کو جلا دیتے تھے، منتہی ہمیشہ اس
بیچ کو اپنے مضامین کا ماتم بنا لیتے ہیں، مطلب ہے کہ مریض

عشق کے ضعف کا یہ عالم تھا کہ جنبشِ لب سے صد نثرِ روح فرما
پتچا، اور کام تمام ہو گیا، دم کرنے کی نوبت بھی نہ آئی
(یعنی کچھ نہ بھڑک کر پھونکنے کی نوبت بھی نہ آئی)

- ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا
(۱) وہ اک گلہ سستہ ہے، ہم بخودوں کے طاقِ نیباں کا
- بیباں کیا کیجئے بیداد کا و شبہاںے مرگاں کا
(۲) کہ ہر اک قطرہ خونِ دانہ ہے تسبیحِ مرجاں کا
- نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانعِ میرے نالوں کو
(۳) کیا دانتوں میں جو تینکا ہوا ریشہ نیستاں کا
- دکھاؤں گا تماشا، دی اگر فرصتِ زمانہ نے
(۴) مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا
- کیا آئینہ حسانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوہ سنے
(۵) کرے جو پیرِ تو خورشیدِ عالمِ شہنشاں کا
- مری تعمیر میں مضمحل ہے اک صورتِ خرابی کی
(۶) بیوی برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقان کا
- اگاہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
(۷) مدارِ آبِ کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا
- خوشی میں نہاں خونِ گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
(۸) چراغِ مردہ ہوں میں بے زیاں گورِ غریباں کا
- ہنوز اک بار تو نقشِ خیالِ بارِ باقی ہے
(۹) دلِ افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا

(۱۰) بعل میں غنیز کی آج آپا سوتے ہیں کہیں ورنہ
 سبب کیا خواب میں آکر تیشم ڈالتے پنہاں کا
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
 قیامت ہے سرشک آلودہ ہوتا تیزی مرگیاں کا (۱۱)
 نظر میں ہے ہمارے جادہ راہ قفا غالت
 کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشان کا (۱۲)

(۱) "ستائش گر" مداح۔ "یارغ رضوان" جنت "طاق نسیان"
 اردو میں "طاق پر رکھنا" یا "لاستے طاق" محاورہ ترک
 کر دینے یا بھلا دینے کے معنی میں مستعمل ہیں۔ یہاں "طاق نسیان"
 تاکید اور مبالغہ کے لئے لائے ہیں۔ پھر باغ کا تحقیراً گلہ مست
 بنا دیا ہے۔ "بیخود" دیوانہ عشق۔ مطلب ہے کہ زاہد جہن جنت کی
 اس قدر تعریف کرتا ہے، وہ ہم بیخودوں کے طاق قرہ ہوشی کا
 ایک گلہ رستہ ہے۔ یا ہم جن بہارستان جن و عشق میں ہیں وہاں
 جنت کو کون پوچھتا ہے!

(۲) "کاوشہا" کاوش کی جمع ہے۔ "کاوش" چھیدنا قطرہ خون
 کی دانہ مرچاں سے تشبیہ ہے۔ گویا قطرات خون دانہ ہیں
 اور "مرگیاں" رشتہ، جن سے ایک تسبیح تیار ہو گئی ہے۔

(۳) "سلوت" رُعب "نیستان" وہ زمین جہاں سہم پیدا ہوتی ہے
 "وانتوں میں تنکالینا" اظہار عجز و خوشامد۔ "ریشہ نیستان"
 سے مراد سنے ہے۔ مطلب ہے کہ "عشوق کے رُعب کا اثر میرے
 نالوں پر کچھ نہ ہوا، بلکہ میں نے مرغوبیت میں اظہار عجز کے لئے

جو تینکا دانتوں میں لیا، وہ میرے نالوں کے لئے گویا نئے کا
کام دینے لگا۔

رسم، سروچراغاں چراغوں کے ایسے طریق نصب و آویزش
کیونکہ ہیں جو روشن کر دینے پر درخت کی شکل میں نظر آتے
لفظ غم، سرو کے تلامذہ سے استعمال کیا ہے اور غم و داغ
میں مشابہت ہوتی ہے۔ "نالہ" کو شعراء "شرر بار" کہا کرتے
ہیں۔ اس لئے ہر شرر ایک چراغ ہے "داغ" غم و الم سے
پیدا ہوتا ہے، اور پھر داغ خود نالوں کا سبب ہوا کرتا ہے
غائب انسانی کی شکل بھی سرور کی سی ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ
نہ نہ نے اگر ملک دی تو اسی دل میں سروچراغاں کا تماشا
دیکھو۔ دل کا میرے داغ دل کو داغ نہ سمجھو بلکہ وہ سروچراغاں کا
نیک۔ غم ہے۔

شبنم شبنم جہاں بہت سے قطرات شبنم ٹھہر گئے ہوں۔
غائب ہے کہ تیرے پر تو جمال نے آئینہ خانہ میں وہ عالم
پیدا کر دیا، جو آفتاب کے عکس سے شبنمستان میں ہوتا ہے
تیرے ہر طرح پر تو خورشید سے شبنم کا ایک ایک قطرہ چمک اٹھتا
ہے، تاج بندہ شعاعوں سے معمور ہو جاتا ہے، اسی طرح تیرے
پہلو سے آئینہ خانہ جگمگا اٹھتا یا سارے آئینوں کی صفا اور
پیدا اندر پڑ گئی۔

تیرے "تخریب" فلسفہ کی اصطلاحیں ہیں، جن کے معنی، کون
شمار بنانا، بگڑنا، بگاڑنا، یا فنا ہونا ہیں۔ "مغمر" پوشیدہ

یہاں "سجلی" بھی فلسفہ کا مصطلح لفظ ہے، معنی، مادہ یا جسمانیت کے ہیں "خرمن" (کھیتی) اور "دہقان" (مزارع) رعایات ہیں اصل میں یہاں "دہقان" حرارت غریزی سے اور "خرمن" حیات جسمانی سے استعارہ ہے۔ حرارت غریزی ایک حرارت ہے جو اطمینان کی دانست میں باعث بقائے حیات ہے۔ خون کا مزاج بھی گرم بیان کیا جاتا ہے، یا خون کا ایک حصہ صلیغ تحلیل ہو کر حرارت بنتا ہے۔ یہی حرارت معاون حرارت غریزی یا خود حرارت غریزی ہے گو یا خون کا فنا (تحلیل) ہونا ایک ایسی حرارت کا باعث ہوتا ہے جس پر بقائے حیات کا انحصار ہے۔ پھر حرارت غریزی جو جسم میں قوت القوی کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری تمام قوتوں کے تغذیہ وغیرہ کے لئے خون کو تحلیل کرتی اور بدل مایہ تحلیل بناتی ہے، یعنی خود اس کی ہستی کا مدار بھی تحلیل خون پر ہے، پھر وہ خود بھی خون کو تحلیل کرتی رہتی ہے، غرض کہ وہ خود نتیجہ تحلیل اور سبب تحلیل ہے، اس طرح دو تحلیلوں، یا دو گونہ فناؤں کے درمیان ایک عمل یا ایک ہستی ہے، جو مگر حیات جسمانی ہے اور اس کی تعمیر میں تخریب، یا تعمیر جسم میں خرابی کی صورت ہے! یہ ایک طبی استدلال ہے جس کو فلسفہ کی اصطلاحوں، اور شاعری کے استعاروں میں، انسان کی ہستی بے ثبات کی تمثیل کے لئے بیان کیا گیا ہے!!

(۷) دربان کا کام یہ ہوتا ہے کہ غیر لوگوں کو گھر میں آنے سے

دوسرے پھر عشاق جو کہیں ہوتے ہیں ان کے یہاں غیر تو غیر
 اپنے بھی نہیں آتے۔ جو سبزہ خود رو ہوتا اور جگہ جگہ آتا
 ہے اس کو شعرا و سیرۃ بیگانہ کہتے ہیں۔ شعر میں دو قسم ہیں
 ایک کہ میرے گھر کوئی غیر و بیگانہ تو آتا نہیں البتہ
 بیگانہ بیگانہ آتا ہے۔ اسی کے کہودے میں دربان مصروف
 ہو گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ میرے گھر کی ویرانی کا یہ عالم ہے
 کہ ہر جگہ لٹاس اُگی ہوئی ہے، اور بیکسی کی یہ حالت ہے کہ
 نہ کوئی آتا ہے نہ جاتا ہے۔ پس دربان سوائے اس کے
 کہ گھراس کہودے اور کوئی کام ہی نہیں!

(۱۱) زبان کی تشبیہ چراغ یا شمع کی تو سے دی جاتی ہے، سمجھو
 ہوتے چراغ کو چراغ مَرودہ یا شمع کُشتہ، یا چراغ خاموش
 یا شمع خاموش، کہا جاتا ہے۔ اسی طرح خاموش و بے زبانی کی
 تشبیہ چراغ مَرودہ یا شمع کُشتہ یا شمع خاموش سے دیتے
 ہیں "خون کُشتہ آرزو" اس آرزو یا تمنا کو کہتے ہیں جو پوری
 نہ ہوئی ہو اور دل کی دل ہی میں رہ گئی ہو اسی رعایت سے
 دل کو، یا پیکر عاشق کو گور غریباں سے تعبیر کرتے ہیں مطلب
 ہے کہ میری خاموشی میں لاکھوں آرزوؤں کا خون پوشیدہ
 ہے اور خود مجھ بے زبان کا وجود ایسا ہے جیسے گورستان کا
 سجھا ہوا چراغ۔

(۱۲) "دل افسردہ" کی تشبیہ حجرۂ زنداں سے نہایت اچھی تشبیہ ہے
 قید خانہ کا حجرہ بھی تاریک اور بندھا ہوتا ہے اور افسردگی کا

خاصہ بھی یہی ہے کہ طبیعت متعین نہ ہو، الجہنم ہو شگفتگی نہ ہو،
اور امید کی کوئی جھلک نہ پائی جاسکے، بلکہ مایوسی کی تاریکی ہو،
لیکن اس شعر میں اتنا اضافہ ہے کہ دل افسردہ میں معشوق کا
کچھ تصور رہتا ہے اور معشوق کا سرسری تصور بھی مایوسی کی
ظہرت کے لئے کافی روشنی کا سبب ہے کیونکہ معشوق خورشید
جمال اور ماہ طلعت ہے اس لئے اس کا تصور اور خیال بھی
تاریکی کو باطل کرنے والا ہے، پس دل افسردہ تو ہے، لیکن کچھ
نقش خیال یا رہا ہے اس لئے حجرہ زنداں تو ہے لیکن
یوسف علیہ السلام کا، حجرہ زنداں ہے۔

(۱۰) "بستم ہائے پنہاں" حجاب آمیز مسکراہٹ۔ یا شرمناک
چپکے چپکے ہنسنا۔

(۱۱) "مشرکان سرشک آلود" پلکیں، جو آنسوؤں سے ترہوں مطلب
ہے کہ خدا جانے تیری پلکوں کو آنسوؤں میں ڈوبا ہوا دیکھ کر
کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا، یا کس کس کی جان جاتی رہی
ہوگی، کیونکہ تیرا رونا بھلا کس سے اور کس جگہ سے دیکھا
جاسکتا ہے؟ — یا — نہ معلوم کیسے کیسے
بے گناہوں اور حرام نصیبوں کی ظالمانہ اور بے دریغ قربانی
اور خون نشانی ہوئی ہوگی کہ بالآخر ظالم تیری آنکھوں میں بھی
آنسو آ ہی گئے!!

(۱۲) "نظر میں ہے ہماری" ہماری دانست یا ہمارے خیالی میں
ہے، یا ہم خوب سمجھتے ہیں۔ "اجزائے پریشاں" کتاب کے بے بدلے

ورق یا صفحہ۔ عالم کے اجزائے پریشان "کائنات و موجودات
یا کثیر التعداد نوعیتوں سے استعارہ ہے۔" شیرازہ "سلائی یا
جزو بندی۔" جادہ "خط راہ۔ جادہ، سلائی، یا تاگے میں مشابہت
ہے مطلب ہے کہ ہم جانتے ہیں، کہ دنیا کے اجزائے ممکنات
(یا اشیاء اور موجودات منتشر و متعددہ) کے لئے، جادہ
راہ فنا، مثل شیرازہ کے ہے، یعنی سب اسی راستے سے
گزرتے اور اسی خط پر جمع ہو جاتے ہیں! —

فی الحقیقت، فنا کسی نامعلوم عالم کا دروازہ ہے، کہ ہر موجود
دستی، محسوس و غیر دستی شے کو بالآخر اس میں داخل ہونا
پڑتا ہے، اور سب کا داخلہ ناگزیر و یکساں اور اسی دروازہ
اور ایک ہی عالم میں ہوتا ہے، پھر وہ عالم بھی کچھ ایسا کان
نمک ہے، کہ سب، ایک سے، اور ایک، اور وہیں کے

ہو رہتے ہیں!!

نہ ہو گا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میسر (۱)
جہاں موجہ رفتار ہے نقش قدم میسر

محبت تھی چین سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے
(۲) کہ موج بوسے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

سراپا رہن عشق و ناگزیر آفت ہستی
(۳) عبادت برقی کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

بقدر ظرف ہے ساقی تھما ر تشنہ کامی بھی
(۴) ہو تو دریائے سے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

(۱) "ماندگی" تھکن۔ ماندگی، دشت پیمائی، کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس لئے "یک بیابان ماندگی" سے ایک پیمانہ صحرا نوردی بنالیا ہے۔ گویا اتنی ماندگی، جو ایک بیابان کی صحرا نوردی سے پیدا ہو "موج" "جواب" "موج آب سے بے ساختہ پیدا ہوتے ہیں اور روانی آپ کے لئے مانع و حارج نہیں ہوتے، گویا روانی کے لئے وہ کسی شمار و قطار ہی میں نہیں۔ اس شعر میں اپنی رفتار کو روانی آپ سے، اور نقش قدم کو حجاب سے مشابہہ کہا ہے۔ مطلب ہے کہ میرے ذوق و شوق کے مقابل میں ایک صحرا کی دشت پیمائی سے جو ماندگی ہو وہ ناقابل لحاظ ہے۔ اتنی تھکن سے میرا ذوق صحرا نوردی کم نہیں ہوتا۔ گویا میرے نقش یا حجاب رفتار میں، جو کسی شمار میں نہیں اور میرے چلنے میں حارج و مانع نہیں!

(۲) یعنی مایوسی و افسردگی، خاطر اس درجہ ہیں، کہ وہ چیزیں جو کبھی مرغوب اور باعث راحت تھیں اب باعث نفرت و کلفت ہیں!

(۳) "سراپا رہن عشق" ہمہ تن پابند و گرفتار عشق "ناگزیر" مجبور۔ ہستی "زندگی" "حاصل" "خرد من"، پیداوار مصرعہ ثانی میں "عشق کو برق سے اور دنیاوی زندگی کو حاصل سے تعبیر کیا ہے۔ عشق کا اقتضاء، ترک مشاغل دنیوی ہے، اور ترک مشاغل زندگی کے لئے، گویا ہلاکت ہے، کیونکہ "زندگی" "سلسلہ تحریکات و مصروفیت کا نام ہے۔ مطلب ہے، کہ میں ہمہ تن گرفتار عشق بھی ہوں۔

اور زندگی کی خرابی کا بھی غم ہے، گویا اطاعتِ برقی، اور
غم حاصل کی کشاکش میں مبتلا ہوں!

وہم کہ بقدر ظرفیت ہے۔" باندازہ جو صلہ ہے، اور اس کا تعلق فیض
بخشش ساقی سے ہے۔ "خمار" نشہ کا آثار، اور طلبِ خمیازہ
انگڑائی، نشہ کے آثار یا طلب کے وقت انگڑائیاں آیا کرتی
ہیں "ساحل" (دریا کا کنارہ) "ساحل و خمیازہ" میں مشابہت ہے،
مطلب ہے کہ میری خواہش میں نوشی، یا تشنگی، شراب
اسی نسبت سے ہے جتنا کہ ساقی کے فیض و بخشش کا ظرف
و جو صلہ، یعنی اگر ساقی، باعتبار عطا و لطف کے دریائے مے ہے
تو میں باعتبار عطا و لطف اور تشنگی کے ساحل ہوں یعنی اس دریا کو
گھیرے ہوئے ہوں، کم نہیں۔

۱	یاں ورنہ جو حجاب پرودہ ہے ساز کا	محرم نہیں ہے تو ہی نوا مٹے راز کا
۲	یہ وقت ہے شگفتن گل ہائے ناز کا	رنگ شکستہ بیج بہار نظارہ ہے
۳	ہیں اور دکھ تری مڑے ہائے دراز کا	تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز
۴	طعم ہوں ایک ہی نفس جاں گداز کا	صرف ہے ضبط آہ میں میرا و گرنہ میں
۵	ہر گوشہ بنا طے سر شیشہ باز کا	ہیں بسکہ چو ش بادہ سے شیشہ اچھل ہے
۶	ناخن پہ قرض اس گرو نیم باز کا	کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہون

تاریخ کاوش غم ہجران ہوا آئندہ
سیئہ کہ تقاضا فہیم گھر ہائے راز کا

(۱) "محرم" واقف۔ آئندہ "نوا مٹے راز" ہوا مٹے غیب۔
"حجاب" پرودہ "ساز" یا جہ۔ لگاؤٹ "نوا" کی رعایت سے

سناڑ استعمال ہوتا ہے، اور محرم و حجاب وغیرہ سب تلازمات ہیں
 ”نوائے راز“ بحال غیب، یا جاوہ معنی، یا حسن شاہد حقیقی سے
 کنایہ ہے۔ مطلب ہے کہ اسے انسان تحفہ شاعرانہ ہی
 نظارہ حقیقت سے محروم و نا آشنا ہے، ورنہ یہ موجودات
 و شواہد، جو جمال حقیقت کے لئے حجاب بن گئے ہیں خود
 دعوت نظارہ غیب دہے رہے ہیں۔ یا۔ کائنات کا ایک
 ایک ذرہ تاب آفتاب معنی سے معمور اور انوار حقیقت
 کے لئے وجہ عریانی ہے لیکن تیری ہی آنکھوں پر پردہ
 پڑے ہوئے ہیں!

(۲) لطف دیدار، ایک کیفیت ہے۔ بہار کے موسم میں بھی
 لطف حاصل ہوتا ہے اور محبوب کے پھول سے چہرے کو
 دیکھنے سے بھی لطف پیدا ہوتا ہے، اس لئے لطف آفرینی میں
 چہرہ گلابی اور موسم بہار دونوں ہم اثر ہیں۔ اس لئے شاعر
 نے اس کیفیت کو جو دیدار سے پیدا ہوتی ہے یہاں موسم
 بہار سے تعبیر کیا ہے۔ اور لفظ موسم ہی کی رعایت سے ”وقت“
 اور ”صبح“ وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ پھر عاشق جو ”بہار
 نظارہ“ کی کیفیت بھی اٹھاتا ہے اس کے ”رنگ شکستہ“
 (اڑا ہوا رنگ) کا استعارہ بہار کی مناسبت سے پسندیدہ
 سے کیا ہے۔ اس طرح عاشق کے لطف دیدار اور رنگ
 شکستہ دونوں سے مل کر ”صبح بہار نظارہ“ بن گئی ہے۔ یہ وقت
 ہے کا اشارہ محض صبح (رنگ شکستہ) کی جانب ہے۔ اور

”شگفتن گھماٹے ناز“ رناز و انداز کی گنگاریاں یا معشوق کے انداز و ناز کی گنگا نشانیوں (بہار نظارہ) سے متعلق ہے، اس شعر میں دیدار محبوب کی راحت اور ناز و کرشموں کے وہ متضاد اثرات بیان کئے گئے ہیں، جن سے عاشق ایک ہی وقت میں، راحت یاب و مسرور بھی ہوتا ہے اور بے چین و مضطرب بھی، ان ہی دو متضاد حالاتوں کو صبح و رنگ اڑ جانا (اور ”بہار نظارہ“ (لطف دیدار) کی ترکیب میں ظاہر کیا ہے یعنی شکستہ رنگ عاشق اور لطف دیدار، وقت شگفتن گھماٹے ناز معشوق ہے !!

(۳۳) ”نظر ہائے تیز تیز“ جلد جلد پڑنے والی نگاہیں۔ یا تجسس الوقت نظریں۔ ”مرہ ہائے دراز“ مرگاہ کی خوبی درازی بھی ہے۔ جس دل میں محبت کی اہلیت نہ ہو، وہ پتھر ہے، اور شعرا دل رقیب کو ایسا ہی تسلیم کرتے ہیں۔ مطلب ہے کہ تو بار بار غیر کی طرف دیکھتا ہے اور مجھے یہ تکلیف ہوتی ہے کہ تیری مرگاہ کو پتھر میں چھدفے سے دکھ پہنچتا ہو گا۔ کیوں کہ ان مرگاہ نازک کے لئے تو نرم ساد دل چاہئے، کہ آسانی سے گھر کر لیں۔ اور وہ ہمارا دل ہے جو نرم تر نہ ہو۔

(۳۴) ”صرفہ“ فائدہ۔ ”طعمہ“ لقمہ۔ یا خوراک۔ مطلب ہے کہ ضبط آہ ہی میرے لئے زیادہ وافر الیش اضطراب) مفید ہے ورنہ میرا کام تو ایک ہی آہ روح فرسا، میں تمام ہو جاسٹے !

(۳۵) شیشہ بازی، ایک قسم کی بازی گری ہے، کہ شیشے سر پر

رکھ کر بازی گر کر تب کرتا ہے۔ گوشہ محفل پر جوش بادہ سے
 شیشے اُچھلنے کی تشبیہ سر شیشہ بازی سے دی ہے !
 (۶) تنگی دل، یا افسردگی، خاطر، کاوش و کوشش، بچہ کا قفاضہ
 کرتی ہے، گویا ناخن تدبیر پر اس گڑے بیم باز دل سے استعارہ
 ہے) کا قرض ہے !

(۷) یعنی وہ سینہ جو اسرارِ عشق، یا حقایقِ مخفی کے موتیوں سے
 لبریز اور خزانہ بنا ہوا تھا، غمِ جدائی سے برباد ہو گیا۔

۱	برقم شہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا	۱	رکھو یارب یہ دیر بختینہ گوہر کھلا
۲	شب ہوئی پھر انجم زخندہ کا منظر کھلا	۲	اس تکلف سے کہ گویا بنگلہ کے کا در کھلا
۳	گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں	۳	آستیں میں دشتہ نہاں ہاتھ میں نشتر کھلا
۴	گو نہ بچوں آسکی باتیں گو نہ پاؤں اسکا بھید	۴	پر یہ کیا کہ ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا
۵	ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال	۵	جلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا
۶	کیوں اندھیری ہے شبِ غم ہے بلاؤں کا نزول	۶	آج ادھر ہی گور ہے گادیدہ اختر کھلا
۷	کیا ہوں بت میں غمِ شجرتِ حواش کا چال	۷	نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ برا کٹر کھلا

۸
 اسکی اُمت میں ہو نہیں سکتی میں کیوں کام بند
 واسطے جس شہ کے غالب گنبد دینے رکھلا

(۱) ”بختینہ گوہر“ منج کمالات سے استعارہ ہے۔
 (۲) ”انجم زخندہ“ چمکدار ستارے ”منظر“ سماں۔ ”انجم زخندہ“ کا
 منظر کھلنا ”تارے نکل آنا۔ بُت خانہ میں چراغاں کا منظر ہوتا ہے
 اور یہاں چراغاں بُت خانہ سے منظرِ انجم کی تشبیہ مقصود ہے
 ”تکلف“ سے زیب و زینت اور شانِ بڑا ہے !

(۳) دیوانگی کا ایک علاج عام قصہ کھولنا ہے۔ نشتر سے قصہ کھولتے ہیں، اور دس شہنہ (خجر) سے قتل کرتے ہیں۔ صدق و خلوص شک تو یہ معنی ہیں کہ جان کر جان دے دی یا لے لی جائے اور منافقت کا فریب اہل صدق کو گوارا نہیں یہی مطلب ہے کہ اس کے ہاتھ میں بظاہر تو نشتر ہے کہ میری دیوانگی کا علاج ہو، لیکن آستین میں خجر چھپا ہوا ہے کہ اس بہانہ سے اس کو قتل ہی کر دیں، تو میں فریب خوردگی سے کیوں جان دوں!

(۴) "پری پیکر" حسن مجسم۔

(۵) حسن، یا معشوق کا تصور، کیسا دلفریب، اور فردوس منظر ہے کہ قبر میں اس کے تصور سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ گویا باغ بہشت کا دروازہ کھل گیا ہے (مذہبی عقیدہ ہے کہ نیک عمل لوگوں کی قبریں جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے)۔

(۶) مصیبتوں کا نزول ہے، شب غم و ہجر کیوں اتنی تاریک ہے کیا آج ستارے بھی نہ نکلیں گے؟ اور راستاروں کی روشنی بالائی جانب ہی رہے گی، زمین کی طرف رخ نہ ہو گا؟ دیا اُدھر کا اشارہ معشوق کی طرف ہے)۔

(۷) "حوادث" عرف عام میں آفات ارضی و سماوی کو کہتے ہیں۔

کھلا ہوا خط بٹری خبروں کا نشان خیال کیا جاتا ہے۔

(۸) "گنبد بے در" آسمان۔ "گنبد بے در" کا در کھلنا "واقفہ ہزارج" سے

استعارہ ہے۔

شب کہ برق سوز دل سے زہرۂ ابر آب تھا
 شعلہ جوالہ ہر اک حلقہ گر و آب تھا
 شب کہ ذوق گفتگو سے تیرے دل بیتاب تھا
 شوخی و محبت سے افسانہ فنون خواب تھا
 واں کرم کو عذر بارش تھا عناں گیر حزام
 گریہ سے یا پلنبہ بالش کف سیلاب تھا
 واں خود آرائی کو تھا موتی پروئے کا خیال
 یاں ہجوم اشک میں تار نگہ نایاب تھا
 جلوۂ گل نے کیا تھا واں چراغاں آب جو
 یاں رواں مژگان چشم تر سے خون تاب تھا
 یاں سر پر شور بخوابی سے تھا دیوار جو
 واں وہ فرق ناز جو بالش کھواب تھا
 یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بے خودی
 جلوۂ گل واں بساط صحبت احباب تھا
 فرش سے تا عرش واں نلوتاں تھا موج رنگ کا
 یاں زمیں سے آسمان تک سوختن کا یاب تھا
 ناگہاں اس رنگ سے خونسا بہ ٹپکائے لگا
 دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت یاب تھا
 غزل نمبر ۲
 نالہ دل میں شب انداز اثر نایاب تھا
 تھا سپندر بزم وصل غیر گوئیے تاب تھا

مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
 خاۓ عاشق مگر سارے صدائے آب تھا
 نازش ایام خاکستر نشینی کیا کہوں
 پہلوئے اندیشہ وقف بسترِ تنجواب تھا
 کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یاں
 ذرہ ذرہ روکش غورِ شید عالم تاب تھا
 آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے
 کل تلک تیرا بھی دل ہر دوفا کا باب تھا
 یاد کردہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا
 انتظارِ صید میں اک دیدہ بے خواب تھا
 یں نے روکا رات غالب کو دگر نہ دیکھتے
 آس کے سیلِ گریہ میں گردوں کفِ سیلاب تھا
 واں، ہجومِ نعمتے ہائے سازِ عشرت تھا اسد
 ناخنِ غم یاں سرتارِ نفسِ مضراپ تھا

”برق“ بجلی ”سوزِ دل“ تپشِ قلب ”زہرہ“ پتا ”زہرہ آب ہونا“
 پست ہمت ہو جانا۔ خوف زدہ ہونا۔ ”شعلہ جوالہ“ شعلہ لڑاں
 ”گرداب“ ہنور ”واں کرم کو“ یعنی کرم فریاسے، یا تشریف لانے
 میں ”عنان گیر خرام“ مانع خرام، ”پنڈہ بالش“ گلیہ کی روٹی
 ”کفِ سیلاب“ جھاگ۔ ”واں خود آرائی کو“ یعنی آن کے دلولہ
 زینت اور سنگار کی آہنگ کو۔ ”ہجومِ اشک“ آنسوؤں کا تار
 ”نایاب“ ناپید ”جلوہ گل“ پھولوں کی آب و تاب۔ ”آب جو“

نہر کا پانی۔ "خوتیاب" ٹوہیں آنسو سر پر شور۔ دوراں زدہ،
 یا بے چین سر۔ "دیوار جو" دیوار ڈھونڈنے والا "فرق ناز"
 "سر پر غرور" معشوق کا سر۔ "موباش کم خواب" کم خواب کے
 مجسمہ پر استراحت فرما۔ "نفس" سانس۔ یہاں آہ آتشیں مراد ہے۔
 "بساط جلوہ گل" فرش گل۔ "فرش گل" سے تا عرش۔ زمین سے
 عرش معلے تک۔ "طوفان" جوش و شدت۔ "موج رنگ" ولولہ
 عیش و نشاط۔ "سوختن جلنا" اس رنگ اس طرح۔ اشارہ
 دوسری غزل کی جانب ہے۔ "کاوش ناخن" خراش ناخن
 "لذت یاب" لذت کش (دوسری غزل کے لفظی معنی)
 "سپندر" کالا دانہ جو نظر بد کے لئے جلاستے ہیں۔ "مقدم" آنا
 "سیلاب" طوفان آب۔ "لشاط آہنگ" نغمہ بچ مسترت۔
 "نازش" فخر "خاکستر نشینی" ترک اسباب کر کے خاک کشیں
 ہو جانا۔ "اندیشہ" سوچ۔ فکر۔ وقف محو۔ مصروف۔
 "بستر سنجاب" قیمتی کپڑے کا یعنی معشوق کا بستر۔ "جنون نارسا"
 عشق محروم، یا عشق پنہاں۔ "روکش" مقابل۔ "دیدہ بخواب"
 وہ آنکھ جسے نیند میسر نہ ہو اور کھلی رہے، مراد چشم عاشق
 سے ہے۔ "حلقہ دام" جال کے حلقے۔ آنکھ اور حلقوں میں
 مشابہت ہے۔ حلقہ دام کی عاشق کی آنکھ سے تشبیہ دیکر
 وجہ و بخوابی انتظار صید قائم کی ہے۔

پہلی غزل یا قطعوں کے مطالب

راہ کی بارش کیا تھی، گویا برق سوز دل سے، خود ابر پہل

پگھل کر، پانی ہو کر برس رہا تھا، ہنور کی گردش، لرزش، شعلہ
 معلوم ہوتی تھی، اُن کو تشریف لاسنے میں بادش کا ہڈر تھا
 اور یہاں روسنے کا ایسا طوفان تھا کہ تکیہ کی روئی کف سیلاب
 تھی۔ اُن کے بناؤ سنگار کی آتشک، بال بال موتی پروستے
 کے خیال میں تھی، یہاں آنسوؤں کا ایسا تار بندھا تھا کہ
 نگاہ پر پانی پھر گیا تھا اور کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ وہاں
 پھولوں کے رنگین اور تاباں عکس سے، آب جو میں چراغاں کا
 سماں نظر آتا تھا، یہاں دیدہ گریاں سے اشک خون
 رنگ، جاری تھے۔ ہمارا سر بے خوابی سے دیوار بچو تھا کہ
 پھوڑ ہی ڈالیں تو چین ملے۔ اُن کے سر ناز میں کھواب کے
 تکیہ پر مصروف استراحت تھا۔ یہاں آہ شہر بار
 گویا اس بزم بے خودی و بے تابی کی شمع تھی، وہاں جلسہ
 احباب کے لئے پھولوں کا فرش، مست تھا، وہاں تین آسمان
 عیش و نشاط و لونوں سے لبریز تھے، یہاں، یہ صورت
 جلنا تھا، آخر کار دل جو خراسن ناعن سے لہجہ زخم تازہ
 رکھنے سے لذت کش تھا، اس طرح اشک ہاتھ خوشیں
 گرا رہے لگا!

دوسری غزل کے مطالب

باوجود بیتابی، رات، نالہ دل میں اثر ہی نہ تھا، اور گودل
 جل رہا تھا اور غالباً اس کا جلنا بزم وصل غیر کسے سپند کا سا
 جلنا تھا۔ یعنی میرا دل، آمد طوفان سے بھی نغمہ رنج غمناک

ہے، گویا عشاق کے گھر صدائے آب سے ساز ہو جاتے
ہیں کیونکہ طبیعت عشق، اسباب ویرانی اور سرو سامان
بربادی سے مانوس ہے)

”نازش“ فخر۔ ”ایام“ دن۔ ”خاکستر نشینی“ سر راہ بیٹھ جانا۔
”پہلو“ بستر کی رعایت ہے۔ ”اندیشہ“ خیالی۔ ”سحاب“ ریشم
ان دونوں کی خاک نشینی اور بے سرو سامانی کے فخر و
لطف کو کیا بیان کروں۔ جب کہ اس خاک نشینی میں تصور
بستر محبوب رہتا تھا۔

ہمارے ہی عشق محروم سے کچھ نہ ہو سکا۔ یا ہماری ہی رسانی
اُن تک نہ ہوئی ورنہ میدان عشق کا توڑہ ذرہ آفتاب کی
مثال تھا۔

کل تک تو آپ کا دل بھی مندر مر و وفا تھا۔ آج یہ کیا ہے کہ
اپنے گرفتار ان اُلفت کی خبر نہیں۔

”ویدہ“ بیخواب؟ اور ”حلقہ دام“ میں تشبیہ ہے۔ (متنظاریہ)
ویدہ بے خواب کی رعایت ہے۔ یعنی وہ دن یاد کیجئے کہ
آپ اپنی خود نمائی کی پرستش کے لئے ملاش عشاق سے
بیقرار رہا کرتے تھے۔

”سیل گریہ“ میں گردوں کف سیلاب تھا، اظہار و فور گریہ
کے لئے مبالغہ گردوں (آسمان) کو اپنے سیل گریہ کا کف
سیلاب لکھا ہے۔

ایک ایک قطرے کا مجھے مینا پر اُچھا۔ | ۱ | خون جسگر و لعلیت مگر مجھے نہ اُچھا۔

آب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو	۲	توڑا جو تونے آئینہ تمثال وار تھا
گلیوں میں میری نعش کو گھنچے پھر وہیں	۳	جاندا دہ ہوا سے سر رہ گزار تھا
میں سراب و شربت و فاکانہ بوجھ حال	۴	ہر ذرہ مشکل جو ہر تیغ آبدار تھا
۵	کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر آب دیکھا تو کم ہونے پہ غم روزگار تھا	

(۱) "وہ لعلت" امانت سب نے آنسوؤں کی راہ خون جگر کا ایک ایک قطرہ اس طرح نکالنا پڑا گویا وہ خون جگر مرزاگان یار کی امانت تھی اور میں حساب دے رہا تھا۔

(۲) "آئینہ تمثال وار" دل سے استعارہ ہے، جس میں ہزاروں ارمانوں کی کششیں اپنے تعداد تمناؤں کے نقوش اور زمانہ بھر کی حسرتوں کی رنگ آمیزیاں ہوتی ہیں۔ اور جس کو بالفاظ دیگر "ایک شہر آرزو" کہنا چاہئے۔ یعنی میں شہر آرزو کی بربادی کا ماتم کر رہا ہوں، کیونکہ جس دل کو تونے مایوس و شکستہ کر دیا۔ اُس کی آبادی آرزو ہائے گونا گوں، ایک بارونق شہر سے کم نہ تھی۔

(۳) تاکہ یوں ہی حسرت نکل جائے۔

(۴) "سراب" رنگِ رواں۔ جو آبِ رواں سے مشابہہ ہوتی ہے۔ جو ہر تیغ کا وصف آب اور آبدار سے کیا کرتے ہیں۔ آبدار اور سراب میں ایک تشبیہ اور رعایت پیدا ہو گئی ہے۔ "موج" اور "تیغ" میں بھی تشبیہ ہے۔ وفا کے معنی اگر عشق و محبت لئے جائیں تو مطلب ہوگا کہ صبح اسے محبت کا سراب ہو ہو م

امیدوں اور نہ بر آنے والی حسرتوں کا مجموعہ ہے (جن سے وہ بھی اور تصویری راحت تو ہوتی ہے لیکن عملی اور شہودی نہیں) اور اگر وفا سے مقصود محبوب کا اظہار وفاداری ہے تو شعر کے یہ معنی ہوں گے کہ ان کا اظہار وفاداری تشنہ کمان محبت کے لئے ایک موج ہر اب ہے جس میں تشنگی عشق کے لئے تو کوئی قطرہ وفا نہیں لیکن جس کی آب و تاب ضرور مثل جوہر تیغ ہے۔

(۵) غم عشق کو ہم کم جانا کرتے تھے۔ لیکن جب وہ غم کم ہوا تو اُسکی جگہ افکار زمانہ نے لے لی۔

۱	آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا	۱	بس کہ دُشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
۲	درو دیوار سے ٹپکے ہے بیا باں ہونا	۲	گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
۳	آپ جانا ادھر اور آپ ہی حیراں ہونا	۳	وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجکو
۴	جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مرگاں ہونا	۴	جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
۵	عید نظارہ ہے شمشیر کا غریباں ہونا	۵	عشرت قتلگاہ اہل تمنائیت پوچھ
۶	تو ہوا اور آپ بہ صدر نگ گلستاں ہونا	۶	لیکنے خاک میں ہم داغ نمائے نشاط
۷	لذت ریش جگر غرق نمکراں ہونا	۷	عشرت پارہ دل زخم تمنا کھانا
۸	ہائے! اس زود پشماں کا پشماں ہونا	۸	کی مرے قتل کے بعد کسے جفا سے توبہ

حیف! اس چار گروہ کی کسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

۹

(۱۱) آدمی باوجود آدمی ہونے کے اخلاق حسنہ (جو معیار انسانیت ہیں) کی جامعیت میں کوتاہ دست ہے۔ اور جبکہ وہ باوجود تقاضائے

خلق تکمیل انسانیت سے قاصر ہے تو پھر دوسرے کاموں کا
 شمار ہونا تو بدرجہ اولیٰ قابل تسلیم ہے یعنی اس کیلئے
 دوسری کیا چیز آسان ہو سکتی ہے جب کہ آدمی ہونے پر
 آدمیت سے محروم ہے۔ اس حقیقت کو ایسے سادہ لفظوں میں
 کوئی بیان نہ کر سکا۔

(۱) ”ٹسکنا“ اور ”برسنا“ محاورہ اردو میں ظاہر ہونا، یا بزبان
 حال کہنا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ”کاشانہ“ گھر یعنی
 تیرا رونا میرے گھر کی بربادی چاہتا ہے کہ درو دیوار پر
 دیر نہ بن چھایا ہوا ہے۔

(۲) ”واے“ لفظ افسوس آدمی کا اشارہ محبوب کے گھر کی
 جانب ہے۔ مطلب ہے کہ افسوس ہے جنوں شوق پر کہ
 اس کے تقاضا سے بار بار محبوب کے سامنے جاتا ہوں اور
 ہر بار کٹمہ شمن دیکھ کر خود فراموش اور بے خبر ہو جاتا ہوں۔ یعنی
 عالم حیرت میں نہ شوق نظارہ پورا ہوتا ہے اور نہ عرض حال کے
 جوش و حواس باقی رہتے ہیں۔

(۳) ”جلوہ تقاضا“ نگہ کرتا ہے یا خوبی تحسین چاہتی ہے
 یا نمود و نمائش دیدار طلب ہیں۔ ”جو ہر آئینہ“ وہ خطوط و نقوش
 جو صقل میں ہوتے ہیں۔ ”مرثاں“ ہوتا ہے یہاں چشم شوق
 بننا مراد ہے۔ جو ہر آئینہ اور مرثاں میں شبیہ ہے۔ اور اسی
 شبیہ رعایت کی وجہ سے آنکھ کے بجائے مرثاں بطور استعمال
 الجھڑو لکھ کر کیا ہے۔ آئینہ خود بینی و خود آرائی کے لئے دیکھا جاتا

ہے۔ خود بینی و خود آرائی سے خود پسندی اور خود نمائی
بالا کترام پیدا ہوتے ہیں اور جلوہ یا آرائش و نمود کا اقتضا
یا نتیجہ لازمی یا اثر طبعی ویدار و نظارہ ہے اس لئے شاعر نے
مبالغہ کے ساتھ اس کو جوہر آئینہ بھی چاہے ہے ”مژگاں ہونا“
سے تعبیر کیا ہے۔ مطلب ہے کہ گویا خود آئینہ نگاہ شوق
بننا چاہتا ہے۔

(۵) ”مشرّت“ خوشی۔ ”قتل گہ“ مقتل۔ ”اہل تمنا“ عشاق۔ ”بت پوچھ“
یعنی کیا پوچھتے ہو یا کیا بیان کریں۔ ”نظارہ دید“ عید
مشرّت۔ شمشیر و ہلال میں مشابہت ہے۔ ہلال کی رعایت
سے عید استعمال کیا گیا ہے۔ ”شمشیر کا غریباں ہونا“
نیام سے نکلنا۔ یعنی مقتل میں عشاق کی خوشی کا حال کیا بیان
کریں۔ اُن کو شمشیر غریباں کا دیکھنا گویا نظارہ ہلال عید ہوتا
ہے۔ اگر قتل گہ اہل تمنا سے میدان عشق یا عالم عاشقی
مُراد لیا جائے تو مطلب ہوگا کہ عالم عشق کی خوشی اور مشرّت
کیا بیان کریں جہاں جان دینا یا قربان ہونا عید کی شادمانی
کے برابر ہے یعنی دنیا سے مجتہد کی خوشیاں ہی نرالی ہیں
جو عوام الناس کی خوشیوں سے بالکل متضاد ہوتی ہیں۔
یہاں تو جان دینا یا جان جانا سب سے بڑا دشوار اور مرہم
سامانہ ہوتا ہے۔ اور وہاں یہ مرحلہ پیش آنا سب سے بڑی
عید اور شادمانی ہے۔

(۶) ”دارغ لے جانا“ رنج ناکامی و محرومی اٹھانا۔ ”تمنا سے نشاط“

آرزوئے عیش۔ تو ہو "ایک تنخواطیب و عایشہ ہے۔ یعنی خدا کرے کہ تو "بصد رنگ" ہر طرح سے۔ رنگ و گل اور داغ میں تشبیہات ہیں۔ آردو میں بے حد مسرور اور خوش ہونے کے معنی میں باغ بارغ ہونا اور دعا میں پھلنا پھولنا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ غالباً اُسے اس اعتبار سے "گلستان" ہونا لکھا ہے۔ مطلب ہے کہ ہماری آرزو تو مرتے دم تک پوری نہ ہوتی تھی۔ تم خدا کرے ہمیشہ اور ہر طرح شادماں رہو۔

(۷) "عشرت" مسرور و راحت۔ "پارہ دل" دل کا ہر ٹکڑا (کیوں کہ عاشق کا دل پارہ پارہ مسلم) "زخم تمنا کھانا" زخم نا کامی کھانا۔ الہم محرومی اٹھانا۔ ریش جگر ہر تکاف جگر یا ہر زخم جگر۔ یا ایک ایک ریشہ جگر۔ شعر میں صرف اظہار درد ظاہی ہے۔

(۸) عجیب ترکیب سے یہ مضمون ادا ہوا ہے۔ "زودیشیاں" اس شعر میں معجزۂ ادب ہے، جس کا مفہوم بیان نہیں کیا جاسکتا مگر ترقی ذوق اور غور سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

(۹) عاشق کا گریباں ہمیشہ حوالہ دست جنوں اور معرض کشمکش میں رہتا اور تار تار ہوا کرتا ہے۔ شاعر نے کس خوبی سے اس چار گزہ کپڑے کی قیمت پر افسوس کرتے ہوئے ہزاروں جنون خیز مصیبتوں میں مبتلا ہونے کو ظاہر کیا ہے۔

- شبِ خمارِ شوقِ ساقی رستخیز اندازہ تھا
 تا محیطِ بادہ صورتِ حسنا در خمیازہ تھا (۱)
- یکقدم وحشت سے درسِ دفترِ امکان کھلا
 مجاہدہ جزائے دو عالم وحشت کا شیرازہ تھا (۲)
- مانع وحشت خرامیہائے لیلے کون ہے
 خانہٴ مجنون صحرایِ گردِ بے دروازہ تھا (۳)
- پوچھ مدتِ رسوائی اندازِ استغنائے حسن
 دستِ مرہونِ جنارِ خسارِ رہنِ غارہ تھا (۴)
- نالہٴ دل نے دیئے اوراقِ نختِ دلِ بباد
 یادگارِ نالہٴ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا (۵)

(۱) "خمارِ شوق" مستیِ اشتیاق مراد ہے۔ "رستخیزانہ" قیامت
 مثالِ (مخاورہ ہے جو مبالغہ استعمال ہوتا ہے) "محیط"
 لغوی معنی گھیرے ہوئے کے ہیں۔ یہاں خطِ جام سے مراد
 ہے۔ "محیط" اور خمیازہ (انگڑاتی ہیں تشبیہ ہے مطلب کہ
 راتِ جلوتِ ساتی کے دیدار کا اشتیاق قیامت کا تھا کہ
 محیطِ بادہ بھی ایک خمیازہٴ خمارِ شوق معلوم ہوتا تھا۔

(۲) "یکقدم وحشت" وحشت کا ایک قدم یا صحرائے وحشت میں
 بقدرِ یک قدم۔ "درس" سبق۔ "دفتر" بمعنی کتابِ برعایت
 درس۔ "امکان" عالمِ امکان یا کائنات و موجودات۔ "درسِ دفترِ
 امکان کھلا" یعنی حقیقتِ عالمِ انکشاف ہوا۔ "جادہ" راہ۔
 "اجزائے برعایت دفترِ شیرازہ" استعمال ہوا ہے۔ "دو عالم"

دشت" میں ترکیب مقلوب ہے۔ مقصود دشت دو عالم
یا میدان و وسعت دو عالم۔ "دو عالم" سے مراد عالم اطلاق
و عالم امکان یا عالم ظاہر اور عالم باطن و غیب یا عالم مجاز و
عالم حقیقت ہے مطلب ہے کہ پہلے ہی قدم وحشت میں عالم
امکان کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ گویا بخودی عشق مجاز نے
حقیقت تک پہنچا دیا۔ یعنی وحشت عشق دونوں جہانوں
کے درمیان برزخ تھی۔ یا عالم امکان سے مراد عالم وجود
ہے اور دو عالم کا اشارہ عالم وجود اور عالم عدم یعنی بقا اور فنا کی
جانب ہے۔ مطلب یہ ہو گا کہ جاوہ عشق ایک رابطہ ہے
بقا و فنا کے درمیان۔

(۳) "مانع" روکنے والا۔ "وحشت خرامیہا" دیوانہ وار آمد و رفت
"صہر گرد"۔ دشت نورد۔ خانہ بے دروازہ" سے مراد ویرانہ و صحرا
ہے۔ یعنی نامعلوم لیٹے کے لئے کیا امر مانع تھا کہ عشق مجنون سے
متاثر ہو کر بے تابانہ مجنون تک نہ پہنچ سکی۔ حالانکہ مجنون کا گھر
تو جنگل تھا۔ جہاں نہ در نہ دربان۔

(۴) "رسوائی" ہوا خیزی۔ یہاں بے اختیار و مجبوری مراد ہے
"استغنا" بے نیازی۔ عدم حاجت مندی۔ "حسن" خوبی و خوبصورتی
"مرہون حنا" پابند حنا۔ یا ہندی لگانے کے شوق میں
پابند و مبتلا رہن غارہ۔ "وقف غارہ"۔ غارہ ایک قسم کا
سفوف ہوتا ہے جو چہرہ کو خوش رنگ بنانے کیلئے لگاتے
ہیں۔ مطلب ہے کیا پوچھتے ہو کہ حسن یا وصف بے پروائی

وسادگی آرائش و زیبائش پر مائل تھا۔ اور درآن حالیکہ اس کی معشوقیت عشاق سے بے نیازی تھی لیکن اس کی آرائش کے میلان نے خود نمائی اختیار کر کے اہل دید کے دیدار کی رسوائی کو گوارا لیا تھا۔ یا حسن سے مراد حسن شاہد حقیقی یا جمال الہی ہے۔ اور انداز استغنا کا اشارہ صفت تنزیہ کی جانب ہے۔ اور حنا و غارہ سے شہود نمود و خلق تعبیر ہیں اور رسوائی کے معنی ظہور جلوہ ریزی و تشہیر عام کے ہیں۔ اب شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ کیا کہیں حق مطلق کے اطلاق و نہایت کی نمود و خلق کے تعینات و تنزیلات سے کیسی کچھ تشہیر ہوئی۔

(۵) ”بیاد واد“ کا ترجمہ استاد نے دے دیا ہے یعنی ہوا میں اڑا دیئے یا بر باد کر دیئے ”دیوان“ بے شیرازہ اور اوراق میں رعایت لفظی ہے۔ مطلب ہے کہ نالہ نے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بر باد کر دیا۔ اور نالہ کے یادگار صرف پارہ ہائے دل تھے۔

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
 زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھائیں گے کیا (۱)
 بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
 ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا! (۲)
 حضرت ناصح گرائیں دیدہ و دل فرسش راہ
 کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا؟ (۳)
 (۴) آج وال تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں

عذر میرے قتل کرنے میں وہ آپ لائیں گے کیا

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھائیوں سے
یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا؟ (۵)

خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں؟
ہیں گرفتار و قازندوں سے گھبرائیں گے کیا؟ (۶)

ہے، آب اس معنورہ میں قحطِ غم آفت اسد
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائیں گے کیا؟ (۷)

(۱) "سعی" چارہ جوتی و علاج مراد ہے۔ یعنی دوست غمخواری
و ہمدردی سے میرا کیا علاج و مددوا کر سکتے ہیں (اگر میرے
زخموں پر مرہم بھی لگائیں اور ناخن بھی کاٹ دیں) تو کیا
زخموں کے اندمال تک پھر ناخن بڑھ نہ جائیں گے (اور کیا
پھر میں خراشِ ناخن کی لذت گشتی سے زخموں کو تازہ نہ کر لوں گا)
یعنی میرے مصائب کا دفعیہ ناممکن ہے۔ میری ایذا طلبی آلام کو
تازہ کرتی رہتی ہے۔

(۲) "بے نیازی" بے پروائی و بے خبری۔ تغافل۔ یعنی حضور
اس بے نیازی کی بھی کوئی حد ہے کہ ہم حالِ دل بیان
کرتے رہتے ہیں اور آپ سُن سُن کر اور سمجھ سمجھ کر انجان بنتے
ہوئے "کیا" فرماتے رہتے ہیں گویا اس طرح استفسار و استفہام
ہوتا ہے کہ کچھ سنا ہی نہیں۔

(۳) "دیدہ و دل فرسِ راہ" ایک محاورہ ہے عزت کے ساتھ

استقبال کرنے کے مفہوم میں۔ مطلب ہے کہ حضرت ناصح اگر آنا چاہتے ہیں تو خوشی سے آئیں لیکن اُن کے آنے سے ہوتا ہی کیا ہے۔ کیونکہ میراجنون عشق تو افہام و تفہیم کی صلاحیتوں سے گزر چکا ہے۔

(۱۵) ”ناصح“ نصیحت کرنے والا۔ یا چارہ جو۔ قید دیوانوں کیلئے علاج خیال کی جاتی ہے۔ یعنی اگر ناصح نے ہمیں پاب نہ بخیر کسی چہار دیواری میں مقید بھی کر دیا تو اس سے ہوتا ہی کیا ہے بھلا یہ جنون عشق کے انداز کہیں چھٹ سکتے ہیں۔ اور قید و بند سے ممکن ہے کہ جنون خرامی اور دشت نوردی رُک جائے لیکن جنون خیالی کس طرح جاسکتی ہے۔

(۱۶) ”خانہ زاد“ غلام۔ بندہ یا دو خیال زلف یعنی ہم کہ بندگان خیالی زلف ہیں نہ بخیر سے کیا گریزاں ہو سکتے ہیں اور پاب بند و قاف ہو کر قید خانہ سے کیا گھبرا سکتے ہیں بلکہ یہ قیود ظاہری تو ہمارے دلی قیود کے مشابہ ہیں۔

(۱۷) ”مہورہ“ دنیا۔ یعنی اس کارئانات میں اُلفت پیشہ لوگ رہتے ہی نہیں اور ہم غم اُلفت کے خوگر ہیں اگر دلی میں ہے تو کس طرح گذرے گی۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یا رہتا
(۱) اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے وعدہ پر رہتے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
(۲) کہ خوشی سے مرہ جساتے اگر اعتبار ہوتا

- تری تازی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا (۳)
 کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا
- (۴) کوئی میرے دل سے بچھڑے تیرے کش کو
 یہ غلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
- یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح (۵)
 کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
- (۶) رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
 جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
- غم اگر چہ جاں گل ہے یہ کہاں بچیں کہ دل ہے (۷)
 غم عشق گرد نہ ہوتا غم روزگار ہوتا
- (۸) کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بڑی بلا ہے
 مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
- ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا (۹)
 نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
- (۱۰) اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ بیکتا
 جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا
- یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب (۱۱)
 سچے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

(۱) اس غزل کے آخری دو شعر میں غالب نے تصوف کے مضامین لکھے ہیں۔ ہمارے خیال میں مطلع بھی متصوفانہ رنگ میں ہے

”وصال“ صوفیائے کرام کے عقائد میں فنا فی الذات ہونے کو کہتے ہیں۔ ”جلینا“ گویا اپنی ہستی بحیثیت اپنے قائم رکھنا ہے اور یہ آنا نیت وصل و فنا فی الذات کے متناقض و منافی ہے۔ مطلب ہے کہ ہماری قیمت میں وصال یا ریزہ ہوتا اگر ہم زندہ بھی رہتے تو انتظار کے سوا اور کوئی مرتبہ حاصل نہ ہوتا۔

(۲) تمہارے وعدہ پر اگر ہم بیٹے رہے تو یہ سمجھو کہ ہم نے تمہارے وعدہ کو جھوٹ سمجھا کیونکہ اگر وعدہ پر اعتبار آجاتا تو ملے خوشی کے جان نہ لگ جاتی۔

(۳) تمہاری نزاکت سے تمہارے پیمان کی کمزوری ثابت ہوتی ہے کیونکہ نازک آدمی کسی مضبوط چیز کو توڑ نہیں سکتا۔ استاد نے اس شعر میں پیمان شکنی سے لفظی فائدہ اٹھا کر نزاکت پر استدلال کیا ہے)

(۴) یعنی تیرے نمکش کی غلش کے مزہ کو کوئی میرے دل سے پوچھے ہر دم کی غلش سے گویا ہر غلش ایک تیر کا لطف دیتی ہے اگر تیر جسکر کے پار ہو جاتا تو مزہ کا سلسلہ کیسے باقی رہ سکتا تھا۔

(۵) جناب تاج کی دوستی بھی بھلا کوئی سود مند بات ہے جو بجائے چارہ سالاری و غمگساری کے ”شور پند“ ناصحنے زخم پر نمک چھڑکا کے مصداق ہے۔ کاش بجائے ان کے کوئی سچا غمگسار ہوتا اور چارہ کار کرتا۔ یا۔ دوستوں کی یہ کیسی دوستی

ہے کہ تاج بن بیٹھے ہیں ان کو تو یہ چاہیے تھا کہ میرے
دردِ محبت کی کوئی دوا بتاتے۔

(۶) ”رگ سنگ“ پتھر کی ریشیں یا لکیریں۔ پتھر جب کسی چیز سے
رگڑایا جھکڑایا جاتا ہے تو آتشیں چنگاریاں نکلتی ہیں اسی پر
قیاس کیا گیا ہے کہ پتھر میں آگ پنہاں ہوتی ہے شعرار کے
یہاں غم بھی ایک حقیقتِ سوزِ پنہاں ہے جس کا نتیجہ
اشکِ ماتے خوئی ہوا کرتے ہیں۔ شرار اور قطراتِ خون میں تشبیہ
ہے۔ اور سوزِ غم اور آتشِ سنگ ہم ہیئت ہیں مطلب ہے کہ
یہ سوزِ غم جو ہمارے دل میں پنہاں ہے پتھر میں آگ بجائے
آگ کے ہوتا تو ہر ذرہ سنگ سے اس قدر خون بہتا کہ
روئے نہ بڑکتا۔ لیکن یہ ہمارا ہی جگر ہے کہ یا وجودِ قوی نہیں
اور غیر جامد ہونے کے ہم اس غم کے متحمل ہیں۔

(۷) ”جاں گسل“ جاں فرساؤ کہ دل ہے کے فقرہ سے یقین ظاہر
ہوتا ہے۔ گویا کہ دل کے لئے آلام و افکار لازمی اور ضروری
ہیں۔ غمِ عشقِ مقوم ہے۔ مطلب ہے کہ غمِ عشق جاں فرسا
ہی سہی لیکن دل کے لئے تو بہر حال کسی نہ کسی غم کا ہونا
ضروری تھا۔ پس اگر یہ غمِ عشق نہ ہوتا تو غمِ روزگار
ہوتا۔ اس لئے یہی بہتر تھا کہ دنیا بھر کے جھگڑوں سے
چھٹے ایک مصیبتِ عشق ہی رہی۔

(۸) میں کس طرح اور کس سے کہوں کہ شبِ غم یا شبِ بھر
بہت ہی بڑی مصیبت ہے۔ ایک مرتبہ اگر موت آجانی تو میں

اس کو ہمت ہی معتقتم ہوا تھا لیکن شبِ غم ایسی بھری بلا ہے
کہ موت آتی ہی رہتی ہے اور نہیں آتی۔ گویا ہر لحظہ ایک
مرگ نو میدی سے سا بقہ رہتا ہے۔ اربابِ دنیا موت کو
سب سے بڑی مصیبت جانتے ہیں لیکن شاعر موت پر شبِ
غم کو ترجیح دیتا ہے۔

(۱۰) "لگانہ" اس شعر میں شاعر نے متصوفانہ طریقہ پر لگانگی و
یکتائی سے خداوند تعالیٰ کی ذاتِ غیبِ الاحدیث کی طرف
اشارہ کیا ہے۔ غیبِ الاحدیث وہ لگانگی و یکتائی ہے جو
کسی اشارہ حسی کو قبول نہ کرے۔ کسی پیر کے سمجھنے کے لئے
ایسی نسبتیں ہونا ضروری ہیں جو یا مطابق ہوں یا متضاد
اور اس ذات کے لئے نہ کوئی نسبت مطابق ہے نہ متضاد کیونکہ
وہ وہی ہے کہ لیس کثیر شئی ط پس ایسی ذات کو کون دیکھ سکتا
ہے۔ دیکھنے میں تو وہی چیزیں آ سکتی ہیں جو ابعاد ثلاثہ زمان و مکان
اور اشارات میں مقید ہوں۔

۱	نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا؟	۱	ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا؟
۲	کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا؟	۲	تجاہلِ پیشگی سے مدعا کیا
۳	شکایتِ تہسائے رنگیں کا گلا کیا؟	۳	نواز شہانے بیجا دیکھتا ہوں
۴	تغافلِ سائے تمکین آرزو کیا؟	۴	نگارہ بے محاسبہ چاہتا ہوں
۵	ہوس کو پاس ناموس و وفا کیا؟	۵	فروغِ شعلہ خس یک نفس ہے
۶	تغافلِ سائے ساقی کا گلا کیا؟	۶	نفسِ مویجِ محیطِ سبے خودی ہے

۷	دماغ عطر پیرا ہن نہیں ہے	۷	غم آوار گہا سٹے صبا کیا؟
۸	دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر	۸	ہم آس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا؟
۹	محایا کیا ہے، میں ضامن اوصدیکھ	۹	شہیدانِ نگہ کا خون ہسا کیا؟
۱۰	سن اے غبارِ تگر جنس و فائن	۱۰	شکستِ قیمت دل کی صدا کیا؟
۱۱	کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ	۱۱	شکیبِ خاطر عاشق بھلا کیا؟
۱۲	یہ قاتل وعدہ صبر آزما کیوں	۱۲	یہ کافر فتنہ رطاقت ربا کیا؟

یلائے جان ہے غالب اسکی ہر بات

عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

۱۳

(۱) "ہوس" خواہش۔ گونا گوں طلبوں کی بے چین کوششیں
"تشاط کار" دلولہ کار۔ مسرت سعی۔ تحریک۔ یعنی ہوس جو
گونا گوں طلبوں کی مضطربانہ سعی میں مسرت اور مزہ حاصل
کرتی رہتی ہے تو حصولِ مطالب کی سعی کار سے مسرور ہونا
اور ہزاروں طلبیں رکھنا جن سے زندگی گو نہ پیر لطف گذرتی
ہے سب کا انحصار مرنے کے خیال پر ہے کیوں کہ بے تعداد
خواہشات میں ہر لحظہ اس لئے عزت کی جاتی ہے کہ زندگی
چند روزہ ہے جو ہو سکتا ہے وہ اسی زندگی میں ہو جائے،
اور پھر گرمیِ مطالب ہی سے چونکہ مسرت حاصل ہوتی رہتی ہے
اور یہ مسرت یا القفل، بالواسطہ اس خیال سے متعلق ہوتی ہے کہ
زندگی چند روزہ ہے یعنی مرنا قریب و ضروری ہے۔ پس
"سرمایہ مسرت حیات مرنے پر منحصر ہے۔"

(۲) "تجاہل پیشگی" جان کر انجان بننا۔ "سراپا تاز" ہمہ تن نچوٹ و غرور

یعنی اسے جانِ جہاں آپ کا اس تجاہل سے کیا مدعا ہے کہ میری ہر بات پر استغناء کیا گیا" فرما دیا کرتے ہیں لگو یا سب کچھ سنتے ہیں اور اڑا دیتے ہیں) آخر کب تک یہ شوخی ہوتی رہے گی۔

(۳) "تواڑ شہائے بجا" غیر متوقع التفات: شکایت ہائے رنگیں "شوخیوں کی شکایتیں یاد دلچسپ شکایتیں۔ یعنی آپ کے التفات غیر متوقع کی خوشی میں بھلائی گزشتہ بے ہر یوں کی کیا شکایت کروں۔

(۴) "بے محابا" بے حجاب و بے تکلف: تمکین آزما "خود داری آزمانے والے۔ یعنی میں تو آپ کی نگاہ بے حجاب رجس کا اثر یہ ہوتا چاہئے کہ خود مجھ پر کیفیت بخودی طاری ہو جائے) کا طالب ہوں مدعی صبر و شکیب نہیں۔ بلکہ طالب فراوانی بے خودی ہوں۔ پس آپ کا تغافل بے محل ہے۔

(۵) "فروغ" بمعنی عروج۔ یہاں قیام و ثبات مفہوم ہے۔ "شعلہ شش" تنکا جلنے سے جو شعلہ پیدا ہو۔ "یک نفس" ایک سانس کا وقفہ۔ ایک لمحہ کی مدت۔ "ناموس" شعار و حرمت راز۔ "وفا" مراد عشق و محبت۔ "ہوس" غرض۔ خواہش۔ اور یہاں اہل ہوس مراد ہیں یعنی اہل ہوس و خواہش کو استقامت عشق سے کیا سرو کا۔ آن کا جوش اور اظہار محبت تو شعلہ رخس کی طرح ہے۔ وہ شعلہ شمع کی طرح دیر پا نہیں ہوتا لہذا اہل ہوس کو ناموس و وفا کا لحاظ کسب

ہو سکتا ہے۔

(۶) "نفس" سانس۔ "محیط" بحر و خاں۔ "بے خودی" بے خبری و
 مذہوشی۔ عدم تعقل و بطلانِ حسن۔ سانس کی آمد و رفت
 اور موج دریا میں تشبیہ ہے اسی تشبیہ سے شاعر نے انتہائے
 بخودی کو تمثیل کیا ہے۔ مطلب ہے کہ یہاں تو ایسی بے خبری
 اور عالم فراہوشی کی کیفیت طاری ہے کہ سانس (جو ایک لازمہ
 حیات ہے) موج محیط بے خودی سے زیادہ وقعت نہیں
 رکھتا یعنی مجھ میں متقاضیات۔ حیات کا کوئی شائبہ باقی نہیں اور
 میری زندگی بھی گویا ایک جزوِ بے خودی ہے۔ ایسی صورت
 میں بھلا ساقی کے تغافل کا شکوہ کیا ہو سکتا ہے یا آب کس کو
 ہوش ہے کہ ساقی کی بے التفاتی کا گلہ کرے ہم تو نشاط و
 سرور عشق سے ایسے سرشار ہیں کہ خود ہماری زندگی ایک
 حرکتِ مستی و بے خبری ہو گئی ہے۔ پھر ساقی سے شکوہ
 کون کرے اور کیا کرے!

(۷) "دماغ" محاورہ نہیں بمعنی برداشت یا خواہش یا ضبط۔
 "عطر پیراہن" خوشبوئے لباس۔ یعنی ہمیں تو خوشبوئے
 لباس سے شامہ نوازی کی تاب ہی نہیں۔ یادِ صبا کی بیرنجی کا
 کیا غم۔ آبِ صبا جہاں چاہے اُن کے پیرہن معطر کی خوشبو کو
 پریشان کرتی پھرے۔

(۸) "ساز" باجہ۔ "نغمہ" صدرا۔ "اتنا بھر" کے لفظی معنی ہیں "دریا بہاں"
 ہیں۔ لیکن اس کے مفہوم کا لطف منصور کے واقعہ اور اُن کی

انا الحق سرائی کے یا مقابل حاصل ہوتا ہے اور شاعر نے اسی
مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ مطلب ہے کہ ہر قطرہ کے دل میں
انا الحق کا نغمہ یا جذبہ (کیونکہ وہ فور جذبات سے بھی بے ساختہ
صدائیں نکل جاتی ہیں) موجود ہے اسی طرح ہم "اُس" (ذات
واحد الوجود) کے ہیں ہمارا حال ظاہر ہے۔ یا اللہ اکبر ہمارا
کیا کہنا ہم تو اُس کے ہیں "دل سے مراد وہ مضنہ گوشت
اور مرکز شریانات نہیں بلکہ صوفیائے کرام کے یہاں مرکز
حقیقت کو دل کہتے ہیں اب شعر کا مفہوم زیادہ واضح ہو گیا
یعنی ہر ایک قطرے کی حقیقت (دل) ہی نغمہ انا البحر ہے،
اسی طرح ہماری حقیقت بھی انا الحق ہے، لہذا ہم کو کیا پوچھتے
ہو ہم تو اُس ذات واحد الوجود کے ہیں۔

(۹) "خایا" رکاوٹ پس و پیش۔ یعنی آپ کو عبث پس و پیش
ہے میں ضامن (یعنی میرا ذمہ) آپ بلا تکلف میری طرف
نظر کیجئے۔ اگر میں قاتل نگاہ ہو بھی جاؤں تو شہیدان
نگاہ کا تو کچھ خوں بہا ہوتا ہی نہیں۔ اگر تلوار سے قتل کرتے
تو قتل کا الزام ہو سکتا تھا اور خوں بہا دینا پڑتا، لیکن
نگاہوں کے مقتول نہ الزام دے سکتے ہیں نہ خوں بہا کا
موقع۔

(۱۰) "خار گرجس وفا" بے وفا، بے ہریاں وفا کی بے قدری
کرنے والا مراد ہے۔ "شکست قیمت" قیمت شکستن سے
مانوڑ ہے جس کے معنی قیمت گھٹانا اور قیمت کم کر دینا ہیں۔

لفظ "شکست" "دل" سے بھی مناسبت رکھتا ہے کیونکہ محاورہ میں "دل شکنی و دل شکستگی" وغیرہ مستعمل ہیں۔ اور لفظ "قیمت" "جنس" کی رعایت کی وجہ سے لاتے ہیں۔ اور لغوی طور پر "شکست" کے ساتھ "صد" بھی معنی ہے۔ "غارِ تگرے جنس و فا" اور "شکستِ قیمتِ دل" ہم مفہوم ہیں۔ شکستہ دلانِ عشق ہمیشہ فریاد و نالہ کرتے رہتے ہیں۔ یہی گویا آوازِ شکستِ دل ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے ناشناسِ قدر و فا، تیری اس بے مہری اور نا قدر شناسی سے دل کے ٹکڑے ہو گئے ہیں ذرا ہماری فریاد سن تو لے۔

(۱۱) "جگر داری" ضبط۔ تحمل۔ صبر۔ ہمت۔ "شکیب" صبر۔ تسکین یعنی ہمیں دعویٰ ضبط ہی نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ عاشقانِ مضطر کی تسکین خاطر ممکن ہی نہیں۔

(۱۲) "قاتل" معشوق۔ "صبر آزما" امتحانِ ضبط کا طریقہ یا ایسا طرزِ عمل جو دیرِ طلبی و دیرِ آشنائی کا ہو۔ "کافر" قاتلِ معشوق۔ "طاقتِ رُبا" شکیب و ہمت شکن۔ "فتنہ" طاقتِ رُبا۔ "وعدہ" صبر آزما کی صفت بھی ہے یعنی امتحانِ صبر و ضبط کی شرط کے ساتھ جو وعدہ کیا جا رہا ہے وہ اور بھی زیادہ بیقرار و مضطرب کر دینے والا ہے۔ اب تک بیقراری ارمان تھی اب تمنا برآئے کے وقت کا انتظار بھی ہوگا۔ اور بے چینی بڑھ جائیگی اور یوں ہی یہ وعدہ صبر آزما فتنہ طاقتِ رُبا ہو جائیگا اور اگر "صبر آزما" معشوقوں کے عام وعدوں کی سلسلہ صفت کی

طرح استعمال ہوا ہے۔ تو شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ عبت وعدہ کرتے ہیں اس سے تو بجائے سکون کے اضطراب ہوتا ہے یا میں اس وعدہ سے کیا فائدہ یہ تو وعدہ نہیں بلکہ ایک فتنہ ہے جس سے یہی سہی ہمت ضبط بھی جاتی رہتی ہے یا ایسے جھوٹے وعدہ سے فائدہ ہی کیا جو آتش شوق میں ایک اشتعال پیدا کر دے۔

(۱۳) عبارت "واشارت" ادا لفظ "ہر بات" کے توضیحات ہیں۔

در خور قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا ۱ پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
بندگی میں نہ آزادہ و خود ہیں ہیں کہ ہم ۲ آئے پھر آئے در کعبہ اگر و انہ ہوا
سب کو مقبول ہے دعویٰ تری بکائی کا ۳ سامنے کوئی بمت آیتہ سیمانہ ہوا
کم نہیں تازیش ہمنامی چشم خواباں ۴ تیرا بیمار بڑا کیا ہے گرا چھانہ ہوا
سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک گیا ۵ خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریائے ہوا
ہر بن موسیٰ دم ذکر نہ ٹپکے خونتاب ۶ حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا
نام کا ہے مزے وہ دکھ جو کسی کو نہ ملا ۷ کام میں میرے ہے وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا
قطرہ میں جلد دکھائی نہ ہے اور جزو میں کل ۸ کیل لٹکوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا
تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرنے

دیکھئے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا

(۱) "در خور" سزاوار مستوجب یعنی خواہ مقہور ہونے ہی میں کیوں نہ ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم بے مثل ہیں اور الفاظ "قہر و غضب" کو اگر شاعرانہ اصطلاحات میں تخیل کیا جائے تو

جفا و ستم محبوب کا مفہوم پیدا ہوگا۔ اور محبوب کا شدت و خصوصیت کے ساتھ مائل بہ جفا سے عاشق ہونا ایک امتیاز خاص ہے۔ مطلب ہے کہ کسی قسم کی خصوصیت کیوں نہ ہو ہم اس سے خصوصیت خاص رکھتے ہیں۔ اور یہی ہماری بے مثلی کی دلیل ہے۔

(۲) ”بندگی“ عبادت و پرستش (جس کا اقتضا پابندی و بیچارگی ہوتا ہے) یعنی ہم بندگی میں بھی آزاد منش اور خوددار ہیں۔ کہ در کعبہ اگر کھلا نہ ہو تو ہم واپس ہی چلے آئیں اور صل میں یہاں اپنی خودداری کے پردہ میں کعبہ کی عظمت بیان کی ہے کیونکہ وہ کعبہ ہی کیا اور وہ آستانہ کس کام کا جس کا دروازہ کبھی بند ہو جائے۔ ہم تو ایسے بڑے آستانہ پر سر جھکاتے ہیں جس کا باب فیض ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔

(۳) ”بت“ معشوق ”آئینہ سیما“ حسن معشوق کی صفت صاف عکس پذیر مصنوع صانع کی اور مخلوق خالق کی دلیل ہے۔ مخلوق میں خالق کی خالقیت کا پر تو ہوتا ہے اور ہر مخلوق کی ہدایت خلقت عین صفت خالق ہے۔ شعر میں تحنا طرب معشوق حقیقی سے ہے جو خالق و صانع حسن مجاز بھی ہے۔ صفت آئینہ سیما سے مطلب اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے یعنی اسے جانِ جہاں، دُنیا بھر کے حسینوں کو تیری بے مثلی و فردانیت حسن کا اعتراف ہے (یعنی سب میں تیرا ہی عکس نظر آتا ہے) اور دُنیا کا کوئی حسین تیرا دمق قابل

نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سب کے حسن میں صرف تیرا ہی جمال
پر تو فگن ہے اور یہی انعکاس تیرے دعوے بیکتا کی
مقبولیت عامہ ہے۔

(۴) "نارزش" فقرہ متوالی آنکھوں کو لفظ بیمار سے متصف کرتے
ہیں۔ شاعر نے بیمار کی عشق و بیماری حسن کو لفظ ہم ردیف
کر کے ایک بات نکالی ہے۔

(۵) پانی کا قطرہ اگر دریا میں مل جاتے تو دریا ہو جاتا ہے اور
اگر خاک پر گرتا ہے تو اپنی ہستی کھو کر صرف ایک سرسری
لشان چھوڑ دیتا ہے۔ استاد نے نالہ کو بھی اسی مثال سے
تمثیل کیا ہے یعنی جو نالے روک لئے جاتے ہیں اور کھینچے
نہیں جاتے وہ کوئی اثر پیدا نہیں کرتے سوائے اس کے کہ
دل پر داغ ڈال دیں۔

(۶) داستان امیر حمزہ واقعیت نہیں رکھتی اس لئے اس کے
رزم بزم اثر سے خالی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عشق ایسی جھوٹی
کہانی نہیں کہ اس کے المناک واقعات زلزلہ دیں۔

(۷) "نام کا میرے ہے" یعنی میری قیمت میں ہے۔ "کام میں میرے
ہے" یعنی میرے درپے ہے۔

(۸) "دجلہ" عراق کے ایک دریا کا نام ہے۔ لیکن یہاں اس کا ذکر کی طرح
استعمال ہوا ہے۔ مصرعہ اولیٰ میں استفہام انکاری ہے
اور اس قسم کا استفہام تاکید و ثبات کے لئے استعمال کرتے
ہیں۔ ہر قطرہ دریا سے اور جزو اپنے کل سے لیدت رکھتا ہے۔

اس طرح ہر قطرہ دریا کے لئے اور ہر جزو اپنے کل کے لئے مقیاس
ہوتا ہے یا ہر قطرہ منظر دریا اور ہر جزو منظر کل ہوا کرتا ہے۔
اسی حقیقت پر تاکید کرتے ہوئے شعر میں مسئلہ وحدت الوجود
کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اس کی توضیح اس سے پہلے والی
غزل کے ایک شعر میں اس طرح ہو چکی (دل ہر قطرہ ہے ساز
انا بھر ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا)

اسد ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سُر پاپا | ا کہ ہے سر نیچہ مٹر گان آہو کشت خارا پنا

۱) یہ شعر رعایات لفظی۔ تشبیہات اور مبالغوں سے سنا انداز
ہو گیا ہے۔ خیال کچھ ادق اور عالی نہیں۔ ”جولانی“ و ”آہو“ گدا
”کشت خارا“ سر نیچہ ”بے سرو پاپا“ لفظی تلازمات و رعایات ہیں
”نیچہ مٹر گان“ اور خارا میں تشبیہ ہے۔ ”جنوں جولاں“ و ”کشت خرام
دیوانہ وار دوڑنے والا“ گدا ”فقیر بے خانماں“ بے ٹھکانے
”کشت خارا“ ایک خاص قسم کی ایک پایہ کی کشت ہوتی ہے
جس کو اکثر فقرا اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور چلتے چلتے اگر کہیں
دم بھر کو بیٹھنا چاہتے ہیں تو اُس کے سہارے بیٹھ جاتے ہیں
”بے سرو پا“ بے ٹھکانے یعنی چلے جا رہے ہیں اور پھرنے
مقام کرنے یا منزل سے بے خبر و بے غرض ہیں۔ دوسرا
پورا مصرعہ۔ ایک مبالغہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم گدا یا ان عشق
بلا قیام و آرام دیوانہ و ارا لیے تیز چلے جا رہے ہیں کہ ہرن جو
چو کڑیاں بھرتے ہیں اُن کی نگاہیں بھی ہماری رفتار تک
نہیں پہنچتیں اور ایسے تیز رُو جانور کی پلکیں ہمارے لئے

پشتِ خار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہیں گویا اُن کی نگاہوں کی
رفتار ہمارے ٹھہرنے کے برابر ہے۔

- پے نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسانی کا (۱)
بنوں غلطیدہ صدرِ رنگِ دعویٰ پارسانی کا
- نہ ہو حسنِ تماشا دوستِ رسوائے وفا کی کا (۲)
بہ ہر صدِ نظر ثابت ہے دعویٰ پارسانی کا
- زکوٰۃ حق دے لے جلوہٴ بینش کہ ہر آسا (۳)
چراغِ حسانہٴ درویش کا سہ ہو گدائی کا
- نہ مارا جان کر بے جرم، قاتلِ تیری گردن پر (۴)
رہا مانسہٴ خون بے گنہ حقِ آشنائی کا
- تمنا سے زباںِ محوِ سپاس بے زبانی ہے (۵)
مٹا جس سے تقاضا شکوہ بے دست و پائی کا
- وہی اک بات ہے جو یانِ نفسِ داں نکستِ گل ہے (۶)
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا
- دہانِ ہر بہت پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی (۷)
عدمِ تک بیوفا چرچا ہے تیری بے وفا کی کا
- نہ دے نامے کو اتنا طولی غالبِ مختصر لکھ دے (۸)
کہ حسرتِ شیخ ہوں عرضِ ستمنا سے جدائی کا

(۱) ”پے“ برائے ”کرم“ رحمتِ الہی ”شرم“ شرمندگی
”نارسانی“ محرومیِ ناکامی ”بنوں غلطیدہ“ مراد تو صرف خونِ شہ
ہے لیکن ”دعویٰ“ کو حیثیت دینے اور وجودِ خارجی کی طرح

بیان کرنے کی وجہ سے بخون غلطیدہ کہا گیا ہے "صدر رنگ" سیکڑوں طرح سے ہزاروں طریقوں سے مطلب ہے کہ میں بارگاہِ رحمتِ الہی میں نذر گزارنے کے لئے اُس دعویٰ پر ہیز گاری کی شہر مندرگی لے کر جاتا ہوں جس کا ہزاروں طریقوں سے خون ہوا ہے اور رنگ کے معنی شوق کے بھی آتے ہیں اس لئے یہاں رنگ و شوق سے مراد رندی و سببہ کاری بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں بھی مطلب یہی ہوگا کہ وہ دعوتے پار سائی جس کا سیکڑوں سببہ کاریوں نے خون کر دیا ہے بارگاہِ رحمت میں نذر کرنے کے واسطے لئے جاتا ہوں۔

(۲) "حسن" محبوب "تماشا دوست" تماشا پسند یا خود نما۔ "رسوا" مشہور یا مشہور بہ ذم یا بدنام بہ تعلقات رقیب۔ مہر و نظریں تشبیہ ہے۔ "صدر نظر" سیکڑوں نظریں اور ہزاروں نگاہیں یعنی وہ حسن خود نما اپنے عاشق سے بیوقوفائی کرنے میں رسوا کیوں ہو اُس کی خود نمائی اور عالم آشنائی سے جس قدر نگاہیں اُس پر پڑتی ہیں ہمارے نزدیک تو ہر نظر اُس کے دعوتے پار سائی پر گویا مہر ہوتی ہے۔

(۳) "جلوۂ بینش" مرکز عقل و فکر، معشوق حقیقی سے خطاب و سوال ہے۔ "مہر آسا" آفتاب کی طرح۔ "کاسہ دل" سے استعارہ ہے۔ نزکات و درویش رعایات ہیں۔ مطلب ہے کہ اسے نظر گاہِ اہل بصیرت اگر تو اپنا پر۔ تو نور و جمال فیضانِ آفتاب

کی طرح دل پر زکات حسن سمجھ کر ڈال دے تو یہ کاسۂ درویشان
عشق (دل) ظلمت خانۂ انسانیت کے لئے چراغ الوار قدس
ہو کر سارے گھر کو روشن و منور کر دے !

(۳۴) ”آشنائی“ عشق و محبت۔ یعنی تو نے ہم کو مجرم اُلقت
کیونکہ عشاق عدالت حسن میں مجرم ہی گردانے جایا کرتے ہیں
نہ جان کر قتل نہ کیا اور حق دوستی اسی طرح تیری گردن پر
رہ گیا جس طرح خون بے گناہ۔

(۳۵) ”سپاس“ تعریف۔ بے دست و پائی۔ مجبوری۔ یعنی بے
زبانی کے سبب شکوۂ مجبوری کا تقاضا باقی نہ رہا۔ اس لئے
گفتگو کی آگزد اس بے زبانی کی ثنا خواں ہے۔ جس کی وجہ سے
شکوۂ بے بسی کا تقاضہ مٹ گیا۔

(۳۶) ”نفس“ سانس۔ ریح۔ ”نکمت“ ہوا ریح ریح اور روح ایک ہی
مادہ کے الفاظ اور ہوا اور سانس ایک ہی حقیقت کی دو موجیں
ہیں۔ ”نکمت گل“ پھولوں میں بسی ہوئی ہوا۔ ”رنگیں لوائی“ شوقِ سخی۔
جس طرح پھولوں میں بس کر ہوا میں ریحانیت و لطافت پیدا
ہو جاتی ہے اسی طرح رونقِ چمن دیکھ کر روح مسرور ہوتی ہے
اور ریح کی کیفیت سرور سے اشتیاق لوائی پیدا ہونا اور
جذبات کی برائے گفتگی وغیرہ یقینی امور ہیں پھر علتِ ادولوں
کی ایک ہی ہے یعنی ہوا کی لطافت بھی پھولوں سے ماخوذ
ہوتی ہے اور روح کی مسرت بھی جلوۂ گل سے۔ اسی خیال کو
استاد نے اس شعر میں ادا کیا ہے۔ کہ بات ایک ہی ہے جن کے

اثرات مختلف ہیں۔

(۱) دہان دہن۔ منہ۔ دہن کی شکل حلقہ نما ہوتی ہے اور زنجیر بھی حلقوں سے بنتی ہے۔ پیغا رہ جوتی "طعنہ زنی حسینوں کے دہن کو شعرا کے یہاں معدوم کہا جاتا ہے اور اصطلاح عوام میں دوسرے جہاں کو عدم یا ناک عدم کہتے ہیں۔ اس شعر میں یہی لفظی رعایت ہے۔ مطلب ہے کہ لے لے بے وفا تیری بے وفائی کا چرچا اس جہان سے لے کر اس جہان تک ہے کیونکہ سارے حسین تجھ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ گویا حسینوں کی لب کشائی سے حلقہ دہان کی ایک زنجیر سوائی بن گئی ہے جس کا سلسلہ عدم سے ملتا ہے۔

گر نہ اندوہ شب و فرقت بیاں ہو جائے گا
(۱) بے تکلف داغِ مہر دہاں ہو جائے گا

(۲) زہرہ گر ایسا ہی شام بھر میں ہوتا ہے آب
پر تو مہتاب سیلِ خائماں ہو جائے گا
دل کو ہم صرف وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذیر امتحان ہو جائے گا

(۳) سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
(۴) مجھ پہ گویا اک زمانہ ہریاں ہو جائے گا
گر نگاہ گرم فرماتی رہی، تسلیم ضبط
شعلہ خس میں جیسے، خونِ رگ میں نہاں ہو جائے گا

(۵) (۶) باغ میں بچکوتہ لے جاو رتہ میرے حال پر

ہر گل تر ایک چشمِ خونِ نقشاں ہو جائے گا
فائدہ کیا، سوچ آخر تو بھی داتا ہے اسد
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا (۷)

(۱) "اندوہ" رنج و غم۔ اس شبِ فرقت کے اندوہ کی جانب اشارہ ہے جو شبِ ماہ بھی تھی اور اہل شوق و شعرا کے یہاں شبِ ماہ محرکات جذبات میں سے ہے مطلب ہے کہ اگر اس شبِ ہجر کا سوز و غم بیان ہو سکے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ چاند کا داغ ہر دہن ہو گیا ہے۔

(۲) "زہرہ آب ہونا" پتھا پانی ہونا جس کا مطلب ہے خوف و دہشت سے عرق عرق ہونا۔ یہاں شاعر نے لفظ "آب" میں سیل کی رعایت ملحوظ رکھی ہے۔ نیز آب اور پر تو مہتاب میں تشبیہ بھی ہے یعنی شام ہجر اگر ایسی بلائے بد ہے کہ زہرہ آب ہوتا ہے تو یقیناً (چاندنی) خانماں عاشق کے لئے سیلاب بن جائیگی۔

(۳) "صرف وفا" یعنی جو وفاداری کی تمام حمات کے لئے کافی ہو۔ مطلب ہے کہ دل کو تو ہم تمام عمر کی عشق بازی کے لئے کافی سمجھتے تھے لیکن یہ نہ معلوم تھا کہ ایک ہی امتحانِ عشق میں جاتا رہے گا۔

(۴) یعنی سارے زمانہ کے دل میں تیری محبت ہے تو اگر مجھ سے خوش ہو جائے تو ہر شخص مجھ پر مہربان ہو جائیگا۔ کیونکہ جب میں تیری رضا کا جزو بن جاؤں گا تو تیرے عام

رضا جو میری بھی رضا جوئی کریں گے۔

(۵) ”لگاہ گرم“ غصہ کی نظر ”شعلہ و گرم“ میں خاصیت کی رعایت سے ”خوں و شعلہ“ میں تشبیہ ہے ”خس“ تنکھا۔ تنکے میں اشتعال و آتشین مادہ پنہاں ہوتا ہے مطلب ہے کہ اگر آپ کی نظر عتاب اشارہ و تاکید ضبط کرتی رہی اور خونابہ قشانی سے روکتی رہی تو یہ خون جو آنکھوں سے بہتا ہے رگوں میں اس طرح پنہاں ہو جائے گا جس طرح تنکے میں شعلہ۔ اور کبھی نہ کبھی جسم کو پھونک دے گا۔

(۶) ”چشم و گل“ رنگ گل اور خون میں تشبیہات ہیں۔

۱	درد منت کش دوانہ ہوا	۱	میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
۲	جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو	۲	اک تم شاہ ہوا گلانا نہ ہوا
۳	ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں	۳	تو ہی جب خجبر آزمانہ ہوا
۴	کتے شہس ہیں تیرے لب کہ رقیب	۴	گالیاں کھا کے بے مزانہ ہوا
۵	ہے خبر گرم آن کے آنے کی	۵	آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا
۶	کیا وہ غرود کی خدا تی تھی	۶	بندگی میں سرا بھلا نہ ہوا
۷	جان دی دی ہوئی اسی کی تھی	۷	حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
۸	زخم گردب گیا لہو نہ تھما	۸	کام گر رک گیا روانہ ہوا
۹	رہزنی ہے کہ دل ستانی ہے	۹	لے کے دل دلتاں روانہ ہوا

کچھ تو پرستے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سرا نہ ہوا

۱۰

(۱۱) ”درد عشق“ ”عشق“ ”منت کش“ احسان پذیر احسان مند

میں نہ اچھا ہوا یعنی میں درو الفنت سے شفا یاب نہ ہوا بُرا نہ ہوا
یعنی اچھا ہوا کہ احسانِ دو اندہ اٹھایا "شعر صاف ہے بیباختہ
ہے۔ رواں ہے اور فوقِ شاعرانہ سے پڑے۔

(۲) میرے شکوہ و شکایات کے لئے اختیار کو کیوں جمع کرتے
ہو۔ گلہ کوئی تماشا تو سے نہیں کہ مجمع کے سامنے ہو۔

(۳) "خجر آزما" تلوار کو آزمانے والا۔ یعنی جانِ ستاں۔ مطلب ہے
کہ پھر ہم اپنی قسمت و فائز مانے کہاں جائیں۔ جو کہ تجھ جیسا
قابلِ خجر آزمائی میں ہمارا امتحانِ وفا نہیں لیتا۔

(۴) اوصافِ محبوبیت میں سے شیریں لہجی بھی ایک مسلم وصف
ہے۔ "بے مزہ" بڑل۔ بروا سستہ خاطر۔ "مزہ اور شیریں"
میں رعایت ہے۔ مطلب ہے۔ تیرے لب کس قدر شیریں
ہیں۔ کہ گالیوں اور تلخ کلامیوں سے رقیب ذرا بھی افسردہ
خاطر نہ ہوا۔

(۵) اتنا بے سرو سامانی کا اظہار ہے۔ اور عشاق ایسے
ہی بے سرو سامان ہوتے بھی ہیں۔

(۶) "نمرد" خدائے باطل۔ یعنی میں باوجود فرمانبرداری اس بت
کی بارگاہ سے فیض یاب و متمتع نہ ہوا تو اس کی خدائی بھی نمرد
کی سی خدائی تھی۔

(۷) حق و فرض دو لازم و ملزوم خصوصیتیں ہیں۔ فرض سے
حق قائم ہوتا ہے اور حق سے فرض آتا ہے۔ یہاں پہلا لفظ حق
پتھے کے معنی میں اور دو سرا فرض کے لازمہ میں استعمال

ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اگر ہم نے خدا کی راہ میں جان بھی دیدی
پھر بھی ہم سے پورا فرض ادا نہ ہوا۔ کیونکہ جان تو انہی کی دی
ہوئی تھی ہے۔ اور کسی کی امانت واپس کر دینا یقیناً کوئی ذاتی
امور نہیں ہے۔

(۸) کام وزخم کے رکنے دہنے کا تقابل کر کے لفظی رعایت سے
کام لیا ہے یعنی کام ترک جانے سے تو حاجت روائی ہوتی نہیں
زخم دہنے سے خون رواں ہو جاتا ہے۔

(۹) "دل ستانی" دل لینا۔ مطلب ہے کہ وہ دل لے کے چپکے
سے چلتے ہوئے "تو محبت کوئی رہزنی تو بھی نہیں۔ چاہئے تھا
کہ دل بیکرداری اور دلہنی سے کام لیتے۔

۱	گھر میں مجھ ہوا اضطراب دریا کا	۱	گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی بجا کا
۲	مگر ستم زدہ ہیں ذوق خامہ فرساکا	۲	یہ جانتا ہوں کہ تو اور پامخ مکتوب
۳	وہ ام کلثت خاطر ہے پیش و نیا کا	۳	حنا سے پائے نزاں ہے، بہار اگر ہے پی
۴	بجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بجا کا	۴	غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو
۵	کرے ہے ہرین مو کام چشم بینا کا	۵	ہنوز مخرمی حسن کو ترستا ہوں
۶	ہیں دماغ کہاں حسن کے نقاضا کا	۶	دل اس کو پہلے ہی ناز و اداسے دیکھتے
۷	مری نگاہ میں ہے جمع خراج دریا کا	۷	نہ کہہ کہ یہ ہفتار حسرت دل ہے

نکاس کو دیکھ کے گرتا ہوں اسکی یاد آتا۔

جفا میں اس کی ہے انداز کار فرما کا

۸

(۱) "اضطراب دریا" تلاطم و توج۔ جس طرح موتی میں پانی کا تلاطم
باقی نہیں ہوتا بلکہ وہ منجمد ہوتا ہے۔ اسی طرح دل میں جو شش

شوق کے لئے وسعت کافی نہیں (اور شوق کا تقاضا ہے کہ
دونوں جہان کو گھیر لے)

(۲) پاسخ "جواب" تکتوب "نقطہ" فوقی خامہ فرسا "تحریر پر
مجبور کرنے والا شوق یعنی یہ تو جانتا ہوں کہ نقطہ کا جواب
کیوں دینے لگا۔ لیکن شوقی تحریر کا مجھ پر یہ ستم ہے کہ پیشتر
تو قریع جواب مجبوراً خط لکھتا رہتا ہوں۔

(۳) یعنی بہار کا اگر کوئی وجود مان بھی لیا جائے تو عارضی وجود و
مانا جاسکتا ہے۔ جس طرح رنگ و خیر عارضی کو قیام و دوام
نہیں بلکہ دوسرے جواہر پر عارض و فانی ہوتے رہتے ہیں اسی
مٹ جاتے ہیں۔ بہار کی مثال بھی یہی ہے کہ وہ گویا جو ہر خزاں
پریشل رنگ، حنا عارض ہو جانے والی چیز ہے۔ اور یہی حال
عیش و نسیا کا ہے کہ وہ کبھی کبھی برائے چند سے کلفت خاطر
پر عارض ہو جاتا ہے۔

(۴) "مجھے دماغ نہیں" مجھ میں تاب و طاقت نہیں "خندہ ہاتھ
بیجا" ہے و چراور بے وقت کی ہنسی۔ یہاں خندہ ہاتھ کی طرف اشارہ
ہے۔ یعنی غم فراق سے ہم میں سیرگل کی طاقت نہیں۔

(۵) "محبوبی" واقفیت یا قربت "ہر بن میو کا چشم بینا ہونا" یعنی
ہمہ تن چشم شوق و تجسس بن جانا مطلب ہے باریجو کہ میں ہر بن
چشم شوق و تجسس ہو گیا ہوں۔ لیکن ہنوز حقیقت حسن کی
واقفیت یا قربت یا معرفت میسر نہیں۔

(۶) ہم نے پہلے ہی تقاضہ میں ناز و ادا کو دل سے دیا کیونکہ

یہاں زیادہ تقاضوں کی برواشت نہ تھی۔

رہے) گریہ کا طبع حسرتِ دل کو قرار دیا ہے اور اس کی مقدار کی جانب لفظ ”دریا“ سے اشارہ کیا ہے۔ مطلب ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ گریہ سے دل کی حسرت پوری ہوگی۔ کیونکہ تقاضائے حسرت تو گریہ دریا بار کے لئے تھا۔

(۸) کارِ خیرا ”معشوق ستم پیشہ۔“

۱	قطرہ سے بسکہ حسرت سے نفس پرورد	۱	خطِ جامِ مے سرا سرِ رشتہ کو سر ہوا
۲	انتہا پر عشق کی خانہ خرابی و کھجست	۲	غیر سے کی آہ، لیکن وہ خفا بجھ پر ہوا

(۱) اس مطلع میں خیال ہے دقیق۔ مگر وہ کثرتِ دکاہ برآوردن یعنی لطفِ زیادہ نہیں۔ قطرہ ٹپکنے میں بے اختیار ہے۔ بقدر ایک درجہ بہ ہم زون ثبات قرار ہے۔ حسرت ازالہ حرکت کرتی ہے۔ قطرہ سے افراطِ حسرت سے ٹپکنا بھول گیا۔ برابر برابر ہونہیں جو ختم کر رہ گئیں تو پیالی کا خط بصورتِ اُنں تا گئے سکھ رہ گیا۔ جس میں موتی پروئے ہوں؟ (ماخوذ از مکتوب غالب موسوم قاضی عبدالجلیل صاحب جیل بریلوی)

(۲) ان کو اعتبار ہے کہ سوائے میر سے کوئی عاشق نہیں۔ اس لئے کہ میں ہی نالہ و آہ کیا کرتا تھا۔ لیکن اس اعتبار کی خانہ بربادی دیکھئے کہ اگر غیر نے بھی اتفاقاً کبھی آہ کر دی تو وہ مجھ پر خفا ہوئے۔

۱	چند تقریباً سفرِ یار سے تحمل باندھا	۱	پیشِ شوق سے مرفورہ پہ اک دل باندھا
۲	اہلِ پیش نے بہ حسرت کردہ شوخی نازا	۲	جو ہر آنیسہ کو ملو ملو ملو باندھا

یاس و امیں نے ایک عربہ میاں مانگا ۲	عجرت نے طلسم دل بسمل بانڈھا
نہ بندھے تشنگی شوق کے مضمون غالب ۳	گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل پارھا

(۱) مصرعہ اول صاف ہے۔ مصرعہ ثانی سے یا تو یہ مراد ہے کہ
پرتو حسن سے ہر ایک ذرہ جگمگا اٹھا اور چونکہ ذروں میں یہ چمک
تاب جمال پار کی تھی اس لئے ذرہ ولساں ہو گیا یا یہ کہ ذرہ ذرہ
میں شوقِ نظارہ جمال اس طرح معمور تھا۔ گویا ہر ذرہ ایک
دل پر ذوق تھا۔

(۲) اہل بیت "اہل نظر" حیرت کردہ "مقام حیرت یا عالم حیرت
آفریں۔ حیرت و آئینہ میں رعایت ہے۔ اور لفظ حیرت و
بسمل میں تقابل۔ "جوہر" آئینہ ٹوٹا دین میں ہو یا تلوار وغیرہ پر
اس تاب کو کہتے ہیں جو چمک اور جھلکا ہٹ سے ٹکا ہوں
میں اس قسم کی خیرگی پیدا کر دیتی ہے اور یہ نقوش متحرک نظر آتے
ہیں اور اسی متحرک انعکاس سے بسمل بہت لطیف
تشبیہ ہے۔ اور چونکہ جوہر کچھ سبزی مائل نظر آیا کرتا ہے۔
اس لئے اس سبزی کو شعر کے یہاں طوطی سے تشبیہ دیتے ہیں
پس یہ سبزی جوہر جوہر کا اس متحرک شاعرانہ زبان میں طوطی
بسمل ہے۔ مطلب ہے کہ اہل نظر شوقی ناز کے عالم حیرت
میں جوہر آئینہ کو طوطی بسمل شمار کرتے ہیں گویا آئینہ بھی اس کے
جلوہ کا شہید ہے۔

(۳) "عربہ" لڑائی طلسم جا دو یا نجوم کے عجائبات و اسرار سے
تیار کیا ہوا مکان جس میں فریب نظر و خیال کے سوا کوئی

سو بھتی بھتیں اور اب کچھ نہیں ہو سکتا۔		
گھر ہمارا جو نہ روئے بھی تو دیران ہوتا	۱	بھگر کر بھر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا
تنگی دل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے	۲	کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
بعد یک عمر دروغ بار تو دیتا ہمارے	۳	کاش رضواں ہی دیر کا دیاں ہوتا
<p>(۱) اپنے اس گھر کو جس میں گریہ ہوتا رہتا ہے۔ معرض طوفان میں بیان کر کے بحر سے تشبیہ دیتے ہوئے دوسرا نتیجہ ظاہر کیا ہے یعنی جس طرح دریا کی جگہ اگر دریا نہ ہوتا تو دیرانی ہوتی اسی طرح ہمارے گھر میں کوئی نہ کوئی بربادی ضرور ہوتی رہنا نہ ہوتا کوئی اور آفت ہوتی۔</p> <p>(۲) "تنگی دل" عکسینی لال۔ تنگ و پریشان کے لغوی معنی متضاد ہیں۔ لیکن دل کے ساتھ دونوں مترادف ہو جاتے ہیں۔ مطلب ہے کہ کینخت دل ایسی بڑی چیز ہے کہ ہر حال میں عکسینی نقیبی معنی۔ یعنی اگر دل تنگ نہ ہو تو پریشان ہوتا۔</p> <p>(۳) "دروغ" شہادت گزاری و تقویٰ۔ "رضوان" ذربان حجت یعنی کاش تیرے آستانہ کا دربان رضوان ہی ہوتا جو ایک عمر کی پرستش کے بعد تیری بزم میں پہنچنے کی اجازت دے دیتا۔</p>		
نہ تھا کچھ تو خارا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا	۱	ڈوبو یا جگو ہوئے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
ہو واجب غم سے یوں بجیں تو غم کیا سر کٹنے کا	۲	نہ ہوتا اگر جراتن سے تو زانو پر دہرا ہوتا
<p>ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے</p> <p>وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا</p>		۳

(۱) ”جب کچھ نہ تھا۔“ جب یہ عالم کثرت و تعینات نہ تھا تو صرف ذات الہی تھی۔ اسی طرح اگر یہ کثرت و تشخصات نہ ہوتے تو محض ذات محبت ہوتی۔ پس مجھ کو میرے وجود نے مبراہ ذات سے بھید کر دیا۔ اگر یہ میرا وجود مشخصہ نہ ہوتا تو میں عین ذات ہوتا۔

(۲) غم سے دماغ ایسا بے حس ہو گیا تھا کہ غم کا بھی احساس باقی نہ رہا تھا۔ پھر ایسے سر کے کٹنے کا غم ہی کیا اگر تن سے جدا نہ ہوتا تو زانو پر دھرا ہوتا۔

(۳) یعنی افسوس مدت ہوئی کہ غالب مر گیا لیکن اس کی یہ بات کس قدر یاد آتی ہے کہ ہر بات پر ارمان و تمنا سے کہا کرتا تھا کہ بچوں ہوتا تو کیا ہوتا۔ یعنی یوں ہوتا تو کیسا لطیف ہوتا۔ ایسا ہوتا تو کیسے مزے کی بات تھی۔ یا آپ میرے گھر آتے تو کیسی اچھی بات تھی۔ یا آپ مجھ سے وفا و محبت کرتے تو کیا کہنا تھا (الی غیر النہایت)

۱	ایک ڈرہ زمیں نہیں بے کار باغ کا	۱	یاں جادہ بھی فنیلہ ہے لالے کے داغ کا
۲	بے سے کسے ہے طاقت آشوب آگ کی	۲	کھینچا ہے عجز و وصلہ نے خط ایلاغ کا
۳	بیل کے کار و بار پہ ہیں خندہ طے گل	۳	کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے باغ کا
۴	تازہ نہیں ہے نشہ فسر سخن مجھے	۴	قریباً کئے قدیم ہوں درد چراغ کا
۵	سو بار بن یہ عشق سے آزاد ہم ہوئے	۵	پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا
۶	بے خون دل ہے چشم میں موج جگر غبار	۶	یہ میکہ خراب ہے سے کے سراغ کا

(۱) ”جادہ“ خط راہ ”فنیلہ“ بتی۔ ”داغ“ چراغ سے استعارہ ہے۔

چراغ کے شعلہ اور لالہ میں قتیلہ اور جاوہ میں تشبیہات ہیں یعنی زمین چمن کی ہر چیز مناسب رکھتی ہے جتنے کہ خط راہ (جو پھولوں سے خالی ہوتا ہے) یہی قتیلہ چراغ لالہ کے مثل سے۔

(۳) ”آگنی“ عقل و ہوش۔ ”خط کھینچنا“ کاٹ دینا۔ ”عجز حوصلہ“ ضعف ہمت۔ ”خط کھینچنا“ یعنی کاٹ دینا، غلط کر دینا اور خارج کر دینا۔ ایسا۔ جام سے یعنی بغیر شراب کے مجھ میں تکلیفات عقل و ہوش برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ اور اسی سے حوصلگی کی وجہ سے میں بادہ کشی کرتا ہوں۔ تو گویا اس عجز ہمت نے (کہ بغیر مے کے تکلیفات عقل برداشت نہیں ہوتیں) فسادات عقل پر خط ایسا کھینچ دیا ہے۔

(۴) ”کار و بار“ مراداً حرکات و سکنات۔ یعنی بلب کی حرکتوں کی پھول ہنسی اڑاتے ہیں گویا عشق دیوانگی ہے کہ نسخہ کیا جاتا ہے۔ یاد دیوانگی عشق ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ خود اپنے ہی ”مٹھکے“ کے لئے آنکھوں کو پھول بنا دیتی ہے۔

(۵) ”ترباک“ کاجل۔ ”دو۔ دھواں۔“ مطلب صرف

یہ ہے کہ میری مشق سخن بہت دیرینہ ہے۔

(۶) یعنی دل ہمیشہ مبتلائے عشق ہوتا رہتا ہے اور فنا و طبیعت ہی کچھ ایسی ہے۔

(۷) ”میکرہ“ استعارہ چشم۔ ”مے“ تشبیہ و استعارہ خون دل ”سراغ“ پتہ نشان۔ یعنی جس طرح جستجوئے شراب میں خالی میکہ میں

خاک سی اڑتی رہتی ہے اسی طرح بغیر خوشنشانے حسرت کے
میری موج نگاہ غبار آلود ہوتی ہے۔

۱	راز مکتوب بہ لبہ ربطی عیناں سمجھا	۱	وہ مری چین چین سے غم نہاں سمجھا
۲	چاکس کرتا ہوں میں جوتے کہ گہریاں سمجھا	۲	یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز
۳	استقرار تنگ ہوا دل کہیں نداں سمجھا	۳	شرح اسباب گرفتاری خاطر دست پہ چھو
۴	نوح پہ ہر قطرہ عرق دیدار حیراں سمجھا	۴	بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرم خرام
۵	ہنہن خس سے تپش شعلہ سوزاں سمجھا	۵	پھر سے اپنے یہ جانا کہ وہ بد خو ہو گا
۶	ہر قدم سائے کو میں اپنے شبستاں سمجھا	۶	سفر عشق میں کی ضد وقت راحت طلبی
۷	رفع پیکان قضا اس قدر آساں سمجھا	۷	تھا گریزاں مژدہ یار سے دل تا دم حرکت

دل دیا جان کے کیوں ہو کو فنا دار اتنا

غافل کی کہ جو کا فسر کو مسلمان سمجھا

(۱) ”لبہ ربطی“ ابتری ”عیناں“ سرنامہ۔ ”بہ ربطی“ سے چین چین کا استعارہ کیا ہے اور مکتوب سے دل کا۔ عیناں سے پیشانی کا۔ مطلب صاف ہے کہ اس نے میری چین چین سے میری پریشانی خاطر کا اندازہ لگا لیا۔

(۲) گہریاں سے مراد علائق دنیوی۔ آئینہ دل کا استعارہ ہے یعنی علائق دنیوی کے ترک کر دینے پر بھی کامل عفا سے قلب متاثر نہیں اور جیسے قلب ایک الف سے زیادہ نہیں یعنی بالکل ہی ابتلا ہے۔ نیز (الف) سے گہریاں کی تشبیہ بھی مقصود ہے۔

(۳) ”شرح“ تفصیل یعنی اسباب گرفتاری کی تفصیل کیا پوچھتے ہو۔

دل اس قدر تنگ ہو گیا کہ اس کی تنگی کو میں تنگی زنداں سمجھا۔
یا دل کی تنگی سے معلوم ہوا کہ میں زندانی عشق ہوں۔ اور یہی
اسباب گرفتاری کی تفصیل ہے۔

(۴) ”سرگرم“ مصروف۔ ”عرق“ پسینہ۔ یعنی بدگمانی سے یہ
گوارا نہ ہوا کہ وہ مصروف آمد و رفت رہیں اور اسی بدگمانی سے انکے
چہرہ کا ہر قطرہ عرق چشم غیر منکس ہو تا تھا اور گویا اغیار کی نگاہیں
ان پر پڑی ہیں اور شرم سے ان کو پسینہ آگیا ہے ورنہ آٹھا لیکہ
وہاں نزاکت سے آمد و رفت کی مشقت عرق ریزی تھی۔

(۵) ”بجھڑ“ ضعف۔ کم ہمتی۔ ”پدخ“ پیٹن مزاج۔ ”خس“ تنکا۔ ”بھینس“
محض مزاج اور پیش کی رعایت سے لائے ہیں۔ مطلب یہ ہے۔
کہ میری ضعیف انجیالی اور کم ہمتی تھی کہ اس کو آتش مزاج سمجھ
لیا اور اس کی شعلہ خونی کی جو میری ضعیف انجیالی سے پیدا
ہوئی مثال ایسی ہے کہ یہاں شعلہ تنگی سے پیدا ہوا۔

(۶) ”شبستان آنا مگاہ“ یعنی سقر عشق میں مجھ کو ناتوانی نے
ایسا راحت طلب بنا دیا ہے کہ ہر ایک قہر پر اپنے سایہ کو
شبستان سمجھتا ہوں۔

(۷) ”مرتے دم تک“ مرگاہن یار سے بچنا چاہتا تھا اور اس تیرقنا
کو خطا کرنا آسان سمجھتا تھا لیکن نہ بچ سکا اور اسی کا نشانہ ہو کر
ہلاک ہوا۔

(۸) ”کافر“ بی وفا۔ ”مسلمان“ لفظی رعایت کے طور پر بعضی وفادار
استعمال ہوا۔

۱	پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا	دل، جس گشتِ فریاد آیا
۲	وہ لیا تھا قیامت نے ہنونا	پھر تر اوقتِ سفر یاد آیا
۳	سادگی ہائے تمنا یعنی	پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا
۴	عذروا مانندگی اسے حسرتِ نل	نالہ کرتا تھا جس گریہ یاد آیا
۵	زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی	کیوں تر راہ گزر یاد آیا
۶	کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی	گھر تر اخیلہ میں گریہ یاد آیا
۷	آہ وہ جراتِ فریاد کہساں	دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا
۸	پھرتے کو پچھے کو جاتا ہے خیال	دل گم گشتِ نگر یاد آیا
۹	کوئی ویرانی سے ویرانی ہے	دشت کیو دیکھو کے گھر یاد آیا

۱۰ میں نے مجھوں پہ لڑپن میں اس قدر
سنگ اٹھایا تھا سر یاد آیا

(۱) یعنی دل و جگر کی تشنگی فریاد نے مجھے پشیم اشکِ نشان
کی یاد دہانی کی۔

(۲) یعنی تیری جدائی کا اضطراب کم نہ ہونے پایا تھا کہ وقتِ جدائی
کی یاد نے تازہ محشرِ ستاین بیکراہی بنا دیا۔

(۳) ”سادگی“ ناوانی مراد ہے ”نیرنگِ نظر“ سحر گاہ۔ جادو چشم
یعنی افسوس تمنا کی فریبِ خورگی تو دیکھو کہ پھر وہی پڑن یاد آ
رہا ہے۔

(۴) ”واماندگی“ مجبوری و بے بسی ”عذروا مانندگی“ کے بعد مجھے
ہے ”محذوف ہے“ یعنی اسے حسرتِ دل مجھے یہ عذر بے بسی
ہے کہ نالہ کرتے کرتے جگر کے شق ہو جانے کا خیال گزرا۔

(اور خاموش رہ گیا)

(۵) زندگی تو کسی نہ کسی طرح گزری جاتی ناحق تیرے رہ گزر کے

شوق نے سرِ راہ (ٹھوکر دیا میں) لاکر ڈال دیا۔

(۶) اپنی رضوان سے تیرے گھر کی تعریف کروں گا وہ فرود میں

بریں کی قصیدہ خوانیاں کرے گا یا وہ جنت میں رکھا جائے گا

اور میں تیرے گھر کی راہ لوں گا۔ بہر حال اگر تیرا گھر یاد آیا جنت

میں رضوان سے لڑائی ہوگی۔

(۷) یعنی ہائے وہ جرات فریاد کہاں جو جگر گدازی سے قبل تھی۔

اب دل سے باپوس ہو کر جگر کو یاد کرتا ہوں۔ چونکہ اُس وقت

تک کہ جگر شک نہ ہوا تھا فریاد کی پوری طاقت موجود تھی۔

(۸) دل تو تیرے ہی کوچہ میں گم ہو چکا ہے اب جو تیرے

کوچہ کا خیال آ رہا ہے شاید یہ دل کی یاد ہے۔

(۹) یعنی جنگل کی ویرانی دیکھ کر اپنا گھر یاد آیا جس کی ویرانی

اس کی مماثل تھی۔

(۱۰) بھڑوں پر ہم نے لڑپن میں پتھر اٹھایا تھا کہ اپنے سر کا

خیال گذرا کہ یہی نوبت آئے۔ ہمیں ہمارے سر کی نہ ہو

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

(۱۱) آپ آتے تھے مگر کوئی عنان گیر بھی تھا

تم سے بے جا ہے مجھے ہٹی تباہی کا گلہ

(۱۲)

اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھیں

تو مجھے بھول گیا ہو تو پست بتا دوں (۱۳)

کبھی فتراک میں تیرے کوئی پنچیر بھی تھا

تبد میں ہے تیرے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہاں کچھ اک بیچ گرا انہار لی نہ پنچیر بھی تھا

(۴)

بجلی اک کو بر گئی آنکھیں کے آگے لو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنہ تقریر بھی تھا

(۵)

لو سفت اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو میں لایق تقریر بھی تھا

(۶)

دیکھ کر غصے کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا دسے طالب تاثیر بھی تھا

(۷)

پیشے میں خیب نہیں رکھئے نہ تر ہاؤ کو نام
ہم ہی آشفۃ مشعل میں وہ جواں میر بھی تھا

(۸)

ہم تھے مرے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اس شعر کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

(۹)

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدھی کوئی ہمارا دم تحسیر بھی تھا

(۱۰)

(۱) یعنی آپ کو جو آئے ہیں دیر ہوئی یقیناً کوئی روکنے والا بھی
ہو گا۔

(۲) آپ سے ناحق مجھے اپنی بربادی کا شکوہ ہے۔ میری
تباہی میں تو میری بد قسمتی کا حصہ شامل ہے
(۳) "فتراک" جس میں شرکار رکھتے ہیں پنچیر چھدا ہوا۔ یعنی جو
کبھی تیرے فتراک میں پنچیر تھا، میں وہی تو ہوں۔

(۴) "دیوانہ عشق" دیوانہ الفت مراد ہے۔ یعنی قیہ۔ میں بھی تیرے دیوانہ عشق کو تیری ہی زلفت کی یاد ہے۔ اور نہ تجیر کی انباری بھی صرف یوں محسوس ہوتی ہے کہ کہاں وہ زلف لطیف و مشکبو اور کہاں یہ وزن آہنی۔

(۵) بجلی ایک کو ند گئی۔ یعنی نظر کے سامنے آتے ہی چھپ گئے۔ "لب تشنه" طلب گار۔ مطلب ہے کہ تم نگاہ کے سامنے آتے ہی رو پوش ہو جاتے ہو۔ اس سے بھلا کیا تسکین قلب ہو سکتی ہے ذرا ٹھیرتے بات کر سکتے حال پوچھتے کیونکہ میں گفتگو کا طالب بھی تھا۔

(۶) "لایق تہنیر" قابل سزا۔ یعنی جمال یوسفی سے اس حسن مطلق کی تمثیل تو ہیں سہے۔ میں اس غلط تشبیہ کا مجرم ضرور تھا۔ (۷) یعنی غیر کو اس حال میں دیکھ کر کہ وہ نالہ کر رہا تھا اور کوئی تاثر نہ تھی، میرا کلیجہ کیوں ٹھنڈا نہ ہو کیونکہ میں اس کی اسی حالت غیر کا متحقی تھا۔

(۸) یعنی فریاد کا پیشہ سنگ تراشی سی۔ پیشہ میں عیب ہی کیا ہے وہ ہمارے گروہ عشاق میں شامل تھا۔ (۹) یعنی ہم تو ملنے کے لئے نہیں بلکہ مرنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ وہ نہ آیا۔ خیر لیکن کیا اس کے ترکش میں کوئی تیز بھی نہ تھا کہ وہیں سے چلا کے ہلاک کر دیتا۔

(۱۰) یعنی کراٹا کا تہین کے لکھنے پر عذاب و عقاب کا مارا کیوں ہے۔ دم تحریر ہمارا جانب ایر بھی تو ہونا ضروری تھا تاکہ

اُن کی تحریری مطلق العنانی اور افراط و تفریط کا اندازہ ہوتا۔

۱۔ لب خشک در شنگلی مرو گان کا	زیارت کدہ ہوں دل آزر دگان کا
۲۔ ہمہ نا اُمیدی ہمہ بدگمانی	میں دل ہوں فریب و فاقوردگان کا

(۱) اپنی ہستی سہرا یا الم کو پیاس کی شدت میں مرنے والے کے لب سے تمثیل کیا ہے اور ”مردگان“ کی رعایت سے دوسری تعبیر زیارت کدہ اہل درد سے کی ہے۔ یعنی میں اُن لوگوں کا لب خشک ہوں جو شدت پیاس سے جاں دے گئے ہوں اور ستائے ہوئے دلوں کا زیارت کدہ ہوں۔

(۲) ”فریب خوردگان“ دھوکا کھائے ہوئے۔ دھوکا کھاکر آدمی میں احتیاط زیادہ ہوتی ہے (ہمیں کاٹا ہے جب سے سانپ نے رستی سے ڈرتے ہیں) پس ایسا دل جو معشوق کے ظلم و ستم کو وفا سمجھنے کے بعد ہوشیار ہوا ہو بہت ہی باخبر۔ لیکن مایوس ہونا چاہیے۔ چنانچہ شاعر کا بھی مفہوم یہی ہے کہ اس دل کی طرح جو فریب و فاقہ کھا چکا ہے میں اب ہمہ تن نا اُمیدی و بدگمانی ہوں۔

۱۔ چھوڑا مہم خشک کی طرح درست قصانے	۱۔ خورشید ہنوز اُس کے برابر نہ ہوا تھا
۲۔ توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے	۲۔ آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر ہوا تھا
۳۔ جب تک کہ نہ دیکھا تھا قیدیار کا عالم	۳۔ میں معتقدِ فتنہ بخش نہ ہوا تھا
۴۔ میں سادہ دل آرزو گئی یار سے خوش ہوں	۴۔ یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا
۵۔ دریا سے مہما صی تنک آبی ہو خشک	۵۔ میرا سیر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

۶۔ جاری تھی آستِ رخ جگر سے مری تمثیل

	+ آتشکرہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا	
	<p>(۱) "تحصیل" حاصل و لفع کو کہتے ہیں یہ لفظ جاگیر کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ آتشکرہ جگہ سے استعارہ ہے سمندر اس کی طرح کہتے ہیں جو آگ میں پیلا ہوتا اور پردہ پوش پاتا ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ داغ ابھی اتنا نہ ہوا تھا کہ سارے جگہ پر مادی ہو جاتا۔ بلکہ ابھی کچھ کچھ خون بھی جگہ میں باقی تھا جو آنکھوں کی راہ نکلتا رہتا تھا اور یہ تحصیل آتشکرہ سے جاری تھی۔</p>	
	<p>مثبت کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا رشتہ ہر شمع خار کسوت فالوس تھا (۱) مشہور عاشق سے آگئی ہے جو کہ سوں تک حنا کس قدر یار ہلاک حسرت پالوس تھا (۲) حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو دل بدل پیوستہ گیا یک لب افسوس تھا (۳) کیا کہوں بیماری غم کی فراغت کا بیاں جو کہ کھایا خون دل بے منت کی موس تھا (۴)</p>	
	<p>را "ناموس" راز مجلس فروز "مخمل روشن کرنے والا روغن مخمل۔ انجمن آراء شمع کی رعایت سے مجلس فروز استعمال کیا گیا ہے۔ خلوت، تنہائی، رشتہ شمع، بتی۔ "کسوت" پیراہن جامہ۔ "خار کسوت" محاورہ فارسی میں بمعنی بے چینی استعمال ہوتا ہے۔ "فالوس" شمع دان۔ مطلب یہ ہے کہ رات</p>	

بزمِ راز میں اُن کے تاب و جمالِ حسن کا یہ عالم تھا کہ ہر رشتہ
شمعِ لباسِ فاؤس کے لئے گویا خارِ کسوت تھا یعنی اُن کی مجلس
فروزی سے شمعِ حسد میں جلتی تھی۔ اور اُن کے حسن و جمال کے
سامنے شمع کی روشنی ماتا رہتی۔

(۲) جس طرح مزارِ پرزگس کے پھل کھلا کر شعرا حسرتِ شکار
کا مہمّون بنا دیتے ہیں۔ اُسی طرح اُنستائے یہاں مہمّی
اُنکائی ہے۔

(۳) "خاموشی" نتیجہ "شکستِ آرزو" خونِ تمنا۔ پیوستگی لب
کی رعایت سے دل بدل پوشتہ کا استعارہ الفت کے لئے
استعمال ہوا ہے۔ مخاورہ ہیں بھی دل ملنا محبت کے معنی ہیں
آتا ہے۔ یعنی محبت کا نتیجہ سوا خونِ تمنا کے کچھ نہیں گیا دو
دلوں کا ملنا پیوستگی لبِ افسوس کے مشابہ ہے۔

(۴) "کیموس" جگر کے اس فعل پر ضم کو کہتے ہیں جس سے غذا خون
بنتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم غم کی آسانی کیا بیان کریں کہ
اس میں خونِ دل کھانا ہوتا تھا۔ اور جب خون ہی کی غذا ہوگی
تو ظاہر ہے کہ عملِ کیموس کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ یا اس
لئے کہ یہ غذا منہ سے نہیں کھائی جاتی بلکہ اندر ہی اندر
خون خشک ہوتا جاتا ہے، اس لئے خونِ دل کھانے میں کیموس
کا کیا احسان۔

آئینہ دیکھو، اپنا سا منہ لیکے رو گئے	۱	صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غور تھا
قاصد کو اپنے ہاتھ سے گریز نہ دیا	۲	اُس کی خطا نہیں ہے، یہ میرا قصور تھا

(۱) یعنی عشق کو یہ زعم و دعویٰ ہو گا کہ ہمارا دل کوئی نہیں لے سکتا
یا ہم کو کسی کا عشق نہیں ہو سکتا۔ آئینہ جو دیکھا تو دھوئے
باطل شرمندہ ہوئے۔ ہوش جاتے رہے۔ مشہور اپنے اوپر
آپ فریفتہ ہو گئے۔

(۲) اپنے ہاتھ اس کے اشارہ پر اقبال جرم پر تمام ہیں اس رشک
کا اظہار بھی ہے کہ وہ کسی اور کو اپنے ہاتھ سے کیوں قتل کریں
اُن کے ہاتھ سے قتل کے مستحق و مستوجب تو ہم ہی ہونے
چاہئیں۔

۱	عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا	۱	جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
۲	جاتا ہوں دل غمِ حسرت ہستی لئے ہوئے	۲	ہوں شمع کشتہ، ورنہ محفل نہیں رہا
۳	مرنے کی اسے دل اور ہی تدبیر کریں	۳	شایان دست و بازوئے قاتل نہیں رہا
۴	بروئے شش جہت در آئینہ باز ہے	۴	یاں امتیاز تافقہ و کمال نہیں رہا
۵	و اگر دیئے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن	۵	غیر از نگاہِ اب کوئی حائل نہیں رہا
۶	گو میں رہا، رہیں ستم اسے روزگار	۶	لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
۷	دل سے ہوائے کشت و فامنگی کے وال	۷	حاصل ہوائے حسرت حاصل نہیں رہا

بیداد عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

(۱) عرض "اظہار" ناز و نیاز رعایات لفظی ہیں (مطلب صاف
ہے اور شعر عجیب حال میں کہا گیا ہے۔

(۲) "تواغ" رعایت ہے "شمع کشتہ" کی "حسرت ہستی" زندگی
کی طلبِ محروم۔ شمع کشتہ تمثیل ہے "از غم حسرت ہستی" لیکر

مر جانے کی۔ محفل برعایت شمع عالم ہستی سے استعارہ ہے مطلب
ہے کہ ناکارہ روز نگار ہوں۔ دنیا میں رہنے کے قابل نہیں
اور مرتا ہوں۔

(۱۳) شعر صاف ہے۔ البتہ لفظ شایان معنی خیر ہے یعنی دوست
و ہاروسے قاتل (ممشوق) کے لائق تو وہی ہو سکتا ہے جس پر
محض قاتل ہی کے وار ہوں یعنی ہلاکت گاہ عشق کے قابل وہی
آزاد و سہم ہے جو آلام و مصائب مایوسے العشق سے نیم جاں
اور نیم مردہ نہ ہو چکا ہو یا ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے
کے لئے تو کوئی اچھا تندرست آدمی ہونا چاہئے اور میں تو
پہلے ہی نیم مردہ ہوں۔

(۱۴) ہر روز سے شش جہت "سارے زمانہ کے قابل یا سارے
جہان کے واسطے" آئینہ "عالم حیرت یا پر تو فیضانِ غیب
یعنی حامی اور صاحب بصیرت، عالم و جاہل اہل قرب و اہل
بعد عارف و سادک اور غول و گمراہ سارا جہان مبتلا سے
حیرت ہے اور حقیقت شناسی سے عاجز یا پر تو فیضانِ غیب
سے کوئی محروم نہیں اور بلا امتیازات ظاہری انوارِ فطرت
و قدرت سے سب مستفیض و مستبیر ہوتے ہیں۔

(۱۵) متصوّرانہ نقطہ نظر سے کمال دید یہ ہے کہ طالبِ دید ہم
نن دید۔ اور جو مستغرق اور متاسف دیدار ہو جائے۔ یہاں
ایکسا دیکھنے والا اور جس کو دیکھا جائے دونوں ایک ہو جائیں
اور نہ دیکھنے کا امتیاز و حجاب باقی نہ رہے۔ اس شعر کا

بھی یہی مطلب ہے کہ اب سوائے نگاہ کے کوئی چیز حال نہیں ہے اور شوق نے نقاب حسن کے بند کھول دیئے ہیں یعنی روضے زیر پر کوئی نقاب و حجاب نہیں رہا۔

(۷) یعنی اگرچہ میں دنیاوی مصائب میں مبتلا رہا لیکن تجھے کبھی نہیں بھولا (نہایت لطیف جڑ یہ ہے)

(۸) ”ہوا“ خواہش و طلب ”کشت“ کھیتی ”حاصل“ اصطلاح زرعی میں پیداوار کو اور عام طور پر نفع کو کہتے ہیں۔ یعنی اب وفاداری کا دلولہ باقی نہیں ہے کیونکہ سوائے اس کے کہ تمنا پوری ہونے کی تمنا کی جائے اصل تمنا پوری نہیں ہوتی۔ (۸) یعنی تکلیفات عشق سے میں ڈرتا نہیں لیکن وہ دل باقی نہیں جس پر مجھے ناز تھا کہ سب کچھ برداشت کر سکوں گا۔

رشتک کہتا ہے کہ اسکا غیر سے خلاص حیف

(۱) عقل کہتی ہے کہ وہ بے ہر کس کا آشنا

ذرتہ ذرتہ ساغر سے خانہ نیرنگ سے

(۲) گردش مجنوں بچشمک ہائے لیل آشنا

شوق ہے سماں طراز نازش ارباب عجز

(۳) ذرتہ صحرادستگاہ قطرہ دریا آشنا

شکوہ سبچ رشتک ہمدیگر نہ رہنا چاہیے

(۴) میرا زالو مونس، اور آئینہ تیرا آشنا

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل و دشتی کہ ہے

(۵) عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

	کوہن نقاش کی مثال شیریں تھا اسے سنگ سے ہر مار کر ہووے نہ پیدا آسنا	(۶)
--	-----------------------------------------------------------------------	-----

(۱) رشک سے پیشہ ہوتا ہے کہ اس سے اغیار کے مراسم
انس ہیں لیکن عقل و غور سے پیشہ منٹ جاتا ہے کیونکہ بھلا
وہ ناہربان، بیوفاکس کا دوست ہو سکتا ہے۔

(۲) ”ساغر“ جام سے، میخانہ نیرنگ سے مراد نظام سیارگان
یا افلاک ہیں یعنی ہر ذرہ و ذرہ میخانہ نیرنگ کا ایک ساغر ہے
جو گردش و انقلاب پذیر ہے۔ اسی طرح مجنوں کی وحشیانہ جولانیاں
بھی لیلیٰ کی نگاہ کی گردشوں سے وابستہ ہیں۔ گویا مجنوں
کی قسمت پر لیلیٰ اسی طرح حکومت کرتی ہے۔ جس طرح
انقلاب ارضی و سماوی پر کارکنان قضا و قدر یا سیارگان
طالع یا ”میخانہ نیرنگ“ ذات قادر و قیوم سے استعارہ ہیں
اور گردش کی رعایت سے ذرہ کو ساغر سے تشبیہ دی ہے
مطلب ہے کہ جس طرح مجنوں کی گردشیں قسمت یا وحشت
خرامی لیلیٰ کے ایک اشارہ چشم پر منحصر ہے۔ اسی طرح اس
کائنات کا ایک ایک ذرہ اس ”میخانہ نیرنگ“ کا ساغر
ہے جو حرکت، گردش اور انقلاب میں سرگرداں ہے۔

(۳) ”شوق“، جوش طلب، ”ساماں طراز“ سبب، ”نازش“
نحز و شرف، ”ارباب عجز“ منکر المزاج لوگ، ”صہرا“ ریگزار
”دیا“ سمندر، محیط نا پیدا کنار۔ یعنی عالم انسانیت میں باعث
شرف جوش طلب، انی اور ولولہ عرفان ہے اور یہی معرفت

و طلب کا شرف اس میں ایسی حقیقی نسبت قائم کر دیتا ہے جو
قطرہ کو دریا سے اور ذرہ کو صحرا سے ہے۔

(۴) "میں" کی تقابلی معنی آفریں ہے۔ مطلب ہے کہ میں تو
عافیت طلب اور عزت پسند ہوں اور دل ایسا آفت کا
مکڑا ہے جو عافیت کا دشمن اور آوارگی کا بٹیل ہے۔

(۵) شعرا زانو کو آئینہ سے استعارہ کرتے ہیں اور اس شعر
میں بھی "ہمدیگر ثبوت" ہے۔

(۶) "تمثال" تصویر۔ یعنی فرہاد تصویر شیریں کا نقاش تھا
سنگ تراشی کرتا تھا۔ یہ لاکھیں پتھروں سے سر کھوڑنے سے
معشوق ملا کرتے ہیں۔ گویا سنگ تراشی سے تصویر بنائی اور
نہر کھودی جاسکتی ہے۔ لیکن معشوق حاصل کرنے کے لئے
جذبِ کامل کی ضرورت ہے۔

ذکر اس پری و ش کا اور پھر ہیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا (۱)

مے وہ کیوں بہت پیتے، بزمِ غیر میں یارب
آج ہی ہوا منظور اُن تہمتوں کا اپنا (۲)

منظر اک بستی پراور ہم بنا سکتے
عرش سے اُدھر ہوتا کاش کے مکاں اپنا (۳)

دے دے جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
بارے آشنا نکلا اُن پاسبان اپنا (۴)

درِ دل لکھوں بکتک جاؤں اُن کی دکھلاؤں
 انگلیاں تگیاں اپنی خامہ خوں چکاں اپنا (۵)
 گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عیش بدلا
 ننگ سجدے سے نیرے ننگِ آستان اپنا (۶)
 تاکرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو
 دوست کی شکایت میں ہم نے ہم زباں اپنا (۷)
 ہم کہاں کے دانا تھے، کس ہنر میں یکتا تھے
 بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا (۸)

(۱) ایسے حسین و پری جمال کا تذکرہ۔ اور پھر ہماری محبتیں عشق
 آمیز اور رنگین بیانی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سننے والا بھی عاشق ہو گیا
 اور رقیب بن گیا۔

(۲) بھلا وہ بزمِ خیر میں اتنی شراب کیوں پیتے کہ متوالے اور
 مدہوش ہو جاتے مگر یہ میری بد قسمتی ہے کہ انہیں بزمِ خیر میں
 اپنے ظرف کی آزمائش مدِ نظر ہو گئی۔

(۳) اگر ہمارا مکان عرش سے اس طرف ہوتا تو عرش کو نظر نگاہ
 ٹھہرتے لیکن اپنا مقام عرش والا مکان ہے جو بلندی کا منتہا
 ہے اور اب کوئی بالائی فضا باقی نہیں گویا مدارجِ عروج و
 کمال سب طے ہو چکے اور سہمت اور سعی طلب ابھی تازہ
 ہیں۔

(۴) یعنی ہم نے تو یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اُن کے پاسبان کی وی
 ہوئی سب ذلتیں گوارا کر لیں گے اور اُن تک پہنچیں گے۔

لیکن وہ شناسا بکلا اور ذلتوں کی ذلت نہ آئی۔

(۵) دل کا حال لکھتے لکھتے انگلیاں زخمی ہو گئیں اب آخر کہاں تک لکھوں بہتر یہی ہے کہ اپنی خون نشاں انگلیاں اُن کو خود جا کر دکھلا دوں، کہ حضور کو حال لکھتے لکھتے یہ عالم ہو گیا اب تو خبر لو۔

(۶) آپ نے اپنا سنگ در میفائدہ تبدیل کر دیا اس صحنہ میں کہ یہ کیوں اس پر سچا کرے، مگر وہ تو خود میرے سچے کی ذلت و شرم سے کھستے کھستے باقی نہ رہتا۔

(۷) ”غمازی“ چغلی معشوق کی بیوفائی کی شکایتوں میں ہم نے رقیب کو بھی اپنا ہمزبان بنالیا ہے (یعنی وہ بھی شاکہ ہو گیا ہے) تاکہ وہاں جا کر چغلیاں نہ کھاٹے۔

(۸) اہل ہنر و کمال سے تو فلک کی دشمنی مشہور ہے لیکن ہم تو کچھ ایسے ہنرمند اور عاقل نہ تھے آسمان بیوجہ ہمارا دشمن ہو گیا۔

۱	کہ ہے چشم خریدار پہ احساں میرا
۲	تیرے چہرے سے عیاں ہو غم نہاں میرا

(۱) حسن رہگذر و سرود ہمسایہ وغیرہ سے جس طرح بلاگو کاوش اور بلا قیمت کے لذت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح میرا کلام آنکھوں میں نور بصیرت اور راحت نظر کا باعث ہوتا ہے یعنی ایک سرمد مفت ہے جس کی قیمت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آنکھوں پر ایک احساں بے معاوضہ باقی نہ رہ جائے۔

(۲) ظالم مجھے نالہ و آہ کی اجازت دیدے تاکہ سوز میں کچھ تو

کی ہوتی رہے ورنہ قبط سے اور دل کی آگ بھڑکے گی۔ اور دل کی کیفیتوں کا اثر دوسرے دلوں پر ضرور پڑا کرتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نالہ فریاد نہ کرنے سے موجودہ غم غم پنہاں ہو جائے اور تو جذب دل سے متاثر ہو کر پریشان ہو۔

غافل بوجہم ناز خود آرا ہے ورنہ پیاں ۱ بے شانہ نصبا نہیں طرہ گیارہ کا
بزم قلیح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ ۲ صید زوام جست ہے اس دام گاہ کا
رحمت اگر قبول کرے کیا بے ہے ۳ شرم نہ گئی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
مقتل کی کس نشاط سے جاتا ہو نہیں کہ ہے ۴ پُگل خیال ز غم سے دامن نگاہ کا

جان اور ہوا ہے یکہ نگہ گر ہے است
پردانہ ہے وکیل ترے وادخواہ کا

۱) "شانہ" لکھنوی "طرہ گیارہ" گھاس کا گچھا۔ غافل انسان اپنے
وہم سے ناز کرتا ہے کہ میں بھی کار ساز اور صنعت طراندہ ہوں اور
خود آرائیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ حالانکہ یہاں گھاس کے تنکے بھی
صبار (مشاطہ غیب) کی مشاطگی سے نہ ہمت حاصل کرتے ہیں
بلکہ یہ اپنے آپ کو بھول بھی جائے تو قدرت اس کو خود بناتی
سنوارتی رہے گی۔

۲) "بزم قلیح" محفلِ خوشی۔ "عیش تمنا رکھ" عیش کی امید۔
نہ رکھ "رنگ" عیش و خوشی۔ "صید زوام جست" "دام" سے بھگا
ہوا شکار۔ "دام گاہ" استعارہ ہے دنیا سے یعنی بزمِ شراب سے
عیش و خوشی کی امید نہ کر۔ کیونکہ دنیا میں خوشی تو کسی طرح پھیر
ہی نہیں ہوتی۔

(۳) مواخذہ کے وقت شرم کی سے اگر گناہ کا عذر نہ کیا جائے تو بعد نہیں رحمت الہی اسی سکیت نجات کو معذرت سمجھ کر قبول کرے اور معاف فرماوے۔

(۴) ”پر گل“ پھولوں سے بھرا ہوا۔ زخم و گل میں مشابہت ہوتی ہے۔ یعنی میں مقتل ایسی خوشی سے جا رہا ہوں جیسے سیر باغ و گل چینی کے لئے جا کرتے ہیں۔

(۵) ”ہوا“ خواہش و حوصلہ ”نگہ گرم“ غصہ کی نگاہ۔ پروانہ

برعایت شعلہ نگاہی استعمال ہوا ”واد خواہ“ فریادی

(عاشق) ”وکیل“ چارہ چوٹی و پیروی کرنے والا یہ لفظ بھی

داد خواہ کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ یعنی جان ایک

شعلہ نگاہی کی طالب ہے اور تیرے داد خواہ نگاہ گرم کا چاؤ

کا ہستی اس جان پر منحصر ہے جو پروانہ صفت ہے اور جلنا ہی

چاہتی ہے۔

جو رے باز آئے پر باز آئیں کیا	۱	کہتے ہیں، ہم تجھ کو منہ دکھلا میں کیا
رات دن گردش میں ہیں سات آسمان	۲	ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرا میں کیا
لاگ ہو تو اس کو سمجھیں ہم لگاؤ	۳	جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
ہولے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ	۴	یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
موج غم سر سے گزر ہی کیوں نہ چلے	۵	آستان یار سے اکٹھا جائیں کیا
عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ	۶	مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کین ہے

کوئی بتلاؤ کہ ہم بستل میں کیا

(۱) یعنی وہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنی جفا شعار یوں پر پشیمان ہیں۔
اور اسی پشیمانی سے منہ چھپاتے ہیں۔ لیکن ان کا منہ نہ دکھانا بھی
تو ہمارے لئے ظلم ہے غرض کہ ترکِ ستم پر بھی وہ ستم سے
پاز نہ آئے۔

(۲) یعنی کارکنانِ قضا و قدر ہر وقت مصروفِ کار ہیں۔ ہمیں
گھبرانے کی ضرورت ہے۔ شدنی امور ہو کر ہی رہیں گے۔
(۳) استاد فرماتے ہیں: ”ترک کیجئے نہ تعلق ہم سے۔ کچھ نہیں
ہے تو عداوت ہی سہی“ گویا تعلق دو قسم کے ہوتے ہیں۔
دوستی کا اور دشمنی کا۔ یہاں فرماتے ہیں کہ ”لاگ“ (دشمنی) کے
تعلق پر بھی ہم دل کو دھکا دے سکتے ہیں کہ دوستی (لگاؤ)
ہے لیکن جب کسی قسم کی دہاں گنجائش ہی نہ ہو تو کیا کریں۔
رہم، ”یارب“ مقامِ تعجب میں استعمال ہوتا ہے یعنی جو ش
اشتقاق میں قاصد کو پیغامِ رسانی کے طریقے اور ہر دم محبوب
کے نشیب و فراز اور اندازِ حضوری سمجھاتے سمجھاتے ایک
عالمِ محبت میں نمود ہی محبوب کے گھر تک پہنچ گئے کہ دفعۃً
خیال کا رخ بدلا۔ رُکے۔ اور منہ سے بے ساختہ نکل گیا ایسے
ہم تو قاصد کے ساتھ اس طرح اُن کے دروازہ تک آ گئے
گویا ہم خود اپنے خط کو پہنچانے آئے ہیں۔

(۴) یعنی اب چاہے خونِ نشانیوں سے موجِ خونِ سر سے
گزر ہی کیوں نہ جائے اُن کے دروازہ سے اٹھنا کیسا ہے۔
(۵) یعنی زندگی بھر تو موت کی راہ دیکھتے رہے اب خدا

جائے مرنے کے بعد کیا پیش آئے۔
(۷) ان سے یہ کس طرح کہیں کہ غالب آپ کا عاشق ہے اور
وہ پوچھتے ہیں کہ غالب کون ہے، اب کیا کہیں۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتا
(۱) چمن زنگار ہے آئینہ باد بھاری کا

حرلیف جوشش وریا نہیں خود داری ساحل
(۲) جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

(۱) ”لطافت“، ”زہمت پاکیزگی“، ”کثافت“، ”ناویت“، ”جلوہ“، ”ظہور
و نمود“، ”زنگار“، ”حیقل“۔ یعنی روحانیت و لطافت بغیر مادیت
کے ظاہر و نمایاں نہیں ہو سکتی۔ باد بھاری کو کون دیکھ سکتا
ہے تا وقتیکہ اس کے مظاہر، نکل دیسیاں کی صورت اختیار
نہ کریں گویا باد بھاری مثل آئینہ کے ہے اور چمن اس کا زنگار
ہے اور یہی جلوہ باد بھاری ہے۔

(۲) ”حرلیف“، ”مقابل“، ”خود داری“ اپنے پر قابو رکھنا، ”جوشش
وریا“، ”روانی بھر“، ”ساحل“، ”کنارہ“۔ یعنی جب وہ اس قدر ویرانی
اور عطائے پیہم کے ساتھ بلائے تو بھلا ہوش و ضبط کے دعوے
کس طرح یا قی رہ سکتے ہیں۔ جس طرح طوفان آب کو ساحل روک
نہیں سکتا اسی طرح عطائے ساقی کا مقابلہ دعوے خود داری
سے ناممکن ہے۔

عشرتِ قطر ہے وریا میں فنا ہو جانا ۱۔ درد کا حد سے گزیرنا ہے ویا ہو جانا
تجربے سے قسمت میں مری صورتِ فنا ہو جانا ۲۔ کھال کھانا سیکھتے ہی جدا ہو جانا

۳	مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا واہو جانا	۱	دل ہوا کشمکش چارہ زحمت میں تمام
۴	اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا	۲	اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
۵	ہاں آیا ہمیں پانی کا ہوا ہوا جانا	۳	ضعف سے گریہ میل بہ دم سر ہوا
۶	ہو گیا گوشت کا ناخن سے جدا ہو جانا	۴	دل سے مٹا تری انگشت ہنائی کا خیل
۷	دوستے دوستے غم فرقت میں فنا ہو جانا	۵	ہے مجھے ابرہاری کا برس کر کھلنا
۸	کیوں ہے گردہ جولان صبا ہو جانا	۶	اگر نہیں نگہت گل کو تھے کیچے کی ہوش
۹	دیکھ برسات میں سبز آئینے کا ہو جانا	۷	تا کہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوا سے صیقل

بچتے ہے جلوہ گل ذوق تماشا غالب
چشم کو چاہئے ہر رنگ میں واہو جانا

(۱) "عشرت" عیش و مسرت یہاں کامیابی اور کامرانی مراد ہے۔
یعنی قطرہ کی کامیابی یہی ہے کہ دریا میں مل کر جذب و فنا ہو جائے
اور اپنی ہستی بحیثیت قطرہ کے مٹا کر دریا میں شامل ہو کر خود
دریا ہو جائے۔ اسی طرح درو عشق بھی ایک جزو ہے شفا و
حقیقی کا۔ اور اس کا حد سے گزرنا مدام سے غیب میں ملنا
اور وصال معشوق حقیقی اور فنا فی الذات ہونا ہے۔

(۲) "قفل ابجڑ" اس قفل کو کہتے ہیں جس پر حروف منتقل ہوتے
ہیں اور ان حروف سے ایک خاص لفظ بنتا ہے۔ جس کے
بننے پر قفل کھل جاتا اور حلقہ کھٹکے سے جدا ہو جاتا ہے۔
اس شعر میں اسی سے تمثیل کیا ہے۔ گویا تجھ سے صرف
اس لئے ملاقات ہوئی تھی کہ جانی کی مصیبت میں مبتلا
ہو جاؤں۔

(۸) کشمکش "کوشش و کاوش" چارہ رحمت "علاج کلفت
 عقد" گرہ۔ دل سے استعارہ و تشبیہ ہے۔ یعنی پہلے جو غم
 دل میں موجود تھا۔ اس کو رفع کرنے میں ایسی تکنیکیات اور
 آلام کا سامنا کرنا پڑا کہ یہ خود ایک مصیبت ہو گئی جس نے
 دل کو تمام کر دیا اور جس طرح گرہ کھولنے سے کھلتی تو ہے نہیں
 بلکہ گھس کر نا پید ہو جاتی ہے اسی طرح چارہ جوشیوں کی
 و شوار یوں نے دل کو تمام کر دیا۔

(۹) شعر صاف ہے اور پانی کے ہوا ہو جانے کو اپنے گریہ کے
 مبدل بہ حرم سرور ہونے سے تمثیل کیا ہے۔

(۱۰) انگشت حنائی کی رعایت سے ناخن سے گوشت جدا
 ہونے کی ضرب المثل استعمال کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
 جس طرح وہ ناممکن ہے اسی طرح یہ خیال دل سے نکلنا
 محال ہے۔

(۱۱) غم فرقت میں روتے روتے میرا فنا ہو جانا ایسا ہی پُر لطف
 ہے جیسے ابر بہار کا برسنا اور بریں کر کھلنا کہ ابر بہار کا کھلنا
 بھی خالی از لطف نہیں ہوتا۔

(۱۲) "نکبت گل" بوسے گل "گر و راہ" غبار راہ۔ صبا میں بوسے
 گل کے ملنے اور پھیلنے کی ایک شاعرانہ توضیح ہے۔

(۱۳) "ہوا" شوق "اعجاز" کرشمہ صیقل "قلعی و جلائے آئینہ"
 نوا دی آئینہ پر مرطوب ہوا سے تنگ آ جاتا ہے اس کو
 شاعرانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے اعجاز شوق کا کرشمہ کہا

ہے کہ حقیقت بھی جو شوق سے سبزی و نمو پیدا کر لیتا ہے
اور یہ بھی ہوائے موسم کی اشتیاق انگیزی ہے۔
(۱) "جلوہ گل" خوبی و نزہت گل یہ ذوق تماشا "لطف دید
اور نظریک" یعنی خود جلوہ گل ہی لطف دید پیدا کرتا ہے۔
اس لئے ہر حال میں آواز و دیدار رہنا چاہئے۔ لطف خود بخود
ہر چیز سے میسر آجائے گا۔

رابطہ یک شیرازہ وحشت ہیں جزائے بہار | سبزہ بیگانہ صبا آوارہ گل نا آشنا

(۱) "رابطہ" بنارش و جمع "شیرازہ" اور اق کتب کی سلائی
اسی رعایت سے اجسزا استعمال ہوا ہے "سبزہ بیگانہ"
خود روگھاس "صبا آوارہ" پھیلی ہوئی اور چلتی ہوئی ہوا۔
یہ سب موصوفات صفت خاص خاص شاعرانہ اصطلاحیں
ہیں جن کا ظاہری و لفظی فائدہ ثبوت وحشت کے لئے حاصل
کیا گیا ہے اور شعرا اپنے شاعرانہ انداز و محاسن اور حقیقت
ترجمانی میں اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ مطلب ہے کہ سبزہ بیگانہ
صبائے آوارہ اور گل نا آشنا کیونکہ بیگانگی آوارگی
اور نا آشنائی اور صاف وحشت میں سے ہے، بہار کے
اجزا ہیں انہیں کے مجموعہ کو بہار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
حالانکہ یہ مجموعہ (یا عقبارا و صاف مذکورہ) محض ربط
شیرازہ وحشت ہے۔ گویا ایک خیال کی مختلف روایتوں نے
عالم اشکال پیدا کر دیا ہے۔

- برہن شرم ہے باوصف شوخی اہتمام اُس کا
(۱) نگین میں خوشترایسنگ ناپیدا ہے نام اُس کا
- مسی آلودہ ہے مہر نوازش نامہ ظاہر ہے
(۲) کہ داغ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اُس کا
- یامید نگاہ خاص ہوں محل کش حسرت
(۳) مبادا ہو عنان گیر تغافل لطف عمام اُس کا

(۱) ”برہن شرم“ پابند شرم و حجاب۔ ”باوصف شوخی“ باوجود شوخی۔ شوخی کے اہتمام سے اشارہ ہے کارساز یوں اور قدرت فرمایوں کی طرف۔ ”نگین“ نگینہ۔ ”شرار“ پتنگا۔ یعنی باوجود شوخی و ظہور کے اس کی کار فرمائیاں اور قدرت آرائیاں اس کے جمال کے لئے حجاب ہیں اور ہر نگین سے اُس کا نام اس طرح غیر نمایاں ہے جس طرح مادہ آتش پتھر میں، حالانکہ پتھر میں آگ ضرور ہے اور نگین پر اس کا نام نامی بھی ہے لیکن اس کی کار فرمائیاں باوجود ظہور اُس پر سے حجاب نہیں اٹھاتیں۔

(۲) ”مسی آلودہ“ مسی لگی ہوئی۔ مہر اور داغ میں تشبیہ ہے اور داغ اور مسی میں یگرنگی۔ مطلب ہے کہ خط کی مہر پر مسی کا نشان ہے گویا میرے دل میں جو آرزوئے بوسہ نے داغ ڈال دیا تھا اُس کا رنگ آن لبوں پر نمایاں ہوا اور اب وہی رنگ آرزوئے بوسہ اُس کی طرف سے پیام بوسہ لب کی صورت میں مجھ تک پہنچا ہے۔

(۳) محل کش حسرت اور غمناں گیر میں عایت ہے یعنی میں نگاہ خاص کی آمید و حسرت کر رہا ہوں ایسا نہ ہو کہ ان کا لطف عام مجھ ہی سے تغافل کر گزرے۔

دود کو آج اس کے ماتم میں سیاہ پوشی ہوئی
 وہ دل سوزاں کہ کل تک شمع ماتم حنائی تھی (۱)
 شکوہ یاراں غبارِ دل میں پتہاں کر دیا
 قالب ایسے گنج کو شایاں ہی ویرانہ تھا (۲)

(۱) "دود" دھواں۔ دھوئیں کے رنگ کو سیاہ پوشی و ماتم سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ دل سوزاں جو ماتم خانہ ارمان و تمنا کے لئے باعتبار سوز کے شمع بزم ماتم کے مثل تھا آج مطلقاً جل گیا اور صرف دھواں باقی رہ گیا جو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ماتم میں سیاہ پوش ہے۔

(۲) "غبارِ دل"۔ غبارِ خاطر۔ ویرانہ سے دل کا استعارہ ہے۔ گویا دل میں کچھ باقی ہی نہیں خواہشوں، تمناؤں اور طلبوں کا حشر ہو چکا شکوہ احباب جو کہ اگلی دلچسپیوں اور مداراتوں پر منحصر ہوتا ہے اس لئے اس کو گنج سے تعبیر کرنا نامناسب اور عایت سے خالی نہیں۔ "شایاں" لائق مستوجب۔ یعنی دوستوں کی شکایت غبارِ دل میں پوشیدہ ہو گئی۔ (سرزمینِ دل میں تو کچھ رہا ہی نہ تھا ویرانہ تھا اس سرزمین کے غبار میں گنج شکایت پنہاں ہوتا یہ معنی رکھتا ہے کہ شکایت ہی باقی نہ رہی) ایسے خزانے کے لئے ایسا ہی ویرانہ چاہئے تھا۔

پھر وہ سوتے چمن آتا ہے خدا خیر کرے | | رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہوا دافنکا

(۱) "ہوا داران چمن" یعنی پھول۔ یا پھولوں کے خیر طلب۔

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب
دے بطے کو دل دوست ثنا موج شراب

(۱)

پوچھ مت وجہ سیہ مستی ارباب چمن
سایہ تاک میں ہوتی ہے ہوا موج شراب

(۲)

جو ہوا غرقہ مے بخت رسا رکھتا ہے
سر سے گزے پر بھی ہے بال ہما موج شراب

(۳)

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
موج ہستی کو کرے فیض ہوا موج شراب

(۴)

چار موج اٹھتی ہے طوفان طرب سے ہر سو
موج گل موج شفق موج صبا موج شراب

(۵)

جس قدر موج بنا تی ہے جگر تشنہ رتا
دے ہے تسکین بدھم آب بقا موج شراب

(۶)

بسکہ دوڑے ہے رگتار میں غول ہو ہو کر
شہر رنگ سے ہے بال کشا موج شراب

(۷)

موجہ گل سے چراغاں ہے گذر گاہ خیال
ہے تصویریں ریں جلو نما موج شراب

(۸)

نشے کے پردے میں ہے جو تماشا شانی داغ
بسکہ رکھتی ہے سر نشو و نما موج شراب

(۹)

ایک عالم پہ ہیں طوفانی کیفیت فصل

(۱۰)

موجہ سبزہ نوخیز سے تا موج شراب

شرح ہنگامہ ہستی ہے زہے موسیم گل
(۱۱) رہیر قطرہ بدریا ہے خوشا موج شراب

ہوش آٹھلے ہیں مرے جلوہ گل دیکھ اسد
(۱۲) پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب

(۱) بال کشا "آبادہ پرواز۔ موج شراب کی بال کشائی سے
جوش شراب یا دودہ ساغر کی جانب اشارہ ہے۔ "بطے"
بط کی شکل کا ایک طرف جس میں شراب بھرتے ہیں۔ "دل"
ہمت۔ "دست" طاقت۔ "دل دوست" موقع یا اجازت۔ "شنا"
تیرنا۔ بط کی رعایت سے یہ لفظ استعمال کیا ہے مقصود دور ہے
مطلب ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ شراب میں جوش پیدا ہو۔
دورہ ساغر اور بخاری ہو۔

(۲) "سیہ مستی" بدستنی نشاط، مدہوشی۔ سایہ و سیاہ میں تشبیہ ہے
"ساک" انگور کی بیل۔ یعنی اہل چین کی مسیہ مستی کا سبب کیا پوچھتے ہو
کیونکہ انگور کی بیل کے سایہ میں (غالباً اثر مصاحبت سے) ہوا میں
شراب کی تاثیر ہو جاتی ہے۔

(۳) "سخت رسا" اور سر سے گزرنے کی رعایت سے "بال نہما" لایا گیا ہے۔
مطلب ہے کہ نشہ سے حد سے گزرنے پر بھی عیش و نشاط
سے خالی نہیں ہوتا۔

(۴) "موج ہستی" روح سے استعارہ ہے یا میلان و رجحان
اور کیفیات و جذبات روحانی مراد ہیں۔ یعنی یرسات ایسا

خوشگوار موسم ہے کہ فیض ہوائے لطیف سے اگر روح متکلیف
 اور جذبات سے سرشار ہو جائے تو کوئی تعجب نہیں۔
 (۵) طوفان طرب شدت طرب۔ گویا موج گل۔ موج شفق۔ موج
 صبا اور موج شراب عالم معرفت و طرب کے بہترین مظاہر
 و منظر ہیں (موج کی ترکیب تمام الفاظ میں طوفان کی رعایت
 سے واقع ہوتی ہے)

(۶) روح نباتی "قوت نشو و نما"۔ قوت نامیہ۔ "جگر تشہ و ناز"
 طلبکار نمو اور نشو و نما حاصل کرنے کا جوش و ہيجان "تسکین" کا
 لفظ جگر تشہ کی رعایت سے استعمال ہوا ہے اور اسی رعایت
 سے "آب بقا" جس سے مراد باران ہے۔ "جس قدر" سے
 اشارہ ہے عام روح نباتی کی جانب جو تمام کائنات اور
 انسانوں میں ہے۔ "ناز" کا لفظ نامیہ انسانیہ ہی کے لئے
 خاص ہے۔ اور یہاں ولولہ اور مستی و نشاط مقصود ہیں مطلب
 ہے کہ جس طرح بارش کا پانی نبات کی پیاس بجھاتا ہے
 اسی طرح نامیہ انسانیہ کے لئے برساتیں شراب و جہ
 تحریک و نمو ہوتی ہے۔

(۷) "رنگ" ریشہ۔ "رنگ" بیل کی سبزی وغیرہ کی طرف
 اشارہ ہے اور رنگ اڑنے کی رعایت سے "شہر اور بال کشا"
 استعمال ہوئے ہیں یعنی انگور کی بیل کے ریشوں وغیرہ میں
 شراب خون کی طرح سرایت کرتی ہے اور پتوں میں رنگ
 بن کر نمودار ہوتی ہے۔

(۸) گل و چراغان" میں تشبیہ ہے۔ اور شراب و گل ہیں بھی رنگ و بھسبہ ہے۔ اور جلوۂ گل" نور چراغان اور جلوہ ثنائی موج شراب سب رعایات ہیں۔ اور شراب کا ایک نام گل بھی ہے۔ مطلب ہے کہ تصور میں شراب جلوہ نما ہے اس لئے گذرگاہ خیالی روشن ہے۔

(۹) دماغ نظام عصبی کا مرکز اور حسیات و مدرکات وغیرہ کا فیج و منشأ ہے۔ "مخ" خیال۔ نشہ اور منشأ (دماغ) ایک قبیل و مادہ کے الفاظ ہیں۔ مطلب ہے کہ شراب ہو نشہ بن کر دماغ میں پہنچتی اور دماغ میں گھومتی (مخ و منشأ) ہے۔ غالباً نشو و نما چاہتی ہے یا یہی اس کے لئے نشو و نما ہے۔

(۱۰) "طوفانی" شدت زیادتی۔ "سبزۂ لوتیز" نیا اگا ہوا سبزہ۔ یعنی فصل بہار نے سبزہ و شراب سب پر کیفیت و رونق اور لطف پیدا کر دیئے ہیں۔ "سبزۂ لوتیز" کے ساتھ موجد کی ترکیب بھی طوفانی کی رعایت سے ہے)

(۱۱) "شرح" تفصیل۔ "نمایش" ہنگامہ، ہستی" موجودات و کائنات "سبزۂ بدریا" قطرہ کو دریا سے ملا دینے والا۔ موسم گل موسم بہار میں نشو و ارتقا کا ظہور زیادہ نمایاں اور عام ہوتا ہے اور اس موسم میں نامیدہ کی کارپردازیاں تخلیق و تکوین عالم کی مثال کو زندہ و تازہ کر دیتی ہیں۔ پھر اس عالم میں ہمارے لئے وہی چیزیں ہیں۔ مخلوقات و کائنات اور حقائق و رنگوں۔ مخلوقات کی کیفیت نظارۂ نشو و نما سے معلوم ہوتی ہے اور

ذات خالق تک رسائی کے لئے مظاہر سے قطع نظر کرنا ضروری ہے۔ موسم گل سے ہمیں علم نشو و ارتقا حاصل ہوتا ہے اور شراب سے خود فراموشی و عالم فراموشی یعنی خودی مٹنا اور ناسوا اللہ کا معدوم ہوتا ہے۔ پھر بے خودی اور عالم فراموشی ہی وہ راہ ہے جس سے ذات باری تک رسائی ہوتی ہے اور چونکہ ہمارا وجود باعتبار تنزلات ذات کے ایک قطرہ ہے اُس دریائے حقیقت کا۔ اس لئے اس قطرہ کی دریائے حقیقت تک رسائی مقصد حیات ہے۔ نیز شراب سے یہی شراب مراد نہیں بلکہ مستی و نشاط عشق الہی مقصود ہے۔ پس مطلب یہ ہے کہ دنیا میں دو ہی چیزیں قابل غور ہیں وجود اور حقیقت۔ وجود کی تفسیر و تشریح مطالعہ کائنات سے معلوم ہو جاتی ہے اور حقیقت شناسی خود فراموشی و عالم فراموشی سے میسر آتی ہے۔

(۱۲) ہوش اڑنا۔ محاورہ ہے۔ اور اڑنے کے لئے بال کشا اور ہوش اڑنے کے لئے بال کشائی موج شراب بہترین مناسبت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موسم بہار سے طبیعت پر ضبط و قابو نہیں اور بس عین مے نوشی کا وقت ہے۔

افسوس کہ دیدار کا کیا رزق فلک نے | جن لوگوں کی تخی در خور عقد گہرا نگشت
کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دینا | خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت

لکھتا ہوں اسد سوز دل سے سخن گرم
تار کھنہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

(۱) دیدانِ کیرے (عقہ گوہر انگشت گوہر موتیوں اور کیروں میں تشبیہ ہے) یعنی ابھی ان کے خاک میں ملنے کے دن نہ تھے

(۲) یہ شوخی یا دغا رہے کہ نشانی مانگتے وقت تو لے انگوٹھا دکھایا یا خالی انگلی دکھادی کہ انگلی میں پھلا نہیں۔

(۳) حرف پر انگلی رکھنا "علمی کی گرفت یا عیب چینی کرنا۔ یعنی گرمی سخن سے حرف بھی جلتے ہیں اب اگر کوئی عیب چینی کے لئے انگلی حروف پر رکھے گا تو انگلیاں جل جائیں گی۔

۱	تو اک روز مرنا ہے حضرت سلامت	۱	رہا اگر کوئی تا قیامت سلامت
۲	لکھے ہے خداوند نعمت سلامت	۲	جگر کو مرے عشقِ خوتا بہ مشرب
۳	مبارک مبارک سلامت سلامت	۳	علی الرغم دشمن شہید وفا ہوں
۴	تماشا شے نیرنگ صورت سلامت	۴	نہیں گر سر و برگ ادراک معنی

(۲) "مشرب" طریق و مسلک لیکن یہاں لفظی رعایت سے استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ عشقِ خون جگر سے پرورش پاتا ہے۔

(۳) "علی الرغم" ضد و مخالف۔ اس میں رعایات یہ ہیں کہ رقیب کی ضد و خلاف نشانیں شہید وفا ہوا اس لئے مبارک یا چونکہ شہادت اعتقادِ زندگی جاوید ہے اس لئے "سلامت"۔

(۴) "سر و برگ" ساز و سامان مراد اہلیت۔ "ادراک" علم عقلی۔ "معنی" حقیقت۔ "صورت" مجاز۔ "نیرنگ" عجائبات یعنی اگر حقیقت شناسی کی اہلیت نہ ہو تو عجائبات مجاز کی ظاہری سیر بھی

خالی از لطف نہیں۔

مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غائب | | | | | یار لائے مرے بالیں پہلے پرکھ وقت

۱۱) یعنی اتنے وقفہ میں کہ آنکھیں کھول کر دیدار یا رکروں آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں (یعنی موت آگئی) احباب ان کو لاتے بھی تو آخری وقت لاتے۔

دو دو شمع کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دولت
کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست
صورتِ نقشِ قدمِ جہاں فتنہ زخماں و دوست
کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست
دیدۂ پُرخوں ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست
بے تکلفِ دوست ہو جیسے کوئی غنچہِ دوست
مجھ کو دیتا ہے پیامِ عمدۂ دیدارِ دوست
سرکے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبرِ بارِ دوست
ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخی گفتارِ دوست
یا بیاں کیجے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

آہِ خط سے ہوا ہے شمعِ بازارِ دوست
لے دلِ نا عاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
خانہ ویراں سازیتِ حیرت تماشا کیجئے
عشق میں بیدارِ شکِ غیر نے مارا مجھے
چشمِ باروشن کہ اُس بیدار کا دل شاد ہے
غیر لوں کرتا ہے میری پرستش اُسکے بھر میں
ناک نہیں جانوں کہ ہے اسکی رسانی اُن تک
جکھیں کرتا ہوں اپنا شکوہ ضعفِ دماغ
چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
مہربان نہائے دشمن کی شکایت کیجئے

یہ غزل اپنی مجھ جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے و فیضِ شعر میں غائب زینِ نگارِ دوست

۱۱) "سرد بازار ہو جانا" محاورہ ہے جس کے معنی طلب باقی نہ رہنا وغیرہ وغیرہ ہیں۔ "بازارِ دوست" "سرد ہو جانے سے کمی عشق و عشاق مراد ہے۔" خطِ آنا "دارِ بھی نکلتا اور بالوں کے رنگ کی تشبیہ "دو دو رخسار" کی شمع سے دی ہے۔ نیز "سرد" اور "شمع"

کشتیں رعایت ہے۔ خیال بالکل ایرانی شاعری کا سا ہے جو ذوق سلیم کو مرغوب نہیں۔

(۳) "خیرانی" اور نقش و قدم میں عدم حرکت وجہ شبہ ہے۔ "خانہ ویراں سازی" گھر کی تباہی۔ "زفتہ" وارفتہ بے خود اور لفظی طور پر وارفتہ رفتار سے پس ماندہ رفتار یعنی نقش و قدم مترشح ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ میں ایسا وارفتہ خرام یا رموں کہ دوسری کسی بات کی خبر ہی نہیں اور یہی بے خبری و عالم فراموشی خانہ ویراں ساز ہے۔ گویا اس کے چلے جانے کے بعد میں مٹا ہوا سا نقش قدم ہوں۔

(۴) رشک رقیب میں مرنے کو کشتہ دشمن اور عشق کو بیمار مری دوست سے تعبیر کیا ہے۔

(۵) چشم مارو شن دل ماشاد مشہور محاورہ ہے جو شعر میں مخصوص بندش کے ساتھ نظم ہوا ہے۔ دیدہ خو نقشاں اور ساغرے میں تشبیہ ہے چشم و دل کے دو متضاد احوال بیان کئے ہیں یعنی گوہم خون روتے ہیں اور وہمے نوشی کے عیش میں گزارتے ہیں۔ لیکن ہم ہر حال میں خوش ہیں کہ وہ خوش ہیں۔

(۶) (قطعہ ہے) اور رعایات لفظی سے بھرا ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ رقیب بجائے تسکین اور دلا سے کے ہر بات آن کی یاد دلاتا اور سمند اضطراب پر تازیانہ لگاتا رہتا ہے۔ اور مجھے حیرت ہے کہ دوست کے لطف ستم کی تعریف کروں یا دشمن کی عنایت کی شکایت۔

۱	گلشن میں بند و بست برنگت گرتے آج	۱	قمری کا طوق حلقہ بیرون در ہے آج
۲	آتا ہے ایک پارہ دل ہر فغاں کیساتھ	۲	تار نفس کند شکار اثر ہے آج
۳	لے غایت کنارہ کر لے انتظام چل	۳	سیلاب گریہ در پے دیوار در ہے آج
۴	معزولی پیش ہوئی، افراط انتظار	۴	چشم کشودہ حلقہ بیرون در ہے آج

۱۱ "بند و بست" لغوی طور پر اس کے معنی روک تھام کے اور عام طور پر انتظام و اہتمام کے ہیں۔ "حلقہ بیرون در" دروازہ کی بیرونی زنجیر باغ کے اندرونی اہتمام اور بیرونی روک تھام کے لئے ضروری تھا کہ دروازہ باغ کی زنجیر اندر سے لگائی جائے لیکن حلقہ بیرون در سے معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے دروازہ بند کیا گیا ہے۔ پھر قمری کے طوق کا قرینہ کچھ اور چاہتا ہے۔ قمری کے طوق کو شعر اگر قناری عشق سے تعبیر کر کے اور قمری کو سرو آزاد کی عاشق قرار دیتے ہیں اور عشاق کے لئے آداب عاشقی بھی وصال کے منافی ہیں اور حقیقی وصل یہ ہے کہ ہمہ تن محبوب اور یکسر محبوبیت ہو جائے اور تقیدات عاشقی اٹھائیے جائیں۔ چنانچہ غالباً قمری کا طوق حلقہ بیرون در سے ہی اشارہ ہے۔ مطلب ہے کہ جن میں آج عجیب انتظام ہے۔ اختیار و اجانب کا گزر نہیں۔ عشاق و معشوق یک رنگ و واحد ہیں اور اندر یکسر معشوقیت و محبوبیت کی شادمانیاں اور مستی ہیں۔ جمال آرا ہیں۔ دوسرا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ باہر دروازہ بند کرنے کا بند و بست غالباً اس لئے ہے کہ بیگانوں کی صرف روک تھام ہی نہیں بلکہ ان کا گمان و خیال بھی اس طرف

نہ جاسے کہ باغ میں کچھ ہے اور خدا جانے ایسے عالم راز میں
کیا ہو رہا ہے۔

(۲) ”پارہ دل“ لخت دل ”فغان“ نالہ ”نفس“ سانس تارِ نفس۔
کنند کی رعایت و تشبیہ کی وجہ سے کہا گیا ہے ”شکاراثر“ اثر
جو شکار ہوا ہے۔ یعنی تاثیر جو حاصل و میسر ہوئی ہے۔
مطلب ہے کہ آج ہر نالہ کے ساتھ ایک پارہ دل باہر آتا
ہے گویا سانس کی کند میں اثرِ نالہ پارہ دل کی صورت میں
شکار ہوا ہے۔

(۳) ”عافیت و انتظام“ سیلاب کی رعایات ہیں۔ شدتِ گریہ
کے لئے کنارہ کشی عافیت رخصتِ انتظام اور خطرہ و دیوارِ دور
شاعرانہ مبالغے ہیں۔

رم ”معزولی“ علیحدگی ”پیش“ جلن ”افراط“ زیادتی ”چشمِ کشودہ“
کھلی ہوئی آنکھ ”چشمِ انتظار“ چشمِ کشودہ اور حلقہ زنجیر میں
تشبیہ ہے۔ یعنی انتظار کی زیادتی نے کیفیتِ اضطراب و
سوزِ دل کو دور کر دیا ہے اور دروازہ کی جانب ہمہ تن
انتظار ہو کر اس طرح دیکھ رہا ہوں گویا حلقہ زنجیر میری چشم
منظر بن گئی ہے۔

۱	اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ	نفس نہ انجن آرزو سے باہر کھینچ
۲	برنگِ خارِ مرے آئینہ سے تو ہر کھینچ	کمال گرچی سعی تلاش دید نہ پوچھ
۳	کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ	تجھے بہانہ راحت ہے انتظار لے دل
۴	بکوری دل و چشم و رقیب ساغر کھینچ	تیری طرف ہے بہ حشرت نظارہ نرگس

۵۔ نیام پردہ زخم جگر سے خنجر کھینچ برفے سفرہ کباب دل سمندر کھینچ	بہ نیم غمزہ ادا کر حق و دلایت ناز مرے قہقہے میں ہے صبا کے آتش نہاں
---------------------------------------------------------------------	-----------------------------------------------------------------------

(۱) یعنی ایک سانس بھی انہیں آرزو سے باہر نہ گزار دیا بغیر
آرزو اور تمنا کے ایک سانس بھی نہ لو، اگر شراب نہ ہو تو جام
شراب کا انتظار ہی سہی، غرض کہ عیش طلبی کی سعی سے غافل
نہ ہونا چاہئے۔

(۲) "برنگ خار" کانٹوں کی طرح، جو ہر آئینہ اور خار میں تشبیہ
ہے۔ آئینہ اشتیاق دید سے استعارہ ہے یعنی تلاش دیدار میں
جس سرگرمی سے میں پھرتا ہوں، اس کا حال کیا پوچھتے ہو، آئینہ
اشتیاق دید کے جوہر اگر دیکھتے ہوں، تو وہ کانٹے ہیں، جو اس
چکر میں، میرے پاؤں میں پھنسے ہیں۔

(۳) "ناز بستر اٹھانا" آرام و راحت کے مزے لوٹنا۔ دل سے
خطاب ہے، کہ یہ جو بستر پر پڑے پڑے انتظار کیا جا رہا
ہے، سب آرام طلبی کا بہانہ ہے، تجھ سے کس نے کہا،
کہ ناز بستر اٹھا۔

(۴) "چشم نرگس" کو شعرا کو رہی لکھتے ہیں۔ نرگس و ساغر میں
تشبیہ ہے اور شراب کسی کی یاد میں پیتے ہیں۔

(۵) "نیم غمزہ" نگاہ غلط انداز سے استعارہ ہے۔ "دلایت"
امانت۔ پردہ زخم جگر سے نیام کی تشبیہ ہے۔ یعنی ناز پار سے
جو خنجر پردہ زخم جگر میں نیام کر دیا، اس امانت کا حق ہے کہ
نگاہ غلط انداز سے خنجر کو بے نیام کر دے۔ گویا، ناز سے جو

کسر باقی رہ گئی ہے۔ اُس کو غمزہ پورا کر دے گا۔

(۶) "قدح" پیالہ۔ دل سے استعارہ ہے۔ "صہبا" شراب
 "آتش پنہاں" عشق جال سور "سفرۃ" دسترخوان۔ سمندر اُس
 کیڑے کا نام ہے، جو آگ میں نشوونما پاتا ہے۔ مطلب ہے کہ
 میرا دل ایک ساغر ہے جس میں شراب عشق موجود ہے اس لئے
 اُس کی مناسبت سے دل سمندر کے کباب درکار ہیں۔

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد (۱)

بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

(۲) منصب شیفتگی کے کوئی متابل نہ رہا
 ہوئی معزولی انداز وادامیر سے بعد

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے (۳)
 شعلہ عشق سسپہ پوش ہوا میرے بعد

(۴) خوں ہے دل خاک میں احوال ہوتاں پریتے
 اُن کے ناخن ہوئے محتاج حنا میرے بعد

در خور عرض نہیں جو ہر بیداد کو جبا (۵)
 نگہ ناز ہے تیرے سے خفا میرے بعد

(۶) ہے جنوں اہل جنوں کے لئے آغوش و داغ
 چاک کرتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریف سے مردافگن عشق (۷)
 ہے مگر رلب ساقی پہ صلا میرے بعد

(۸) نظم سے مرزا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی

کہ کرے تعزیت حرو و قایمیرے بعد
آئے ہے بیکستی عشق پہ روتا غالب (۹)
کس کے گھر جاتے گا سیلاب بلا میرے بعد

(۱۱) یعنی میرے مرنے کے بعد اہل حق کو غمزہ روائی کی تکلیف
سے فرصت ہو گئی۔

(۱۲) "نصب" "تقرر و تعین" "معزولی" برخواست کرنا یعنی آب
شیفتگی و وارفتگی کی خدمت انجام دینے کے لائق کوئی باقی نہ رہا۔
اس لئے میرے بعد ناز و انداز حسن معطل کر دیئے گئے۔

(۱۳) یعنی شعلہ عشق کی بقتا میرے دم سے تھی، میرے مرنے
پس یہ شعلہ بجھ گیا۔ اور شمع جب بجھتی ہے تو دھواں نکلتا ہے
پس شمع عشق کے بجھنے سے جو دھواں نکلتا ہے وہ تو یا میرے
ماتم میں عشق کی سیہ پوشی ہے۔

(۱۴) یعنی حسینوں کے ناخن میرے خون سے رنگے جاتے تھے
اور چونکہ میرے بعد حنا کی احتیاج ہو گئی اس لئے نہ خاک میرا
دل آن کی اس حاجتمندی پر خون ہوا جاتا ہے — یا یہ کہ
اُن کے ناخنوں کو حنا کی ضرورت ہے اور میرا سوگ مارغ
حنا بندی ہے۔ اس رنج سے میرا دل خون ہوا جاتا ہے کہ
میری وجہ سے اُن کی آرایش میں فرق آ رہا ہے۔

(۱۵) "در خور عرض" قابل اظہار مطلب ہے کہ میرے بعد
نگہ ناز سرمہ سے خفا ہے، کیونکہ اس جو ہر بیداد سے کام
لینے کا کوئی موقع نہیں رہا۔

(۶) "آغوش و دل" رخصتی بغل گیری۔

(۷) "حریف" مقابل۔ "مرد افکن عشق" وہ شراب عشق جس کی مستی کو بڑے بڑے اہل ہمت ضبط نہ کر سکیں۔ "صلا" اذن مکرر کے لفظ سے سوال و جواب دونوں حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی میرے مرنے کے بعد ساقی حسن و عشق، پیما نہ عشق لے کر کہتا ہے، کہ کوئی ہے جو اس سے مرد افکن کا مقابل ہو۔ (یعنی اس جام عشق کو پی سکے) اس خطاب و صلا پر آواز سے بر فحاست کا مضمون ہوتا ہے، مجبور و مایوس ہو کر مکرر خود ساقی کہتا ہے کہ "اے بھلا کون اس کا مقابل ہو سکتا ہے!"

(۸) یہ غم مجھے اور بھی ہلاک کئے دیتا ہے کہ میرے بعد تعزیت نہ ہو وفا بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ یعنی وفا تو وفا، کوئی تعزیت وفا بھی نہیں کرتا۔

(۹) "سیلاب بلا" طوفان مصائب۔ استعارہ ہے عشق سے اور سیلاب کا نتیجہ گھروں اور آبادیوں کی بربادی ہوتا ہے اگر یہ نہ ہو تو سیلاب کی ناکامی و بے اثری ہے مطلب ہے کہ عشق ویراں ساز کی میزبانی کرنے والا میرے بعد کوئی نہیں اور اس کی اس بیگسی پر رونا آتا ہے کہ اس سیلاب بلا کے لئے کوئی ٹھکانہ یا قی نہ رہے گا۔

۱۔ نگاہ شوق کو ہیں بال پر درو دیوا	۲۔ کہ ہو گئے میرے نیوار و در، درو دیوا
۱۔ بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر درو دیوار	۲۔ و فوراً شک نے کاشانے کا یہ رنگ کیا

۱۲	نہیں ہے سایہ کہ شکر نویدِ مقیم بار	گئے ہیں چن۔ قریب پیشِ در و دیوار
۱۳	ہوئی ہے کس قدر ار زانی سے جلوہ	کہ مست ہے تھے کیچے میں ہر در و دیوار
۱۴	جو ہے تجھے سرسودائے انتظار تو آ	کہ ہیں دکانِ مستلَع نظر در و دیوار
۱۵	وہ آدھارے ہمسایہ میں تو سایہ سے	ہوئے قیادرو دیوار پر در و دیوار
۱۶	نظر میں کھٹکے ہیں تیرے گھر کی آبا	ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار
۱۷	ہجومِ گرہ کا سامان جب کیا میں نے	کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار
۱۸	نپوچھ بیخودی عیشِ مقیم سیلاب	کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار

۱۰
نہ کہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں
حریفہ رازِ محبت مگر در و دیوار

(۱) یعنی در و دیوار کے حجابات میں صاحبِ خانہ (محبوب) ہم سے محب نہیں رہ سکتا، کیونکہ در و دیوار سے جب نگاہیں رکتی ہیں، طبیعت الجھتی ہے، اضطراب بڑھتا ہے اور جوشِ شوق کا دُور ہو جاتا ہے۔ نگاہِ شوق کی تلاش و جستجو زیادہ ہو جاتی ہے۔ گویا در و دیوار افزائشِ اشتیاق کے سبب ہوتے ہیں۔ غرض کہ نگاہِ شوق کے لئے در و دیوار بال و پر ہو جاتے ہیں۔

(۲) "تو فوراً شک" آنسوؤں کا تار۔ یارو نے کی کثرتِ بدکاشانہ مکانِ "رنگ" حال یعنی رونے کے طوفان نے دروازوں کو گرا دیا ہے، اور دروازوں کے سامنے انبار ہو گیا ہے یعنی ایک دیوار سی بن گئی ہے، اور دیواروں کی شکستگی سے دروازے بن گئے ہیں۔

رہتا، لڑید، خوشخبری، "مفہم" آمد۔ یعنی سایہ دریا نہیں ہے، بلکہ دوست کے غیر مفہم کے لئے درو دیوار آگے بڑھے ہیں۔
(۴) جلوہ درو دیوار ہار کو مٹے سے تعبیر کیا ہے، اور یہ مبالغہ کلام ہے کہ درو دیوار پر بھی مستی و نشاط کا عالم ہے۔

(۵) "متاع" جنس مراو ہے۔ "متاع نظر" انتظار سے استعارہ ہے۔ "میر سووا" خیال خریداری۔ یعنی اگر تجھ کو سولے انتظار خریدنا ہو تو۔ آ۔ درو دیوار اس جنس کی دکان ہے رکیوں کہ میری پر شوق نگاہیں، اور درو دیوار پر جم گئی ہیں۔
(۶) یعنی میرے گھر کی درو دیوار کا سایہ اس کے درو دیوار پر پڑتا تھا گویا میرے درو دیوار اس کے درو دیوار پر قربان و قربا ہو رہے تھے۔

(۷) دریائی و صحرا کے مقابلہ میں آبادی، "مکانیت" اور درو دیوار سے مقصود ہے۔ ادراک گھوڑوں میں کسی شے کے کھٹکے سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ تو گویا یہ آبادی ناگوار ہے، اور گریہ ہجر و شراق کی غایت یہی ہے۔

(۸) مبالغہ ہے۔ یعنی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے رونے کی تیاری کی ہو اور درو دیوار گردہ پڑے ہیوں "پاؤں پر گنا" یعنی اظہارِ عجز کرنا کہ اگر آپ گریہ کریں گے تو سیل گریہ ہمیں ہسا دے گا، مگر نتیجہ ایک ہی نکلا کہ بجائے سیل گریہ سے گرنے کے عجز و خوف سے گر پڑے۔

(۹) درو دیوار کے گریہ کے کورقص سے تشبیہ دے گا، سیلاب

کی مسترت بربادی کا اظہار کیا ہے۔

(۱۰) غالب : مراد محبت، سنیے کی تاب و طاقت کسی میں نہیں ،
درو دیوار، مے جان و دل ہیں ۔ اس لئے شاید یہ سن کر سناکت
و جامد قائم رہ سکیں تو ان سے کہنا نہ کہنا برابر ہے ۔

۱	گھر جب بنا لیا ترے در پر کے بغیر	۱	جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کے بغیر
۲	کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سخن	۲	جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کے بغیر
۳	کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہاں میں	۳	لیوے نہ کوئی نام ، ستمگر کے بغیر
۴	جی ہی میں کچھ نہیں ہے ہمارے دگر نہ ہم	۴	سجائے یا رہے نہ رہیں پر کے بغیر
۵	چھوڑ دنگائیں نہ اُس بُت کا دُکا پوتا	۵	چھوڑے نہ خلق کو مجھے کا فر کے بغیر
۶	مقص ہے ناز و غمزہ وئے گفتگو میں کام	۶	چلتا نہیں ہے دشمنہ و دشمن کے بغیر
۷	ہرچیز ہو مشاہدہ حق کی گفتگو	۷	بہتی نہیں ہے باد و ساغر کے بغیر
۸	بہا ہوں میں تو چاہئے دوناہ و الفت	۸	سنتا نہیں ہوں بات بکر کے بغیر

۹
غالب : نہ کر حسیہ میں تو پار بار عرض
ظاہر ہے میرا حال سب ان پر کے بغیر

(۱۱) یہ تمام بیان شعر بزدانِ حال ہے۔ کہ جب مجھ میں تو سب
گویائی باقی تھی اُس وقت تو چرسش حال فرمائی نہیں ۔ اب
سکوت موت کے وقت ارفع الزام کے لئے فرما ہے میں کہ
میں بھلا بغیر کے ، کسی کے حال دل سے کس طرح واقف
ہو سکتا ہوں ۔

(۱۲) یعنی ہمشہیر زمانہ جفا پیشہ سے واسطہ الفت قائم ہے ۔

(۱۳) یعنی ہم جہاں چاہیں تو اس لئے کہ دل میں کچھ باقی نہیں ۔

ور نہ دل میں کچھ ہو تو بلا اندیشہ انجام کہہ گذرتے ہیں۔
(۵) چاہے زمانہ مجھے کافر ہی کیوں نہ کہے لیکر میں اس منکر عشق
کی محبت سے منہ نہ موڑوں گا۔

(۶) مراد یہ ہے کہ مقوم قلبی، کی تعلیم کے لئے ضروری ہے، کہ
تمثیلات و تشبیہات سے کام لیا جائے۔

(۷) سچ یہ ہے کہ امثال و تشبیہ اگر نہ ہوں تو ہزاروں اثرات
و کیفیات کے علم و تمیز اور سرسری احساس سے بھی انسان
محروم رہ جائے۔ پس مشاہدہ جمال حق کی گفتگو اگر ہو، تو سوا
اس کے کیا چارہ کار ہو سکتا ہے کہ ہم ان تمثیلات سے کام
لیں۔ جو ہمارے دہن و فکر کے منتہا ہے پرواز تک پہنچتی
ہوں۔

(۸) ایک مطالبہ اثبات ہے۔

(۹) یعنی بار بار عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ حضور کو
بقیہ کے سب احوال معلوم ہے۔

۱	کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر	جلتا ہوں اپنی طاقت ویدار دیکھ کر
۲	آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے	سرگرم نالہ ہائے شرر بار دیکھ کر
۳	کیا آبرو ہے عشق، جہاں عام ہو جفا	رکتا ہوں، تم کیسے سبب آزار دیکھ کر
۴	آتا ہے میرے قتل کو، پرچہ تر شاہی	مرتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
۵	ثابت ہوا ہے گرہن مینا پہ نون خلق	لرزے ہے موج مئے تیری رفتار دیکھ کر
۶	واحد تاکہ یار نے، عین استم سے ہاتھ	ہم کو خلیص لذت آزار دیکھ کر
۷	کہہ جاوے ہیں ہم آہ و تاج سخن کیا	سب کس عریاں، تاج خنیاں دیکھ کر

۸	زُتار باندھ سبھہ صد روانہ توڑ ڈال	۹	رہسرو چلنے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر
۱۰	ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں	۱۱	جی خوش ہوا ہے راہ کو پڑھا دیکھ کر
۱۲	کیا بارگمان ہے مجھ سے کہ آئینے میں کے	۱۳	طوطی کا عکس سمجھے ہے رنگار دیکھ کر
۱۴	گرنی تھی ہم پہ برق بجلی نہ طور پر	۱۵	دیتے ہیں بارہ طرف فلج خوار دیکھ کر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

(۱۱) "جلتا ہوں" یعنی رشک سے جلتا ہوں (رشک و حسد سے
جلنا محاورہ ہے) مطلب ہے کہ اگر برق جمال سے بچ گیا تو
رشک سے جلتا ہوں۔ بہر حال جلتا ہوں!

(۱۲) "شرر باری نالہ"، اور آتش پرستی کی رعایت لفظی ہے۔
(۱۳) "بے سبب آزار" بے وجہ ستانے والا۔ معشوق کے ستانے
کی صرف ایک ہی وجہ ہونی چاہئے۔ یعنی راعتماد، و امتحان
عشق، اور اگر محبوب امتحان اور اعتماد نہ ستاتا ہو بلکہ عادتاً
جفا جو ہو تو عشاق کو لذت الم نہیں ملتی، اور غم و حسرت میں
امتیاز عشق باقی نہیں رہتا!

(۱۴) یعنی "تلوار ان کے ہاتھ میں ہو، اور ہم اُس درخت رنگین
کو کبھی چھو بھی نہ سکے، اور گو وہ ہمارے ہی قتل کو آتے ہیں،
مگر ہم پہلے ہی سے اداسے تیغ کے رشک میں ہلاک ہوئے
جلتے ہیں۔

(۱۵) "سُحان اللہ"۔ کیا ہی رنگین کلام ہے اور کیسا دل کش انداز
بیان ہے۔ "مینا" اگرچہ نقوش جواہرین کو کہتے ہیں مگر شعرا کے

یہاں صراحی مئے کے لئے مستعمل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیری رفتار میں بستی و نشاط نے اور زیادہ متوالا پن پیدا کر دیا۔ جس کو دیکھ کر ہزاروں ہلاک خرام ہو گئے، تو گویا، خلق اللہ کا یہ خون صراحی کی گردن پر سوار ہوا اور اس خون ناحق کے خوف سے موج مئے کا نپ رہی ہے۔

(۶) "وا حسرتاً الفاطی" تاسعت میں سے ہے۔ یعنی افسوس انہوں نے مجھے لذتِ آزار کا طالب دیکھ کر ستم کرنا بھی چھوڑ دیا۔ (۷) "مقلع" جنسِ فروختنی "سخن" کلامِ شاعر "عیار طبع" معیارِ طبیعت۔ یہاں قدر شناسی اور داد کی اہلیت مراد ہے۔ مطلب ہے کہ ہم تو کلام کے ساتھ خود یک جاتے ہیں، بشرطیکہ سامع میں قدر دانی، سخن بینی، اور جوہر شناسی کی اہلیت ہو ورنہ خود یک جانے کا مفہوم بن۔ ہذا احسان ہونا ہے (یعنی اگر کوئی ہمارے کلام کی قدر کرے، تو ہم احسان مند بھی ہوتے ہیں۔

(۸) ظاہر ہے کہ شجرِ رقیب کے دانوں سے تاکے میں نشیب و فراز پیدا ہو جاتے ہیں ان ہی نشیب و فراز سے ہمواری و ناہمواری راہِ زمار و سجدہ بیان کی ہے۔

(۹) یعنی اب کانٹوں سے آیلے ٹوٹ جائیں گے۔

(۱۰) "آئینہ" دل سے، طوطی، معشوق سے، رنگارنگ۔ لوطی حرمان نصیبی، اور تکرر طبع سے استعارہ ہے "رنگار" و "طوطی" ہیں رنگ و جبرِ شجر ہے مطلب ہے کہ وہ میرے آئینہ "دل

میں، لوٹ حرمیں نصیبی دیکھ کر یہ پرگانی کرتا ہے کہ کسی اور کی محبت میں مبتلا ہے۔

(۱۱) جلوہ طور سے خطاب ہے کہ شراب، میخوار کا طرف دیکھ کر دیا کرتے ہیں، بھلا پتھر میں برق جمال کی برداشت کہاں تھی یہ بھلی تو ہم ہی پر گرتی تو مناسب تھا! (۱۲) یعنی اسی دیوار سے سر بھوڑا کرتا تھا، دیوار دیکھنے سے غالب یاد آ گیا۔

لڑتا ہے میرا دل زحمت سرور خشاں پر
میں ہوں وہ قطرہ شبنم کہ ہو خایہ بیاں پر (۱)
نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر (۲)

نما تعلیم درس بخود می ہوں اُس زمانے سے
کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوار و بستاں پر (۳)
وراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے
بہم گم صبح کرتے پارہ ہائے دل نمکدان پر (۴)

نہیں اقلیم الفت میں کوئی طومار ناز ایسا
کہ پشت چشم سے جسکے نہ ہوئے در عنوان پر (۵)
مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتش پرستی تھی گلستاں پر (۶)

بجز پرواز شوق ناز کیا باقی رہا ہو گا
قیامت اک ہوائے تند ہے خاک شہیاں پر (۷)

بہ لڑنا صبح سے غالب کیا ہو اگر بسنے شہت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

(۸)

(۱) لفظ بیاباں، کو پہلے نظر رکھ کر اگر خیال آفرینی سے کام
لیا جائے، تو ”زحمت ہر درخشاں“ کا یہ مفہوم ہو گا، میں ان
تک کے لئے کہنے اور اس وحدت و حرارت میں خود آفتاب پر
کیا کچھ تکلیف نہ گذرتی ہوگی باقی شعر میں، زحمت ہر درخشاں
کے لئے کوئی ثبوت نہیں۔ البتہ دل کے لرزے کی تشبیہ اس
قطرہ شبنم سے جو سرخار پر ہو، بہت ہی اعلیٰ و لطیف ہے۔
(۲) خانہ آرائی کی آرایش ”سفیدی دیدہ“ آنکھ کی پتلی کے گرد
جو سفید حصہ چشم ہوتا ہے اس کو سفیدی ہی کہتے ہیں لیکن
مجاورہ میں ”آنکھیں سفید ہو جانا“ کے معنی بینائی اور نور
جاتا رہنا، اور اندھے ہو جانے کے ہیں۔ اور خصوصاً روتے
روتے اندھے ہو جانے کے لئے یہ مجاورہ مخصوص ہے۔
بیٹے کو بھی مجاورہ میں نور نظر، نور چشم وغیرہ کہتے ہیں۔ شعر میں،
حضرت دوست کے قصہ سے تلخیص ہے اور باقی لفظی رعایات ہیں۔
(۳) فنا تعلیم درس بخودی، بخودی کے سبق سے تعلیم فنا
حاصل کرنے والا۔ اصل میں ”بخودی“ کے معنی اپنے آپ سے
بے خبر ہو جانے کے ہیں، اور اہل سلوک و معرفت کے یہاں
اسی مقام کو ”فنی“ انایت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ مقام
مراتب فنا میں سے ہے ”فنا“ اس مقام و مرتبہ کا نام ہے جبکہ
سالک اپنی ہستی، یعنی خودی اور تمام غیریتوں کو مٹا، اور

فراموش کر چکا ہو۔ لام، الف (لام) عربی میں لائے نفی ہے
 کلمہ تو حید "لا الہ الا اللہ" کی ابتداء اسی حرف نفی سے ہوتی ہے،
 پھر صوفیائے کرام کے یہاں "موجودیت" "غیر الہی" "مقصودیت"
 "غیر الہی" اور "محبوبیت" "غیر الہی" وغیرہ کے لئے بھی کلمات ہیں،
 اور نفس کشی کی تعلیم کامبرادری میں سے ہے! ————— "مجنوں"
 رقیس کی طرف، "لام الف" منسوب کرنے میں، دوسری رعایت
 یہ ملحوظ ہے، کہ نام لیلیٰ کا پہلا حرف (لا) ہی ہے "ولہستان"
 (ادبستان) مکتب۔ یا مدرسہ "دیوار پر لکھنا" یا سکل ہی
 مبت۔ یا نہ اور طغیلا نہ پن کا ثبوت ہے۔ مطلب ہے کہ اس میں
 تعلیم فنا میں اس وقت سے مصروف ہیں۔ جب قیس مبتداری
 تھا، یا جب کہ قیس کو لیلے کا پورا نام بھی لینا نہ آتا تھا بلکہ صرف
 لام الف کی مشق کرتا تھا، یا جب کہ اس کے خانہ عشق میں
 صفر (۰) تھا، یا جب کہ وہاں عشق کے نام، نفی تھی گویا مجکو
 قیس پر افضلیت حاصل ہے!!

(۴) "نشویش مرہم" جستجوئے مرہم۔ یعنی، بعض پارہ ہائے دل
 لذت گیر نمکداں ہونا چاہتے ہیں، اور بعض کو مرہم درکار ہے
 کاش سب کے سب لذت نمک کے طالب ہوتے تو تلاش
 مرہم کی کاوش نہ ہوتی۔

(۵) "اقلیم ملک" دارالحکومت حسن مراد ہے۔ "طومار" حکم یا
 فرمان، یا شاہی مراسلات "طومار ناز" معشوق سے استعارہ
 ہے "چشم و قمر" میں تشبیہ ہے "پشت چشم" الٹی نگاہ، یا پری ہوئی

آنکھ، یا بدلی ہوئی نظر۔ مطلب یہ ہے کہ، فرا میں حسن پر
کچ ادا میوں کی مڑ ہوتی ہے۔ یا معشوق کی فرمائشیں ستم سے
خالی نہیں ہوتیں۔

(۶) شفقی بادل، اور آگ میں، رنگ و چہرہ ہے۔

(۷) یعنی شوق و پیار جمال، کی پرواز کے سواء شہدائے ناز ہیں
اب باقی ہی کیا ہو گا کہ قیامت ان کو اٹھا لے گی، البتہ
ہو اسے تیز و تند ہو کر خاکِ مزار اڑا سکتی ہے، یا قیامت
اُس ہو اسے تنہا سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، جو پرواز میں
بروے۔

(۸) یعنی نامعنے اگر نصیحت میں شدت کی تو اس کا یہی جواب
ہو سکتا ہے، کہ فی الفور گر بیان چاک کر دیا جائے تاکہ اسے
معلوم ہو جائے کہ اُس کی نصیحت کی کس قدر وقعت کی گئی۔

ہے بسکہ ہر اک ان کے اشاسے میں نشاں اور

(۱۱)

کرتے ہیں محبت تو گذرتا ہے گمساں اور

یار ب! وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گھمیری بات

(۱۲)

مے اور دل ان کو جو نہ مے مجاہد زباں اور

آہ و سہے کیا اُس نگر ناز کو پیوند

(۱۳)

ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کمان اور

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے

(۱۴)

لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور

ہر چہ سبک دست ہوئے بیت شکنی میں (۱۵)

ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

ہے خون جگر جوش میں دل کھول کے روتا
(۶)

ہوتے جو کئی دیدہ و خوشیا بہ قشاں، اور
مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سراٹ جائے
جلاد سے لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور (۷)

لوگوں کو ہے نور شہر جہاں تاب کا دھوکا
(۸)

ہر روز دکھاتا ہوں میں، اک دن اے نہاں اور
لیتا، نہ اگر دل تمہیں دیتا، کوئی دم چین
کرتا، جو نہ مرتا، کوئی دن آہ فغاں اور (۹)

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
(۱۰)

رکتی ہے سری طبع تو ہوتی ہے رواں اور
ہیں اور بھی دنیا میں سفیر بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور (۱۱)

(۱) یعنی اے فریب حسن! یہ کچھ سمجھت افزائی نہیں، "دھمکتا،

(۲) یعنی وہ میرے کلام شوق سے، آرزوئے وصل پر آگاہ

نہیں ہوتے، اور میں رعب حسن یا خود اسی ضبط سے کام

لیتا ہوں، اور صاف صاف عرض مطلب سے قاصر ہوں۔

پس اے خدا! ان کو دل جذبات شناس نہیں دیتا تو مجھی کو

زندہ نہ کلاتی کی قوت عطا فرما دے!

(۳) "کمان" عام استعارہ "ابرو" سے ہے۔ مطلب ہے کہ

اہر سے نگاہیوں کا کوئی تعلق ہی نہیں، نگاہ بے ضرور ہے۔ لیکن

اس تیر کی کمان تو گردش چشم کو سمجھنا چاہئے۔

(۴) یعنی اس کے حسن نے تو سارے شہر کو جاں بلب اور دل بکف بنا رکھا ہے، ہم جس سے چاہیں گے، دوسرے جان و دل، بازار سے خرید لائیں گے۔

(۵) "سنگ و سرت" تیر و دست، یا ہاتھ کا صاف ہونا "بت شکنی" بت توڑنا، "عالم توحید" میں الفاظ "بت" و "صنم" کا ہر موجود غیر خدا اور ہر مفہوم ماسوا اللہ پر اطلاق ہوتا ہے اور راہ معرفت میں، "انانیت" و "خودی" بھی، ایک بھٹوگر، ایک سنگ راہ اور رکاوٹ ہے۔ چنانچہ شعر میں "ہم" یعنی "خودی"، ہی کو سنگ گراں کہا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ اگرچہ بت شکنی میں ہمارا ہاتھ صاف اور رواں ہو گیا ہے، لیکن جب تک ہم کو اپنی ہستی کا احساس باقی ہے اس وقت تک شرک کا خاتمہ نہ سمجھنا چاہئے!

(۶) "ویدہ خونہا بہ فشاں" خون روئے والی آنکھ۔

(۷) یعنی اس کی آواز ترغیب شہادت ہے۔

(۸) شعراء داغ کی آفتاب سے تشبیہ و پیکرتے ہیں، ہر روز تازہ داغ کھانے اور دکھانے میں، یہ تازگی ہے کہ آفتاب بھی ہر روز نکلتا ہے۔

(۹) یہ بہت لطیف تقریر ہے۔ "لینا" کو ربط ہے "چہن" سے

"مکرتا" مربوط ہے "آہ و فغاں" سے۔ عربی میں تعقیب معنوی اور

لفظی دونوں معیوب ہیں۔ فارسی میں تعقیب معنوی اعیانہ تعقیب۔

لفظی جائز، بلکہ فصیح و ملج۔ یہ بیختہ، تقلید ہے فارسی کی۔ مائل
معنی مصرعین یہ کہ۔ اگر ول تمہیں نہ دیتا، تو کوئی دم چین لیتا، اگر
نہ مریا تو کوئی دم اور آہ و فغاں کرتا (ماخوذ از مکتوبہ اوستا و غالب)
(۱) "راہ" "روانی" وغیرہ مناسبات لفظی ہیں، یعنی جب آہ،
نگو گیر ہوتی ہے، یا دم گھٹتا ہے تو نالے بلند ہوتے ہیں، اور
جب طبیعت الجھتی ہے تو اضطراب برپا ہوتا ہے (ماخوذ از طبیعت
مماثل روانی ہے)

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان رنگ آخر
(۱) تغیر، آب بر جامانہ کا، پاتا ہے رنگ آخر
نہ کی سامان عیش و بھلائی تہا پیر وحشت کی
(۲) ہوا جام زمرہ بھی مجھے داغ پلنگ آخر

(۱) "صفائے حیرت" آئینہ کی قلعی۔ آئینہ کا وصف شعراء، "حیرت"
لکھا کرتے ہیں۔ اور حیرت کی خاصیت "جمود" و عدم حرکت ہے
"آب بر جامانہ" ٹھیرا ہوا رُکا ہوا، غیر روان پانی۔ "تغیر"
تبدیلی۔ مطلب ہے کہ جس طرح رُکے ہوئے پانی پر، گاہی
وغیرہ جم جاتی ہے، اُسی طرح آب آئینہ رنگ سے متبدل
ہو جاتا ہے۔

(۲) وحشت و خوف سے وہیم شبہ کی تمثیل دی ہے۔ یعنی وحشت
میں مجھے جام زمرہ چیتے کے داغ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

جنوں کی دستگیر ہی کس سے ہو کر ہو نہ دریائی
(۱) گریباں چاک کما حق ہو گیا ہے میری گروں پر

- (۲) برنگ کاغذ آتش زدہ نیزنگ بیتابی
ہزار آئینہ دل پاند سے ہے بال یکتہ پیدن پر
- (۳) فلک سے ہم کو فیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرق و رہزن پر
- (۴) ہم اور وہ بے مہذب پنج آشنا دشمن کہ کہتا ہے
شعلہ ہر سے تہمت نگر کی چشم روزن پر
- (۵) فنا کو سوئے گر مشاق ہے اپنی حقیقت کا
فروع طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر
- (۶) اسے بیل سے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
کہ مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

(۱) گریبان چاک "باضافت مقلوب، چاک گریبان - یعنی
چاک گریبان کا میں منت کش ہوں اگر یہ باعث عریانی نہ بن
جایا کرے، تو میرے دیوانگی کے سب ولولے مٹ جائیں۔
(۲) "نیزنگ" مثل "کاغذ آتش زدہ" جلتا ہوا کاغذ۔ "نیزنگ" طرح
طرح کے۔ یا شعبہ سے۔ "آئینہ بندہ" چمکانا، یا فروع دینا مراد
سے۔ آتش زدگی اور آئینہ بندہ میں تشبیہ ہے بال "پر۔
"ٹپیرن" تڑپنا۔ اور مبالغہ اڑنے سے تعبیر کیا ہے کاغذ
جب چلتا ہے، تو سُکڑ جاتا ہے سُکڑنے کی تشبیہ "ٹپیرن"
ہے۔ مطلب ہے کہ شرت سوز دل سے بے تابی اس طرح
بڑھتی ہے، جیسے کاغذ سوزاں، جلنے سے بیچ و تاب میں
آتا ہے۔

(۱۳) "عیشِ رفیقہ" گزرا ہوا عیش۔ "متاعِ برودہ" بہ بادِ شہ،
 یا مسروقہ مال۔ رہزن "مسافروں کو لوٹنے والا۔ یعنی عیش
 گزشتہ کو ہم نلک سے اس طرح واپس مانگ رہے ہیں۔
 جس طرح کوئی نادان، اپنی مسروقہ دولت چور پر قرض
 سمجھتا، اور واپسی کا تقاضا کرتا ہو۔

(۱۴) "بے سبب رنج آشنا" بے وجہ رنج۔ "ہو جانے والا
 رکھتا ہے" تھمت "سے مربوط ہے" نگر سے عاشق کی نگاہ
 مراد ہے۔ دیوارِ دور کے "روزن" کی تشبیہ آنکھ سے دی
 گئی ہے۔ مطلب ہے، کہ ہم، اور ہزاروں قسم کے شوق و
 طلب، اور وہ ایسا فتنہ جو کہ آفتاب کی شعاع، جو روزن
 دیوار میں سے چھنتی ہو، اس پر نگاہ عاشق کی تھمت رکھ کر
 خفا ہو جاتا ہو، (دیکھئے کس طرح بنتی ہے)

(۱۵) "فروغِ خاشاک" گھاس پھوس کی قسمت کا عروج
 "گلشنِ انگلیشی" یا آتشِ ان۔ گھاس پھوس ہستی انسان کی
 تھیل سے۔ یعنی اگر اپنی حقیقت معلوم کرنا پڑو کہ فروغِ اصلیت
 و معرفت تک پہنچانا چاہتا ہے تو خودی مٹا دے اور اپنے
 خاشاک ہستی کو آتشِ عشقِ الہی میں جلا دے، کیونکہ خاشاک
 کی قسمت انگلیشی ہی میں چلتی ہے!!

(۱۶) "خدا جانے"، "اُس" کس اداسے تازہ کا دیوانہ ہے، کہ خود
 قاتل کو ترغیب دے رہا ہے اور دونوں جہاں قربان کئے
 رہتا ہے (سبحان اللہ کیا مضمون، اور کیا اسلوب بیان ہے)

(۱) شکش، مصلحت سے ہوں، کہ خواہاں تجھ پر عاشق ہیں
مکلف برطرف مل جائے گا تجھ سارِ قیاب آخر

”اسم کش“ بیا د پسند ہو مکلف برطرف ”آخر الامر، یا المختصر،
یا غرض کہ۔ یعنی میں مصلحتاً بیا د عشق کو گوارا کر رہا ہوں۔ اس لئے
کہ تجھ پر اکثر حسین بھی ہوتے رہتے ہیں کبھی نہ کبھی تیری صورت
و جمال کا مجھے کوئی رقیب، مل جائے گا، تو اپنی دل بستگی
اسی سے ہو جائے گی!

۱	ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز	فارغ مجھے نہ جان کہ مانن۔ صبح ہر
۲	ہوں گل فروش شیفی داغ کہن ہنوز	ہے نازِ مفلساں ز رازِ دستِ رفتہ پر
۳	غیا زہ کھینچے ہے بت بیدار دفن ہنوز	میخانہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں

(۱) ”فارغ“ بے علاقہ و بے فکر۔ سفید۔ نئی کفن سے صبح کی اور داغ
سے آفتات کی تسبیہ ہے۔ ”داغِ دل“ کا مقام، گوشہٴ صدر ہے،
جیب کا لفظ اسی رعایت سے لائے ہیں۔ مطلب ہے کہ مجھے
مرنے کے بعد بھی دورہٴ لیل و نہار نے فرصت نہ دی اور صبح کفن
سے آفتابِ داغ نکلا ہوا ہے اور مصروفِ کار و بار۔

(۲) ”رازِ دستِ رفتہ“ ضائع شدہ، یا خرچ شدہ دولت
”داغِ کہن“ پرانا داغ ”گل“ ”اشرفی“ ”وَدیم“ (دولت) اور
”زخم“ یا داغ، سب میں تشبیہ اور رعایت ہوتی ہے۔ بلکہ عام
ظہور پر، گلِ داغ اور داغِ گل۔ گلِ زخم و زخمِ گل کھیا کرتے ہیں۔
یہاں بھی یہ تمام رعایتیں ملحوظ ہیں۔ مطلب ہے کہ جس طرح
فضولِ بختیوں سے مفلس ہو کر لوگ مفاسی میں اپنی گزشتہ

دولتمندی پر فخر کرتے ہیں، میں بھی اپنے زخم کہن کو تازہ رکھتا، اور
اُس داغ کہن میں نئی نئی شونیاں نظارہ کرتا ہوں!

(۴) ”خمیازہ کھینچے ہوئے“ انگڑائی لیتا ہے۔ خون و شراب میں
”رنگ“ وجہ مشہور ہے۔ اسی رعایت سے جگر کے ساتھ
میخانہ استعمال ہوا ہے۔ انگڑائیاں نشہ اترنے اور شراب کی
مزید طلب میں آیا کرتی ہیں ”خمیازہ“ سے یہاں راہ بچا کر نکلتا بھی
ظاہر ہوتا ہے، اور خود معشوقوں کی انگڑائی بھی ایک اولیٰ ناز
اور اشتیاق انگیز حرکت ہوا کرتی ہے۔ مطلب ہے کہ وہ
ابھی تک آمادہ ستم ہیں، اور یہاں طاقت ضبط ہی نہیں!
یا وہ آمادہ ایذا رسانی ہیں اور یہاں غم میں روئے روتے
سب خون جسگر ختم ہو چکا۔

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز	۱	دعا قبول ہو یا رب! کہ عمرِ خضر دراز
نہ ہو بہر زہِ بیاباں نورد و ہم و بود	۲	ہنوز تیرے تصویر میں ہے شیریںِ فراز
وصالِ جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہاں	۳	کہ دیجے آئینہ انتظار کو پرواز
ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتاب پرست	۴	گئی نہ خاک ہوئے پر ہوئے جلوہ تاز

نہ پوچھ وسعت سے خانہ جنوں غالب
جہاں یہ کاسہ گروں ہے ایک خاک انداز

(۵)

(۱) ”حریفِ مطلبِ مشکل“ یعنی کسی مشکل کے حل پر آمادہ اور مقابل
”فسون“ اثر و تاثیر ”نیاز“ عجز و الحاح۔ یعنی کسی دشواری میں
ہماری عاجزی کا تو کوئی اثر ہوتا ہی نہیں۔ تو، اے خدا، اب
ہم اس قسم کی دعا مانگا کریں گے جس میں کسی تاثیر کی ضرورت

ہی نہ ہو، اور گویا مقبول ہی ہو چکی ہو، مثلاً، اے خدا، حضور کی عمر دراز کر، یا اے خدا، کل صبح آفتاب نکلے، اور شام کو چھپ جائے۔ یا اے خدا آفتاب جب نکلے تو دھوپ بھی آس کے ساتھ ہو، وغیرہ۔

(۲) "ہرزہ" تافہی سے "وجود" ذات باری تعالیٰ "بیابان ثور" صحر اگر د، اور یہاں آوارہ گرد و یادہ مناسب ہے "دہم" و خیال جو غیر واقعی امور، اور غیر موجودہ اشیاء کو واقعی اور موجود کی طرح ذہن میں پیش و نمایاں کر دے "لثیب و فراز" پستی و بلندی، یا تنزل و عروج، یا مراتب امکان و وجوب مطلب ہے کہ جستجوئے ذات باری میں، لوہام و خواطر کی آوارہ گردیوں میں مبتلا نہ ہو، یہ سب واہمہ کی صورت آفرینیاں ہیں، اور ابھی تک تیرے تصور میں، پستی و عروج، اور این و آن کا امتیاز باقی ہے۔ اور کیرنگی و وحدۂ خیالی میسر نہیں!

(۳) "تماشا" دید-نظارہ "دماغ کہاں" "تاب کہاں" "انتظار" محاورہ کے معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ لغوی معنی، نظر کرنا، نظارہ کرنا وغیرہ مراد ہیں۔ "غور و تحسس" سے دیکھنے اور چاروں طرف نظر دوڑانے کا مفہوم، لفظ پرواز سے مترشح ہے۔ مطلب ہے کہ نظارۂ عام (تماشا) کرنے سے (یا مطالعہ و مشاہدہ کرنے سے) جلوہ سے وصل (یا حقیقت کا انکشاف) تو ہوتا ہے لیکن اتنی تاب و طاقت کہاں (یا اتنی قدرت و عقل کہاں) کہ چاروں طرف نظر دوڑائیں (یا عام موجودات و مطلقا ہر قدرت پر۔

غور کر سکیں)

(۴) یعنی عاشق کا ہر ذرہ خاک آفتاب کے مقابل ہے، اور مرنے کے بعد اشتیاق نظارۂ جمال میں نہیں۔

(۵) "میخانہ جنوں" عالم جنوں و الہیت مراد ہے۔ اسی رعایت سے "آئل (گردوں) کے ساتھ" کاسہ (پیالہ) کی ترکیب ہے، لیکن پھر بھی اس کو جامِ شراب یا ساغر سے، نہ کہنا، شانِ ضمون پر دلالت کرتا ہے۔ "خاک انداز" گوشہ و غیرہ بھینکنے کا برتن۔ یعنی عالم جنوں اتنا وسیع ہے کہ آسمان کی عظمت خاک انداز کی برابر ہے۔

۱	گذر سے ہے آبلہ پا ابر گریز باز ہنوز
۲	نقش پایں ہے تپ گرمی ز قمار ہنوز

(۱) "آستی" کے لغوی معنی دوڑنے سے ہیں۔ "سرتاسر" بلندی سے سطح زمین تک مراد ہے۔ قطراتِ باران سے آبلہ پانی کی تشبیہ ہے۔ "وسعت" میں آبلہ پانی کی رعایت ملحوظ ہے۔ مطلب ہے کہ جوشِ گرم کی فراوانی دیکھئے کہ سارے جہان میں پھرتے پھرتے گویا ابر گریز آبلہ پا ہو گیا ہے۔

(۲) "یکلکم بالکل" کاغذ و نقش کی لفظی رعایت ملحوظ ہے۔ "دشت" ریگستانِ تپ گرمی۔ مطلب ہے کہ ابھی تک گرمی ز قمار سے نقش پا جل رہے ہیں، اور صفحہ دشت، کاغذ آتشزدہ بن گیا ہے۔

۱	کیا نہیں ہے بچے ایمسان عزیز
۲	دل سے نکلا یہ نہ نکلا دل سے

۳	تاب لائے ہی بنے گی غالب واقعہ سخت ہے، اور جان عزیز
<p>(۱) یعنی عشق ہمارا مذہب ہے، اور اس بہت سے عشق ہے تو اس پر ایمان ہے، ایمان، جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے ایمان کی راہ میں جان جاتی رہے، تو پرواہیں ! (۲) پیکان تیر کی آبی یا پتر یعنی گویا تیر دل کے پار لنگ گیا لیکن اس کی یاد و نشان زخم ہاتی ہے۔ (۳) یعنی لطف زندگی، بلکہ زندگی کا انحصار تو عشق پر ہے، اگر عشق میں مصائب کا سامنا ہوتا ہے تو ہٹوا کرے، تمام سختیاں گوارا ہیں کیونکہ جان عزیز ہے، جو عشق سے وابستہ ہے۔</p>	
۱	نہ گل نغمہ ہوں نہ پردہ ساز
۲	تو اور آرائش خم کا کل
۳	لاف تمکین فریب سادہ دلی
۴	ہوں گرفتار الفت صیاد
۵	وہ بھی دن ہو کہ اس ستمگر سے
۶	نہیں دل میں مے وہ قطرہ خوں
۷	اے ترا جلوہ یک قلم انگیز
۸	تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو
۹	مجھ کو پوچھا تو کچھ غصہ نہ ہوا
اسد اللہ خاں شمس ہوا اے دریغا! وہ زند شاہد باز	
۱۰	

۱) ”گل“ کا استعمال بہت سے معنوں میں ہوتا ہے، اور مختلف لفظوں سے ترکیب پاکر ہر موقع پر، مناسبت کے اعتبار سے مختلف معنی دیتا ہے۔ لیکن اس سے یہ خیال نہ ہونا چاہیے کہ مفہوم وضعی بدل جاتا ہے، بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ ”گل“ رنگ، ٹوٹہ، شکستگی وغیرہ رکھتا ہے، پس کہیں رنگ کی رعایت مقدم ہوتی ہے، کہیں ٹوٹہ کی مناسبت ملحوظ رہتی ہے۔ کہیں شکستگی مفقود و بیاں ہوا کرتی ہے۔ ”گل نغمہ“ میں شکستگی مطلوب ہے۔ کیونکہ کلی سے جب پھول ہوتا ہے، تو اس کھلنے کو چٹکانا کہتے ہیں، اور چٹکانا اسماء صوت میں سے ہے اور ”صوت“ ”نغمہ“ ایک ہی حقیقت رکھتے ہیں۔ ”ساز“ یا جا۔ نغمہ کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ ”پروہ“ یا جے کے وہ آلات، جن کے دبانے یا ضرب کرنے سے نغمہ پیدا ہوتا ہے۔ ”شکست“ رنج و غم مراد ہے، اور رنجہ و صوت وغیرہ کی رعایت ہے۔ مطلب یہ کہ نہ تو وہیں صدائے عیش و سرور ہوں نہ پروہ ساز ہوں بلکہ اپنی شکستہ خاطر کی کانالہ زار اور اپنے رنج و غم کی صدائے فغاں ہوں۔

۲) ”آرائش“ سنوارنا۔ ”نغمہ کا گل“ زلفوں کے بیج، یا بالوں کے حلقے یا پھولے۔ درازی زلف شعر کے یہاں مسلم ہے، اسی درازی زلف کی رعایت سے اندیشہ کا (خطرے اور انکار) استعمال ہوا ہے۔ یعنی خدا جائے آج کیوں، آرائش مد نظر ہے کیا کہیں وغیرہ تو نہیں؟

(۳) لاف "دعویٰ، یا شیخی۔ تمکین" ضبط، یا خودداری۔ "فریب
سادہ دلی" نادانی کے دھوکے میں رہنا۔ "راز" ماستے سینہ گداز
سینہ دل سے استعارہ ہے، وہ راز جو دل پگھلا دیں یا جن
رازوں کے تحمل کی طاقت نہ ہو۔ یعنی وہ ہمارے ضبط و
خودداری کے دعوے، سادہ دلی کے فریب پر مبنی تھے
ورنہ ہمارے دل میں تو سوزِ عشق کے ایسے راز ہیں جو دل
پگھلا دیں!

(۴) جب صیاد سے محبت ٹھیری تو صید ہو جانے کا ڈر ہی
کیا۔ اور گرفتارِ اُلفت، طاقت پر وار ہونے پر بھی نہیں
اڑ سکتا!

(۵) یعنی اب تو صرف، ناز برداری کی حسرت ہی حسرت ہے۔ خدا
وہ دن لائے کہ بھائے حسرت کشی کے ناز کشی میسر ہو۔

(۶) گل بازی پھول بکھیرنا یعنی میرے دل میں ایسے ناکارہ خون کا
کوئی قطرہ نہیں جس نے آنسوؤں کو رنگین نہ کیا ہو۔

(۷) انگیز "اٹھا ہوا، یہاں غالباً انداز کی رعایت سے لائے ہیں
کہ انداز "و انگیز" انداختن و انگختن سے ماخوذ ہیں جو متضاد
معنی رکھتے ہیں۔ مطلب ہے کہ تیرا غمزہ التفات اٹھا دیتا ہے
اور تیرا ظلم گرا دیتا ہے۔ یا تیرا غمزہ بیساختہ ہے اور تیرا ظلم بھی
ادا کے ساتھ ہے۔

(۸) سجدے ادا کرنے کو فارسی والے 'ریزش' سجدہ لکھا کرتے
ہیں۔ "جین" پیشانی۔ "نیاز" عجز و منیت۔ یعنی تو جلوہ فرما ہوا۔

اس نیا زمند کے سجدہ ہائے ملت تجکو مبارک ہوں۔

(۹) دبے شک

(۱۰) "اے دریغا" کلمہ ماتم و افسوس۔ شاہد باز حسن
یا معشوق پرست۔

مژدہ اے فوق اسیری کہ نظر آتا ہے

(۱)

دام خالی تھنس مرغ گرفتار کے پاس

جگر تشنہ آزار تسلی نہ ہوا

(۲)

جوتے خوں ہم لے بہائی، بے ہزار کے پاس

مزد گیش کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہٹ

(۳)

خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس

میں بھی رک رک کئے مرتا، جوڑیاں کے بدلے

(۴)

دشمن اک تیز سا ہوتا سرے غمخوار کے پاس

دہن شیریں جا بیٹھتے لیکن اے دل

(۵)

نہ کھڑے ہو جے خوبان دل آزار کے پاس

دیکھ کر تجکو چمن، بس کہ ٹوکتا ہے

(۶)

خود بخود پیچھے ہے گل گوشہ دستار کے پاس

مرگیا پھوڑ کے سر غالت و حشی ہے ہے

(۷)

بیٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

(۱) نیا طاثر بھانسنے کے لئے، چال کے پاس، ایک طاثر کا

پنجرہ بھی رکھ دیتے ہیں، تاکہ ہم جنس کو دیکھ کر طاثر آزاد چال میں

آجاسے۔ یہی مطلب شعر کا ہے کہ تمام سامان گرفتاری

موجود ہے۔

(۲) "جگر تشنہ آزار" جگر ایذا طلب تسلی نہ ہوا۔ راحت یا آب نہ ہوا
یعنی آبلہ پانی میں دشت توردی کر کے ہم نے ہر کاسٹ کے
قریب ایک جوتے خون، پہا بہا دی، مگر پھر بھی جسکرا ایدا
طلب کی تشنگی خونفشانہ نہ بجھی۔

(۳) یعنی نظارہ و دیدار کے لئے آنکھیں کھولنے کا ارادہ کرتے
ہی کرتے، ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند ہو گئیں (یعنی موت
آگئی)

(۴) غمخوار کے سارے دلا سے اور تسلیاں مریض عشق کے لئے
بیکار نہ ہوتی ہیں ذرا اس کے دلا سوں سے طبیعت ٹھہرتی ہے
پھر بگڑ جاتی ہے، گویا سنبھلنا، پھر بگڑنا، رک رک کے مرنے
سے، اور ظاہر ہے کہ رک رک کے مرنے تکلیف دہ ہوتا ہے
مطلب ہے کہ میرے غمخوار کے پاس، بجائے اس زبان کے
جس پر الفاظ تسکین و تسلی جاری رہتے ہیں، تیز سی چھری
ہوتی، اور وہ چلتی تو آسانی سے موت آجاتی!

(۵) "نیش کے منہ میں جانا" محاورہ ہے، جس کے معنی، قضا کا سامنا
کرنے کے ہیں۔

(۶) شاعرانہ انداز بیان ہے، کہ سب اس کے شایق ہیں، اور
شوق کی تعبیر نمونے کی ہے۔

(۷) "ہے ہے" کلمہ افسوس ہے۔ مصرعہ ثانی میں لفظ "وہ" محاورہ
کی کمال بیباختگی کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔

<p>۱ نگار سے خانہ آئینہ میں روشنی نگار آتش ۲ نہ ٹکلی شمع کے پاس سے نکالے گرنہ خارا آتش</p>	<p>نہ لیوے گرخس جو ہر طراوت سبزہ خط سے فروغ حسن سے ہوتی ہے لاشکل عاشق</p>
<p>(۱) ظاہر ہے کہ تروتازہ تنکے، یعنی سبز گھاس، جلتی نہیں جوہر کی تشبیہ تنکوں سے دی ہے اور روسے جاناں کی سرخی جو آئینہ میں منعکس ہے، آتشزدگی کے مشابہ ہے۔ مطلب ہے کہ خرس جوہر آئینہ، خط جاناں سے تری حاصل کر لیتا ہے ورنہ آتش رخسار آئینہ میں آگ لگا دیتی۔ (۲) "کاشا نکنا" مشکل آسان ہو جانے کے معنی میں مستعمل ہے شمع کی بتی کی تشبیہ "خار" سے دی ہے۔ مطلب ہے کہ پائے شمع کا کاشا آتش شمع نکال دیتی ہے۔ اسی طرح عاشق کے دل کے خار ہٹے حسرت، آتش جمال دوست سے نکل سکتے ہیں۔</p>	<p>(۱) "تار شعل" وہ خطوط ابھیں مڑاویں جو غروب کے بعد اُفق پر نمایاں ہوتے ہیں اسی کو "جادرہ راہ" (ر نشان راہ۔ خط راہ) آفتاب کہا گیا ہے، اور ہلال یا ماہ تو نصف دائرہ اور آغوش کی شکل کا ہوتا ہے، اس کو آغوش وداع سے تعبیر کریں کہ سمندر آفتاب کو تمثیل کیا ہے۔ یعنی آفتاب کی راہ سفر تار شعل ہے اور آسمان کی آغوش وداع ماہ تو۔</p>
<p>۱ ہوئی ہے آتش نکل آب زندگانی شمع یہ بات بزم میں روش ہوئی زبانی شمع ۲ بطور اہل فنا ہے فسانہ خوانی شمع</p>	<p>نسخ نگار سے ہے سوز جاودانی شمع ۱ زبان اہل زباناں میں ہے مرگ خاموشی ۲ کوسے ہے صرف بایمانت شعلہ قصہ تمام</p>

۴	غم اس کو حسرت پر دانہ کا ہے اے شعلہ	ترسے لرزے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع
۵	تسے خیال سے روح اہتر اڑ کرتی ہے	بہ جلوہ ریزتی باد و بہ پر فشانے شمع
۶	نشاط داغ غم عشق کی بہار نہ پوچھ	شگفتگی سے شہید گل خزانے شمع

جلے ہے دیکھ کے بالین یار پر محمد کو
نہ کیوں ہو دل پرے داغ بدگمانی شمع

(۱) شمع، رُخ محبوب کی آتش حسد سے جلا کرتی ہے، شعراء کے مسلمات میں سے ہے، رُخ محبوب گل، اور شمع میں آب و تاب اور رنگ و چہ شبہ ہیں۔ مطلب ہے کہ محبوب کے رُخ سے شمع کو سوز و دہائی حاصل ہے، اور یہی آتش گل، شمع کے لئے آب حیات ہے!

(۲) شمع کی لو کو زبان شمع کہتے ہیں۔ اور بجھی ہوئی شمع کو شمع کشتہ کہتے ہیں۔ گویا شمع کی زندگی زبان شمع پر منحصر ہے۔ ”روشن ہوئی“ محاورہ برجستہ ہے بمعنی ثابت ہوئی یعنی، یہ بات شمع کی زبانی ثابت ہوئی کہ خاموشی آثار موت میں سے ہے۔

(۳) ”ایمانڈ اشارہ، لو کو اشارہ سے تعبیر کیا ہے۔ سوز شمع کو سوز عشق کہا جاتا ہے اور مصرعہ ثانی میں اہل قلم سے سوختہ جانان عشق مراد ہیں۔ ”قصہ تمام کرنا“ مٹانا یا فنا کرنا، اسی کا ترجمہ ”فسانہ خوانی“ استعمال ہوا ہے۔ مطلب ہے کہ جس طرح سوختہ جانان عشق کی فنا اور ان کی بربادی سے بزبان حال، فسانہ خوانی داستان عشق ہوتی ہے۔ اسی طرح شمع با اشارات شعلہ سوز عشق کا قصہ بیان کرتے ہوئے اپنا حاتمہ کر لیتی ہے۔

(۴) کمزوری سے کپکپی پیدا ہوتی ہے، اور یہ کیفیت، غم اور غصہ دونوں حالتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور شعلہ کی حرکات کو لرزے پر محمول کیا ہے، مطلب یہ کہ لے شعلہ اترے کانپنے اور تھر تھرانے سے معلوم ہوتا ہے کہ شمع، حال حسرت مال پر اندر پڑنا تو انی غم سے کانپ رہی ہے۔

(۵) "اہتراز" حرکت کرنا، پھر ٹکنا، رُوح کا پھر ٹکنا "دوا اعتبار سے محاورہ میں مستعمل ہے، یا تو جوش طلب اور اضطراب تمنا میں پھر ٹکنا، یا مسرت حاصل پر پھر ٹک جانا یہاں جوش مسرت اور اضطراب تمنا دونوں کیفیات مترشح ہیں۔ اگر خیال کے معنی "یاد" کے لئے جائیں تو اضطراب تمنا مفہوم ہوگا، اور اگر خیال کے معنی "تصور" سمجھے جائیں، تو جوش مسرت سے پھر ٹک جانا مراد ہے۔ اور مصرعہ ثانی میں "جلوہ ریزی باد" کا قرینہ مقتضی ہے، کہ خیال بمعنی تصور دل خوش کن، اور اہتراز بر بنائے جوش مسرت ہے۔ "بہ" دونوں جگہ قسیدہ ہے۔ جس سے تاکید اثبات، اور شوکت کلام مقصود ہے۔

"یاد" (ہوا) چونکہ خیال (تصور) سے مربوط ہے، اس لئے "جلوہ ریزی" کہا گیا ہے (اور یہ نئی بات ہے) غالباً یہ مناسبت بھی ملحوظ ہے کہ "لو" جلوہ ہے، اور ہوا بھی اس کو متحرک و مشتعل کرتی ہے، اور ہوا کے بغیر اشتعال ناممکن ہے پس "جلوہ ریزی" ہوا ہی سے ہوتی ہے اُپر فشانے شمع کی ترکیب

تمثیل، دقیق و بلیغ ہے۔ "پریشانی" (طائر کا پرواز کے لئے
پر پھیلا دینا) ہوا کی شدت سے لو، سرعت کے ساتھ متحرک
اور زبردست ہوتی ہے، اسی کو "پریشانی" شمع سے تعبیر کیا ہے
پھر شمع، اس طرح پریشانیوں کے بعد، اکثر بجھ جاتی اور
اپنی حیات ختم کر دیتی ہے، تو ہو ہوا، یا عیش اشتعال
(حیات شمع) یا باعث جلوہ ریزی ہوتی ہے، "اسی ہوا" کی
زیادتی اس کو (شمع کو) پریشان (کو کا زیر زبر کرنا) کرتی اور
بجھا دیتی ہے۔

"روح" اور "روح" (باد) ہوا، ایک ہی مادہ کے الفاظ اور
تقریباً ایک ہی خاصیت رکھتے ہیں مطلب ہے، کہ تیرا خیال
میری روح (چراغ حیات) انسانی کو اس طرح اہتراز میں لاتا
ہے، جس طرح ہوا شعلہ شمع کو، کہ باعث حیات بھی ہے۔
اور باعث ہلاکت بھی، یعنی تیرے خیال بغیر جی بھی نہیں سکتا۔

اور تیری یاد میں مرتا بھی ہوں !
(۱) "نشاط" خوشی۔ "داغ" کو تشبیہاً گل لکھتے ہیں، اس اعتبار سے
بہار و خزاں، لازم گل سے ہیں۔ پھر گل "شعلہ شمع" سے
استعارہ ہے اور چونکہ یہ گل شمع، ہستی شمع کو جلا دیتا ہے اس لئے
شمع کے لئے یہ گل باعث خزاں و بربادی ہے "گفتگی" "تاریخ بہار
میں سے ہے" "شہید" رنگ گل کی رعایت ہے اور معنی عاشق
اشتعال ہوا ہے۔ مطلب ہے کہ غم عشق نے گلہائے داغ
کھلائے ہیں، ان کی بہار و گفتگی گل شمع کے مانند ہے یعنی

ایسی بہار ہے جس سے خزان سوز نشوونما پاتی ہے۔
 (۷) ”بالین“ نہر ناتہ یعنی شمع جو جمال یار کے رشک و حسد میں
 جل رہی ہے یا سر بالین یار، مجھ کو دیکھ کر جلتی ہے، مجھے یہ
 جلن ہوتی ہے، کہ یہ سر بالین کیوں ہے؟ اس بدگمانی نے
 میرے دل پر داغ ڈال دیئے ہیں۔ کہ یہ رقابت کیسی؟

بیم رقیب سے نہیں کرتے وداع ہوش	۱	مجبوریاں تلک ہوئے اپنے اختیار حیف
جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم کیا جل گئے	۲	اے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

(۱) ”بیم رقیب“ غیر کا خوف۔ ”وداع“ رخصت۔ ”حیف“ کلمہ
 تاسف۔ ”مجبور و اختیار“ دو متضاد المعنی الفاظ ہیں، اُن کو
 مترادف المعنی طریقہ پر استعمال کیا ہے، اور یہ حسن استعمال
 ہے، یعنی رقیب کے اندیشہ سے ہمارے ہوش و حواس
 (خود دارانہ) رخصت نہیں ہوتے اور ہم باوجود اضطراب
 عشق، طبیعت پر اختیار اور قابو رکھتے ہیں، کہ وہ ہمارے اختیار
 حال کا مضحکہ نہ کر سکے، پس افسوس ہے کہ مجبوراً ہم اختیار کا
 عمل کرتے ہیں!

(۲) ”ناتمامی“ عدم کمال۔ ”نفس“ سانس۔ ”شعلہ بار“ سانس کی وہ
 مسئلہ صفت ہے جو اہل سوز و درد کے یہاں تسلیم کی جاتی ہے
 یعنی نفس شعلہ بار کی اس ناتمامی پر دل جلا جاتا ہے، کہ
 اس نے ہم کو ایک مرتبہ ہی میں کیوں نہ خاک کر دیا!

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلان بے پروا نمک
 کیا مزرہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

(۲) گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل
دُرِ ناہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

بجوارِ زانی رہے شجکو مبارک ہو جیو
(۳) نالہ بیل کا درد اور خندہ گل کا نمک

(۴) شورِ جولاں تھا، کنارِ بحر پر کس کا کہ آج
گردِ ساحل ہے، بزخمِ موجہ دریا نمک

داد دینا ہے مرے زخمِ جگر کی واہ واہ
(۵) یاد کرتا ہے مجھے دیکھ کے وہ جس کا نمک

(۶) چھوڑ کر جانا تن مجھ پر عیشِ حیف ہے
دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگیں ہیں اعضا نمک

غیر کی منت نہ کھینچوں گاپے توفیر درد
(۷) زخمِ مثلِ خندہ وصال ہے سرتاپا نمک

یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وجدِ ذوق میں
(۸) زخم سے گزرتا تو میں پلکوں سے چلتا تھا نمک

(۱) لوازمِ دیوانگی میں سے لڑکوں کا پتھر مارنا بھی ہے۔ شعرا کے

یہاں زخم پر نمک پاشی کی ایذا طلبی بھی عام ہے یعنی پتھر سے
زخم تو ہوتا ہے۔ لیکن نمک پاشی کی کمی رہ جاتی ہے، طفلانِ
بے پروا، بھلا اس رحمت کو کیوں گوارا کریں، کاش کہ پتھر میں
قدرتِ نمک کا ذخیرہ قرار ہم کر دیتی!

(۲) یعنی اگر چہ دنیا میں نمک کی کمی نہیں، لیکن میں اس سے
مستغنی ہوں، کیونکہ وہ گزیر یا رگی نہا کہ باوجودِ پیرایہ ہوتی ہے۔

اور میرے زخموں کے لئے بہترین نمک کا کام دیتی ہے۔
(۳۳) حاصل یہ کہ میری قسمت میں ہی عاشقانہ ستم کشی رہے، اور
تمہیں معشوقانہ جفا پروری مبارک۔

(۳۴) شور شور و غل۔ اور نمک کو بھی کہتے ہیں اور سمندر کا پانی
بھی شور (کھاری) ہوتا ہے۔ اور یہی لفظی قائدہ شعر میں
اٹھایا گیا ہے۔ "جولاں" دوڑنا۔ جوش و تموج دریا کو بھی جولانی
کہتے ہیں۔ "گردِ ساحل" دریا کے کنارے کی خاک "بزخیم موجہ دریا"
موج، زخم کے مشابہ ہوتی ہے، یعنی آج کس کے جولانی
اسپ کا "شور" مچا ہوا تھا، کہ جس نے تمام گردِ ساحل کو
نمکیں (پروٹن) کر دیا، پھر یہ گردِ جو اڑ کر موج زخیم دریا میں
پڑی تو اس نے یہ نمک پاشی کی، تیری (موج کی) جولانی
پیچ ہے، جولانی ایسی ہوتی ہے!

(۳۵) یعنی وہ جو نمک دیکھ کر مجھے یاد کر لیتا ہے، گویا نمک پاشی کے
ضمن میں میرے زخموں کی یاد دوا دہو جاتی ہے۔

(۳۶) اپنی ابھی تو بہت کچھ ستم باقی ہیں، تم نے صرف جسم کو
مخیر و صر کر دیا، دل کے لئے زخم اور نمک پاشی باقی رہے، اور
افسوس تم خاتمہ سمجھ کر چل دیے!

(۳۷) "توفیر" زیادتی۔ "خندہ" ہنسی۔ معشوق نمکیں کی ہنسی بھی نمکیں
ہوتی ہے، زخم کے شگاف کی خندہ سے تشبیہ کرتے ہیں پھر
جب خندہ زخم، خندہ قاتل کے شامل ہو تو ظاہر ہے کہ نمکیں
بھی ہوگا۔ یعنی، مجھے اضافہ درد و آئندہ کے لئے کسی اور کے

احسان کی کیا ضرورت میرے رخم خود نمکین ہیں۔
(۸) "وجد ذوق" غویت شوق "نمک پلکوں سے چلنا" تعظیماً
مشہور ہے۔

- آہ کو چاہتے اک عمر اثر ہوئے تک
(۱) کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
- دام ہر موج میں ہے، حلقہ صد کام نہنگ
(۲) دیکھیں کیا گزرتے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک
- عاشقی صبر طلب اور تمت ابیتاب
(۳) دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک
- ہم نے مانا کہ تعفافل نہ کرو گے لیکن
(۴) خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
- پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعالیم
(۵) میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
- یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل
(۶) گرمی بزم ہے اک رقص شر ہونے تک
- غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
(۷) شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

۔۔۔ (۱) "اک عمر" ایک زمانہ دراز۔ سر ہونا جس کے معنی فحتمندی اور
تمسخر کرنے میں۔ لذت تاثیر آہ کی رعایت سے زلف "استعمالی
کیا ہے، کیونکہ درازی زلف بھی مسلم ہے! (انداز بیان بہت
دل کش ہے)

وہاں) شوق کی ڈام سے تشبیہ دیکر، ہر موج میں ڈام لکھا ہے۔
 تعلقہ صد کام ننگ "ص" حلقہ ہائے کام ننگ یا حلقہ کام
 ص ننگ، یعنی وہ ننگ کے سینکڑوں حلقے مراد ہیں طلب
 ہے تاکہ وہیا موجوں کا جال ہے، جس کے حلقے، وہن ہائے
 ننگ ہیں، دیکھئے، قطرہ عیسان پر گرنے والے تاک، کیا گزرتی
 ہے یا اس عالم جوارث و ابتلا کا ذرہ ذرہ انسانی مسرت کا
 دشمن ہے اگر ان الجھنوں سے نکل گیا تو کامیاب ہو گیا۔ یا اس
 پھر کثرت کی، ایک ایک موج ڈام ہے، جس میں وہن ننگ
 اس دآں کے سینکڑوں حلقے ہیں، ان سے ایمان نہج جائے
 تو گو ہر مقصود پاسے، مگر دیکھئے عرفان "قیامت تک" ^{پیشہ}
 میں اس پر کیا گزرتی ہے؟

(۴) "صبر طلب" حالت طلب، طوالت طلب، وہی تکبیر
 عشق کا، متعارف ہے، اور چونکہ دل کی چارہ طلبی تھی، اس کے
 مقابلہ میں خون جگر" لائے ہیں۔ قریب قریب اسی مفہوم کا
 ایک شعر اس سے پہلے گزر چکا ہے، یعنی، دل ہوا کشمکش
 چارہ زحمت پر تمام، مٹ گیا بھستے میں، اس عقدہ کا وہ
 جاتا، وہاں زحمت چارہ دل نے دل کو تمام کر دیا، اور وہاں
 صبر طلبی سے خون جگر ہوتا، اور خون جگر ہوئے تاکہ دل کی
 حالت کی طرف متوجہ کیا ہے!

(۵) یعنی جب تک آپ کو خیر ہوگی، ہماری جان جاتی ہے
 گی، ماننا کہ آپ تغافل نہ فرمائیں گے، نیارن آپ کو ہمارے

حال کی خبر بھی تو ہو۔

اٹھاپڑو خور "فورا آفتاب آفتاب کی تشبیہ بھی آنکھ سے کب
کھینچے ہیں، عاشق کی ہستی بے ثبات کی تمثیل بے ثباتی شبنم
سے کی ہے۔ چونکہ آفتاب کا وجود، کائنات کے لئے منبع
فیض ہے، اسی رعایت سے چشمِ کرم یا رے سے تشبیہ دی گئی ہے
یعنی جس طرح چشمِ آفتاب باوجود فیض، شبنم کو فنا کر دیتی ہے،
اسی طرح عاشق کو نگاہِ کرم بھی ہلاک کر دیتی ہے۔ دوسرے
الفاظ میں شعر کا یہ مطلب ہوگا کہ فنا سے وہ مقام
معرفت و سلوک مراد ہے، جو عشقِ الہی میں پیش آتا ہے۔
میں بھی ہوں گے معنی زبانِ اہل عرفان میں "انانیت" اور
مخودی کے ہیں، اور اسی میں بھی ہوں گے "مٹنے کو فنا" کہتے
ہیں، اسی کو دوسرے الفاظ میں یہ خودی و خود فراموشی کہہ
سکتے ہیں، معشوق کی نگاہ اور خصوصاً نگاہ التفات کا اثر
بے خودی مسلم ہے، یعنی میری جدا گانہ ہستی، یا انانیت
تو تیری نظرِ کرم ہونے تک باقی ہے، جو وقت نگاہِ عنایت مجھ پر لگی
میری ہستی، "فنا" ہو جائے گی، جس طرح تابشِ آفتاب شبنم کو
بخاراتی حالت میں متحول کر دیتی، اور شبنم کو فنا کر دیتی ہے! (۱)
(۱) ایک نظر پیش نہیں ایک لمحہ سے زیادہ نہیں فرصت ہستی
مدتِ زندگی "گر می بزمِ رونق و آرایش محفلِ شر" (پیشنگاہِ جمع
سے چکراتا ہوا شائکتا اور بچھ جاتا ہے، اس کے نکلنے کو
رقص سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی مدتِ عمر اس سے زیادہ

نہیں کہ عالم موجودات کا صرف ایک نظارہ سرسری کر لیا جائے جس طرح شہر کے لئے سارا لطف محفل اس کی ایک گردش تک ہے، محفل، سہی کو قائمیت رہے، لیکن اس کو اس سے زیادہ ہمدت بقا نہیں۔

(۱) موت کو شہرِ صبح فنا لکھتے ہیں، اور شمع بھی صبح کو، شمع کشتہ کھاتی ہے۔ یعنی غم ہستی کے سوز و گداز کا علاج سوائے فنا کے کچھ نہیں، جس طرح شمع کو رات بھر جلنا ہی پڑتا ہے، بالآخر صبح جو اس کے لئے فنا ہوتی ہے اس کے سوز کا علاج کرتی ہے۔

گر تجھ کو ہو یقین اجابت، دعا مانگ	۱	یعنی بغیر یک دل سے دعا مانگ
آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد	۲	مجھ سے مرے گنہ کا حساب و خزانہ مانگ

(۱) "اجابت" اصطلاحاً، قبولیت و "عما" بے مدعا "بے طلب"۔ یعنی اگر تجھ کو یہ یقین ہو جائے کہ دعا قبول ہو جائے گی، تو یہ دعا مانگ کہ اے خدا، مجھے ایسا دل عنایت فرما جس میں کوئی خواہش و طلب نہ ہو، تاکہ یہ استغناء و زمانہ بھر سے فارغ کر دے!

(۲) حسرت کا مفہوم، آرزو مندی ہے، آرزو پوری نہ ہونے سے داغ ہوتا ہے، مطلب ہے کہ اے خدا مجھ سے مزید گناہوں کا مواخذہ نہ فرما، کیونکہ ناکردہ گناہوں کی حسرتوں نے میرے دل میں جو داغ دیئے ہیں وہ بھی یاد آتے ہیں، اور مجھے اور زیادہ شرمندگی ہوتی ہے اسی مضمون کو دوسری جگہ، دوسرے عنوان سے اس طرح بیان فرمایا ہے:-

ناگروہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے او

یاد رہے: اگر زین یا کردہ گناہوں کی حسرت ہے

۱	بیل کے کارو بارہ ہیں نہ ہائے گل	۱	کس قدر پاک فریب و وفا ہے گل
۲	لوٹے پھٹے ہیں حلقہ و ام ہوائے گل	۲	آزادی قیوم مبارک کہ ہر طرف
۳	اے دل نہ نالہ لب و خویش نہ ہائے گل	۳	جو تھا سو سوچ رنگ کے ہو گئے ہیں گیا
۴	رکت ہو شل سایہ گل سر پہاڑے گل	۴	خوش حال اس دراپن و سیہ صفت کا کردہ
۵	میرا قیوم ہے نفس خطرناکے گل	۵	ایچا کرتی ہے اسے قیر سے لئے بہار
۶	یہاں ہے بے شراب دل سے ہوائے گل	۶	شربت کی گھٹتے ہیں مجھے یاد بہار سے
۷	خون ہے میری نگاہ میں رنگ ہائے گل	۷	سماوت کی تیرے جلد کا حسین غبور کی
۸	یہاں خفا و شہ ہے گل در قلعے گل	۸	میں نے یہی ہوا سے کاچی و دھڑکا کر آیت

حالت مجھ سے جس سے ہمراہی خوش آرزو
ہیں کہ خیال ہے گل چپ قبا سے گل

۱۔ خوش گلوں سے وفا اور قیام، اگر تو فتح کیے دعو کے میں
بیل کی سی آئی ہوئی ہے، اس پر پھول منگیا کر رہے ہیں۔
۲۔ "شیم" نگہداشت کی راہ ہے۔ گل چپ تک کی صورت میں
تھا گویا و ام ہوائے حلقوں میں جکڑا ہوا تھا خود گلی کی شکل
ہاں تھا تو و ام ہوا کہا ہے، یعنی اب حلقہ ہائے و ام ہوا
لوٹ گئے ہیں (اور پھر کھل گئے ہیں) (شگفتگی، گل، حلقہ ہائے
وام ہوا کی شکست سے تصویر کیا ہے) اور پوسے گل، اور
شگفتگی کی گواہی دینا چاہی ہوئی ہے۔

۳۔ "شیم" رنگ، "لب و خویش" نوا، "کی رعایت سے" اور "رنگ"

(۱) گل چب قباے گل پیروں گل کی جیب کا پھول یا معشوقوں
کا معشوق یا معشوق حقیقی۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے اس سے وصل
ہونے کی آرزو ہے جو معشوقوں کا معشوق ہے۔

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
(۱) برق سے کہتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
مخفلیں برہم کرے سے گنجفہ باز خیال
(۲) ہیں ورق گردانی نیزنگ یک بست خانہ ہم
یا وجود یک جاں ہنگامہ پیدائی نہیں
(۳) ہیں چراغان شبستان دل پروانہ ہم
خفت سے ہے نے قناعت سے یہ ترک جستجو
(۴) ہیں وبال تگسیہ گاہ ہمت مروانہ ہم
دائم الجیس اس میں ہلاکھوں تمنا میں اسد
(۵) جانتے ہیں سینہ پرتو خوں کو زنداں خانہ ہم

(۱) بزم کے التزام سے شمع کا ذکر ہے "برق سے روشن
کرتے ہیں" یعنی برق کی شمع روشن کرتے ہیں۔ "بیش از یک نفس"
برق کی سرعت نمود کی تو صیح ہے مطلب یہ کہ آنا و غنش لوگوں
کو ایک لمحہ سے زیادہ کوئی غم نہیں ہوتا۔ ان کی بزم ماتم صرف
اتنی دیر پر پام ہتی ہے جتنی دیر میں بجلی چمک جاتی ہے۔
(۲) محفل سے مراد محفل حسینان ہے۔ حسینوں شاعرانہ زبان
میں بہت بھی کہتے ہیں اس لیے بزم حسینان اور بہت خانہ
مراد مفہوم ہیں۔ مشاعرہ محفل کی رعایت سے گنجفہ باز

اور گنجفہ باز کی رعایت سے "ورق گردانی" استعمال ہونے لگی ہے۔
 "نیزنگ" انقلابات و عجائب۔ گنجفہ باز خیال معشوق مشقون
 مزاج سے استعارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شوخ مشقون مزاج
 محفل آرائیاں اور محفلیں برہم کرتا رہتا ہے۔ گویا ہم بھی انقلابات
 بہت خانہ کے تختہ مشق ہیں۔ گویا مشیت الہی کی طرف اشارہ
 ہے کہ اسکی مشیت نے ہم کو حوادث کا تختہ مشق بنا رکھا ہے۔

(۱۱) باوجودیکہ جہاں ہنگامہ "باوجودیکہ اتنا ہنگامہ اور
 بچل ہے کہ ایک جہاں معلوم ہوتا ہے۔ یا باوجودیکہ ہنگامہ نے
 ایک دنیا بنا دی ہے۔" پیالہ "نمود وجود۔ چراغ یا شمع کے
 فلور و جلوہ کی یہ ہنگامہ آرائی ہے کہ پروانوں کو فریفتگی اور آرزو
 سوز کی شورش پیش ہے۔ لیکن حقیقتاً ان چراغوں اور شمعوں
 میں یہ قدرت کہاں کہ کسی میں کوئی فریفتگی پیدا کر سکیں۔

یہ تو خالق و صانع کائنات نے جہالت و خلقت میں اس
 قسم کے خواص مبطوع فرما دیئے ہیں کہ پروانہ شمع کا عاشق
 ہوتا ہے اور وہ اور ہی چراغان قادر ہے جو دل پروانہ میں
 ہے۔ اور محسوس عشق شمع ہے یعنی وہ اصل ہنگامہ فرما چراغ دل
 پروانہ میں روشن ہے۔ اور پروانہ عام چراغوں کو وہی چراغ
 سمجھ کر سوز عشق میں جلتا ہے۔ یہی کیفیت تمام موجودات عالم
 کی ہے کہ وجود تو نظر آتا ہے۔ لیکن وہ وجود حقیقی کا صرف
 پرتویا عکس ہوتا ہے اور یہی مثال ہمارے وجود کی حقیقت
 کی ہے کہ ہم گو شمع کی طرح ظاہر و پیدا ہیں لیکن ہماری

شنا سنا اور واقف بھی نہ ہو۔ اور یہ سبکی شریعت پر چارہ ہے
 اسی مضمین کو شریعت میں ادا کیا گیا ہے۔
 (۱) "وارثگی" آزادی۔ یعنی نہ لخت میری تاک میں ہے نہ لخت
 قدام میرے درجے سے۔ آزادی یعنی آزاد شریعت کی شریعت
 لیتا کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر نہ لخت نہ ہو نہ لخت۔

ایں نام پر حق سے ایک جواب شریعت

وہ نام "قرض" ہے۔ قرض یعنی قرضہ۔ قرضہ یعنی قرضہ۔ قرضہ
 آرام کی نیند۔ یا راحت میری نہیں۔ یا جواب وصال یعنی اپنی سوتلی
 ہوئی قسمت سے ایک نیند۔ قرض تو سب لوں۔ لیکن جو کہ میرے
 لئے قسمت میں جاگ کر کھانا لکھا ہے اس مقررہ حصہ نہیں کہ لوں
 کہوں سے ادا کروں گا۔

وہ شب و روز و سال کہاں
 فوق نظارہ ہمسال کہاں
 شور و سدا ہے خط وصال کہاں
 اب وہ رہنمائی تہسپال کہاں
 ہول میں طاقت بگاڑیں حال کہاں
 وہاں جو جاویں گے وہیں مال کہاں
 میں کہساں اور یہ وہاں کہاں

وہ فراق اور وہ وصال کہاں
 فرصت کا رہ ہا یہ شوق کہے
 دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
 بھی وہ اک شخص کے تصور سے
 ایسا آسمان نہیں نور و نور
 ہم سے چھوٹا قمارخانہ عشق
 تکر و شب میں سرکھپا ہوا ہوں

مفصل ہوئے قوائے خالہ
 وہ عناصر میں اختسار کہاں

یہ تمام قرآن و حدیث کی طرح ایک ہی مضمون یا دایا م گذشتہ پر

لکھی ہے اور عہد شباب کے فراق و وصال دونوں کی یاد اور
 نوک و پر مو جو و کے حسرت و شوق پر مشتمل ہے۔ عجز و نہایت عجز
 عام فہم اور ریاں ہے۔

(۱) کی وفا سینے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
 ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

(۲) آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے
 کہنے جانتے تو ہیں پر دیکھتے کیا کہتے ہیں

(۳) اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو
 جو میں و غصہ کو اندر وہ رُبا کہتے ہیں

(۴) دل میں آجائے ہے ہوتی ہی جو فرصت غش
 اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں

(۵) ہے پرے سرحد اور اک سے اپنا مسجو و
 قبائے کو اہل نظر قبائیس کہتے ہیں

(۶) پاسے افکار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے
 خار رہ کو تیرے ہم مر گیا کہتے ہیں

(۷) اک شرور میں ہے اُس سے کوئی گناہ گار کیا
 آگ و طلوع ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں

(۸) دیکھتے لاتی ہے اُس شمع کی نجات کیا رنگ
 اُس کی ہر بات پر ہم نام خدا کہتے ہیں

(۹) وحشت و شہادت اب مرثیہ کہو میں شاید
 مر گیا تو لب آشفستہ نوا کہتے ہیں

(۱۱) یعنی جب ہم سے وفائی تو یقیناً غیروں سے بیوفائی ہوئی
اس لئے وہ بُرا کہتے ہیں لیکن ہم سے وفا کرنا خوبی ہے اور اختیار
اُن کی وفائے مستحق نہ تھے۔ اس لئے اُن کا بُرا کہنا ایسا ہی ہے
کہ اچھوں کو اکثر بُرا ہی کہا کرتے ہیں۔

(۱۲) مصرعہ اولیٰ عام مجاورہ سا ہے۔ جو اگلے زمانہ کے لوگوں
کے لئے کہا گیا ہے۔ دورِ موجود کے لوگ اس خیال سے کہ زمانہ
ترقی کر رہا ہے اور ہر ماضی ہر حال سے نسبتاً تاریکی اور
جہل میں گزرا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے اگلے وقتوں کے
لوگوں کو ان کی بزرگی و اولیت کا لحاظ کرتے ہوئے بُرا نہیں
کہتے۔ مصرعہ ثانی کا مطلب ہے کہ شراب اور راک سے
غم غلط نہیں ہوتا کیونکہ غم غلط ہونے والی چیز نہیں پھر غم
عشق تو ان سے اور ترقی کرتا ہے۔

(۱۳) نالہ کی یہ رسائی کیا کم ہے کہ جہاں غش سے فرصت ملی کہ
دل میں آہنچا۔

(۱۴) "اوراک" فہم۔ اور سمجھ۔ "سجود" مہمود جس کو سجدہ کیا جاتا،
قبیلہ "مرجع عبادات و سجود۔ جس کے سامنے یا جس کو سامنا
پنا کر سجدہ اور عبادتیں ادا کئے جائیں۔ اور چونکہ نماز وغیرہ
کعبہ کی طرف پڑھتے ہیں اس لئے اُس کو قبیلہ کہتے ہیں۔ لیکن
مقصود بالذات جو قبیلہ عبادت ہے وہ وعدہ لا شریک لہ ہے
پس قبیلہ اول سے مقصود عبادات، ذات باری تعالیٰ مراد ہے
اور قبیلہ ثانی سے کعبہ عربستان جس کو عرف عام میں قبیلہ کہتے ہیں

رنگ ہو کر اڑ گیا، پوتوں کہ دامن میں نہیں

ہو گئے ہیں جمع اجڑائے نگاہ آفتاب

(۱۳)

دور سے اس کے گھر کی دیواروں کی روشنی نہیں

کیا کہوں تار پٹی زندانِ غم نادر پیر ہے

(۱۴)

پتھر لودھی صبح سے کھمبے کے رونق میں نہیں

رونق ہستی ہے عشقِ خاٹہ میراں سار سے

(۱۵)

انجن پے نہیں ہے اگر برقی ٹرین میں نہیں

زخم سلوا نے سے بھڑک چارہ جونی کا وطن

(۱۶)

غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

بس کہ ہیں ہم اک بہارِ ناز کے مائے ہوئے

(۱۷)

جلوہ گل کے سوا اگر واسطے مدفن میں نہیں

قطرہ قطرہ اک ہیولی ہے۔ نئے ناسور کا

(۱۸)

توں پھر شوق درد سے قاریغ سے تین میں نہیں

لے گئی ساڑی کی خوشنودِ شامی سری

(۱۹)

موج سے کی آج رنگِ ہینا کی گروہ میں نہیں

ہر شاعرِ صنعت میں کسیا نالوائی کی نمود

(۲۰)

تار کیمے چمکنے کی بھی گنجائش سر سے تن میں نہیں

تھی وطن پریشان کیا تھا آئینہ ہو غریب میں قنار

(۲۱)

بے شکست ہوں وہ حسرتِ خس کے گلشن میں نہیں

۱۱۱ یسوی وہ گزربان لباس کیسے با عرشِ شگ نہ گھار ہے۔

جس کا چاک دامن تک نہ پہنچ گیا ہو۔

(۲) پھرہ وغیرہ پر سُرخ اور رونی و رنگ، خون اور دوران خون ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں اور رنگ اڑ جائے۔ سے مراد یہی ہے کہ خون رنگ ہو ہو کر اڑ گیا اور خون جب پانی ہی نہ رہا تو اشکوں میں کیا نکل سکتا ہے اور دامن پر رنگین دہیتے کہاں سے آسکتے ہیں۔

(۳) رونی دیواریا رکے چکرار ڈرتے گویا نگاہ شوق آفتاب کے اجڑا ہیں۔

(۴) "غم عالم" سے عالم تاریک ہو جانا عام طور پر کہا جاتا ہے اور غم سے چٹکارتا نہ پانا گویا غم، زنداں ہے۔ "انار صیر" کی تاکید و رعایت نہایت پاکیزہ ہے۔ "پنپہ" رونی۔ صبر اور مقابلہ کی نہایت سے عام حالات کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں رونی کی سفیدی نور صبح کی مثل معلوم ہوتی ہو وہاں تاریکی کا کیا عالم ہو گا۔

(۵) "رونی ہستی" زندگی کی چل چل اور ہستی میں رونی نہ ہو تو انجن بے شمع ہے۔ "عشق خانہ ویراں ساز" برق نغمہ سہی لیکن زندگی کی چل چل اور ہنگامہ اسی سے قائم ہے یہاں رونی اور خانہ ویراں ساز متضاد سے معلوم ہوتے ہیں لیکن اول تو "ہستی" اور "خانہ" دو علیحدہ باتیں ہیں و دوسرے یہ کہ رونی ہنگامہ بربادی سے ہو سکتی ہے۔ اگرچہ عرف عام میں رونی انتظام و انتہام اور صنعت سے متعلق ہے۔

(۶) یعنی سوئی چھیننے سے جو درد ہوتا ہے اس کی لذت حاصل

کرتے کے لئے میں زخم سلواتا ہوں۔ اور خیر یہ سمجھتا ہے کہ چارہ
زخم مقصود ہے۔

(۷) "ہمارا ناڑ" جس میں گونا گوں ناز و انداز کے پھول کھلتے
ہوں معشوق سے استعارہ ہے۔ یہاں ناز کی لفظی رعایت
سے جلوہ گل کہا گیا ہے۔

(۸) "ہیو پانی" کا لہجہ۔ مادہ۔ یعنی ہر ایک قطرہ میں ناسور ہو جائے
گیا مادہ موجود ہے۔ اور میرے جسم کا خون بھی ذوق درد کی
مطابقت رکھتا ہے۔

(۹) "نخوت" زخم مراد ہے۔ قلم آشامی۔ کثرت سے نوشی
قلم کی رعایت سے موج اور خط یا نشان سے کو غرور و نخوت
کے تلازمہ میں "رگ" کہا گیا ہے۔ "ہیتا" صراحتی سے اورد
گردن میں رعایت ہے۔ یعنی ساقی کو تنہی شراب پر بہت
ناز تھا۔ لیکن میں سب پی گیا۔

(۱۰) "فشار" دبانا یا جکڑنا۔ مبالغہ ہے۔ یعنی جھکنا بھی محال ہے۔
(۱۱) "مشت خس" شمش بھرت کے "مغل خن" انگلیٹھی۔ تنکوں کی ان
سے وطن جنگل میں پڑسٹش ہی کیا۔ پھر جنگل سے باہر غربت
میں مشت خس کی حیثیت کوڑے کی ہوتی ہے۔ البتہ گلخن کو
تھوڑی دیر روشن کر دینے کے کام آسکتے ہیں۔ یہی مطلب
شعر کا ہے کہ وطن اور غربت دونوں جگہ ہماری شان و قدر
ہی کیا ہاں تشکرہ عشق میں ڈال دیئے جاتے تو بہتر تھا
کہ ہم اس قابل ضرور ہیں۔

(۴) آگمان "بمعنی سوئے ظن استعمال ہوا ہے" منفعل "شر مندرہ خدا نکر وہ محاورہ ہے۔ جیسے خدا نخواستہ اپنی میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کر کہ خدا نخواستہ میں زبان سے تجھے بیوفا کہنے پر مجبور ہو جاؤں۔ کیونکہ ابھی تک میں اپنی بدگمانی سے یہ مقابلہ بھی کرتا ہوں کہ تو بیوفائی نہ کرے۔

۱	مہرباں ہو کے بلا لوجھے چاہو جس وقت	۱	میں گیا وقت نہیں ہوں کہ کچھ بھی سکوں
۲	ضعف میں طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے	۲	بات کچھ سرتو نہیں ہے کہ اٹھا بھی سکوں
۳	زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگور نہ	۳	کیا قسم ہے تیرے ملنے کی کہ کھا بھی سکوں

(۱ تا ۳) وقت جا کر نہیں آتا۔ شدت ضعف میں سر اٹھانا مشکل ہوتا ہے معشوق سے ملنے کی قسم کھانا عاشق سے ناممکن ہے۔ تینوں اشعار میں یہ تینوں باتیں نہایت بے ساختگی سے یا محاورہ لکھی گئی ہیں اور محاسن استعمال قابل داد ہیں۔

۱	مے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایک دن	۱	ورنہ ہم چھڑینگے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن
۲	غمرۂ اوجِ یناسے عالم امکان نہ ہو	۲	اس بلندی کے نصیبو نہیں ہے پستی ایک دن
۳	قرض کی پیستے تھے مے لیکن اُسچھتے تھے کہ	۳	رنگ لائینگے ہماری فاقہ مستی ایک دن
۴	نغمہ ہائے غم کو بھی ایدلِ فطرت جانے	۴	بے صدا ہو جائیگا یہ سازِ مستی ایک دن
۵	دعویٰ دھپا اُس سر پا ناز کا شیوہ تھا	۵	ہم ہی کر بیٹھے تھے غالبِ مستی ایک دن

(۱) "کھل جاؤ" بے تکلف ہو جاؤ۔ یعنی مے خواری کے وقت ہم سے کسی دن بے تکلف ہو جاؤ ورنہ ہم نشہ کا بہانہ کر کے کبھی نہ کبھی خوب چھڑیں گے اور یوں بے تکلف ہو جانے میں تمہاری شان میں بھی فرق نہ آئیگا کیونکہ نشہ کا عذر معقول ہے۔

(۲) ”غزوة“ گھمنڈ ”اوج“ عروج ”عالم امکان“ دنیا یعنی اس عالم کے اسباب پر یا بنا پر کسی عروج و کمال کا گھمنڈ نہ ہو جائے کیونکہ یہاں ساری ترقیوں اور بلندیوں کے لئے پستیاں اور تنزل ہیں اور ایک دن ہی اس عالم کا حشر ہو جائیگا۔
(۳) ”رنگ لائے گی“ فساد و فتنہ پیدا کرے گی۔ یعنی مفلسی میں شراب پیتا رنگ لائے گا۔

”مزم“ ”ساز ہستی“ جسم انسانی سے استعارہ ہے۔ اور ساز کی رعایت سے ”صد اور نغمہ“ استعمال ہوئے ہیں۔ ”خاموشی“ خاصہ موت ہے۔ اس لئے آواز خواہ درد و غم ہی کی کیوں نہ ہو لوازمات زندگی میں سے ہے۔ اس لئے نغمہ ہائے غم کو بھی غنیمت سمجھنا چاہئے۔

۱	ہم پر حیات ترک و فنا کا گماں نہیں	۱	اک چھپر ہے وگرنہ مراد امتحان نہیں
۲	کس ثمن سے کر کیجئے اس لطفِ خاص کا	۲	پرستش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
۳	ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز	۳	ناہرباں نہیں ہے اگر ہرباں نہیں
۴	یوسف نہیں نہ دیکھئے دشنام ہی ہی	۴	آخر زباں تو رکھتے ہو تم گردن نہیں
۵	ہر چند جاں گدازی قہر و عتاب ہے	۵	ہر چند پشت گرمی تاب و تواں نہیں
۶	جہاں مطرب ترانہ رتل من مزید ہے	۶	لب پر وہ سنج زمرۃ الاماں نہیں
۷	خبر ہے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم	۷	دل میں چھری چھو مژہ گر خوشچکان نہیں
۸	سہ تہ تک سینہ دل اگر آشکد نہ ہو	۸	ہے عار دل نفس اگر آذر فشاں نہیں
۹	انہماں نہیں جنوں میں بیست ہو گھر خراب	۹	سو گز زمیں کے بے لے بیا باں گراں نہیں
۱۰	کہتے ہو کیا کہا ہے تری ہر نوشت میں	۱۰	گویا جہیں پہ سجدہ ثبت کاشاں نہیں

پاتا ہوں اُس سے اد کچھ اپنے کلام کی ۱۱ | رُوح القدس اگرچہ مرا ہنر باں نہیں

جاں ہے بہائے بوسہ کے کیوں کہے بھی

(۱۲)

غالب کو جانتا ہے کہ وہ تمجاں نہیں

(۱۱) ہم پر انہیں ترکِ وفا کا گمان نہیں ہے۔ بلکہ وہ جفا کے امتحان کا نام لیتے ہیں یہ ایک قسم کی چھیڑ ہے۔

(۱۲) یعنی ہم سے تو باتِ حیرت ہوتی نہیں دوسروں سے ہمارا حال پوچھ لیتے ہیں یہ خاص معشوقانہ انداز ہے۔ اور یہ پرسشِ حال لطفِ خاص ضرور ہے لیکن اس کا شکر کون ادا کرے۔ خود ہم پوچھتے ہو تو ہم ہی شکر ادا کرتے۔

(۱۳) ہم ستم پسند ہیں اور وہ جفا پسند۔ وہ چونکہ جفا پسند ہے اس لئے لطف و عنایت نہیں کرتا۔ اور ستم کرتا ہے جو ہمیں عزیز ہے پس ہمارے لئے وہ نامہربان نہیں ہے۔

(۱۴) معشوق کی صفت بے دہانی (مبالغہ تنگی دہن) ہے پھر بوسہ دہن کا مطالبہ بھی ہوا کرتا ہے۔ اور طلبِ بوسہ پر گالیاں کھانے میں بھی مزہ آتا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ بوسہ نہ سہی۔ گالیاں تو دے دیجئے۔ دہن نہیں ہے زبان تو ہے۔

(۱۵ و ۱۶) جانگدازی بیقراری و بے چینی مراد ہے پشت گرمی ہمت برداشت۔ تاب و توان طاقت و ضبط۔ مطرب گانے والا۔ "ہل من مزید" کچھ اور زیادتی۔ "پروہ سنج" مطرب کی رعایت سے یہ لفظ بمعنی جنبش لب استعمال ہوا ہے۔ "زمزمہ" نغمہ۔

یعنی اگرچہ قہر و عتاب یا جفا و ستم سے بے چینی واضطرار ہیں

اور ضبط و تحمل کی طاقت نہیں لیکن جان ہے کہ ترانہ ہر بل میں مزید
گواہی ہے اور نہ لبوں پر لفظ الامان ہے۔ دونوں شعروں میں
ایذا طلبی ظاہر کی گئی ہے۔

(۸) ”آذر“ اس آتشکدہ کے پانی کا نام ہے جس میں ابراہیم
خلیل اللہ ڈالے گئے تھے۔ آذر فشاں کی ترکیب اسی تلخ سے
بہنی آتش افشانی و شر افشانی ماخوذ ہے اور نہایت پُر شوکت
ترکیب ہے۔ یعنی اگر زخم عشق سے دل پارہ پارہ نہ ہو تو سینہ
خجھر سے چیر ڈالو۔ اور دل کو دو نیم کر لو۔ اور پلوں سے اگر دم گرم
نہ ہو نہ ٹپکتا ہو تو دل میں چھری چھو کہ خوتا بہ فشاں کریں۔
دل میں اگر آتشکدہ عشق نہیں تو سینہ کے لئے ایسا سرد و
مروہ دل ننگ و عار ہے۔ اور ہوساں شر فشاں نہ ہو وہ
دل کے لئے باعث شر ہے۔ ایذا طلبی کا ایسا پُر لطف اسلوب
بیان یہی داد کا بمنز او اس ہے اس کا لطف کچھ زخمی دلان عشق
اور سوختہ جاتان الفت ہی اٹھا سکتے ہیں۔

(۹) یعنی گھر کا رقبہ دشت و حشت و جنوں کے بالمقابل ناقابل لحاظ
ہے۔ گھر کی بربادی کے عوض اہل جنوں کو اتنی وسعت بیا باں
میں آجاتی ہے تو جنوں میں کچھ نقصان نہیں۔

(۱۰) یعنی آپ کے در پر جو سجدہ کرتے کرتے پیشانی پر داغ پڑ گیا ہے
میں اسی کو قیمت کا لکھا سمجھ لیجئے۔ اب یہ کیا پوچھتے ہو کہ
تیری قیمت میں کیا لکھا ہے۔

(۱۱) ”روح القدس“ حضرت جبریل مراد ہیں۔ گور روح القدس میرا

ہمزیاں نہیں لیکن وہی دادِ سخن دے سکتا ہے کیونکہ وہ تلامذہ
غیب سے واقف ضرور ہوتا ہے۔

(۱۲) بوسہ کی قیمت ایک جان ہے۔ لیکن وہ ابھی قیمت ظاہر
نہیں کرتا کیونکہ جانتا ہے کہ جان دیکر بوسہ لیا جاسکتا ہے قیمت
اُس وقت ظاہر کرے گا جب میں نیم جاں ہو جاؤں گا اور قیمت
ادا کرتے کے قابل نہ رہوں گا۔

۱	ایک چکر ہے میرے پاؤں میں زنجیر نہیں	۱	مالع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
۲	جادو غیر از نیلہ دیدہ تصویر نہیں	۲	شوق اُس دشت میں دوڑا ہے مجھ کو کہ جہاں
۳	جادو راہ فنا جز دم شمشیر نہیں	۳	حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے
۴	خوش ہوں گزرا لہ زبونی کش تاثیر نہیں	۴	ریج تو میری جاوید گوارا رہو
۵	لذت سنگ باندازہ تقریر نہیں	۵	مگر کھاتا ہے جہاں زخم سر چھپا ہو جاتے
۶	کوئی تقصیر بجز خجالتِ تقصیر نہیں	۶	جب گرم رخصتِ میا کی دگستاخی دے

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ

آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ تمیر نہیں

(۱) دشت نوردی سے باز رکھنے کی کوئی تدبیر بھی نہیں۔ زنجیر جو
میرے پاؤں میں ہے وہ بھی میرے پاؤں کو جو چکر لگا ہوا ہے
اُس کے مماثل ہے۔

(۲) ”جادو“ ”خط راہ“ ”دیدہ تصویر“ تصویر کی آنکھ۔ تصویر ہمہ تن
حیرت ہوتی ہے۔ گویا تارِ نگاہ حیرت خط راہ ہے۔ یا جہاں کی
راہ حیران کن یا حیرانی ہے۔ یا جہاں ہمہ تن حیرت ہو کر چلتا پڑتا
ہے یعنی شوق مجھ کو عالم حیرت میں دوڑاتا ہے اور یہ بلکہ معرفت

الہی کا وہ مقام گوگوشے جہاں سے سالک پر آثار فنا طاری
ہونے شروع ہوتے ہیں۔

(۱۳) وہاں پرستانِ عشق کے لئے تلوار کی یاڑہ راہِ فنا ہے۔
لیکن یہ وہ راستہ ہے کہ ایک لمحہ میں طے ہو جاتا ہے۔ اس لئے
رک رک کر جان دینے اور ستم ہائے گونا گوں کے مرتے لینے کی
حسرت باقی رہ جاتی ہے۔

(۱۴) "کرونی کش" لذت کش۔ یعنی نالہ کو تاثیر کے احسان اٹھانے کی
ذلت کو نہ ہونی۔ میں خوش ہوں بہتر ہے کہ دائمی نا اُمیدی کا
رنج ہی میرے لئے گوارا ہے۔

(۱۵) "باندازۃ لغیر نہیں" یعنی حدیثان سے باہر ہے۔
(۱۶) "کرم" معشوقی کا التفات، اس کی رواداری۔ "تقصیر" قصور
کرنا۔ یہاں دستِ درازیاں اور اطہارات شوق مراد ہیں مطلب
ہے کہ جب محبوب کی رواداری سبب کی اجازت دے اور
اس کا کرم گستاخ دستیوں سے نہ روکے تو قصور کرنے سے
شرمانا یا جھجکنا سب سے بڑا گناہ ہے۔

مرت مرد مکشیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں ۱ | ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آپس

(۱) "مرد مک" آنکھ کی پتلی۔ "سوید" دل کا لفظ سیاہ۔ سویدہ اور
مرد مک اور دیدہ و دل اور تارنگاہ اور آہوں میں تشبیہ ہے۔
یعنی پتلی میں نگاہیں نہیں ہیں۔ بلکہ سویدائیں آپس ہیں۔

برشکال دیدہ عاشق نہٹا یکھا چاہئے ۱ | کھل گئی مانند گل سوچا سے دیوار چین
الفن گل سے غلط ہے دعویٰ وارستگی ۲ | سرو ہے یا وصفِ آزادی گرفتار چین

(۱) "بزرگال" (یارش) شاعرانہ مبالغہ نگاری ہے۔

(۲) "وارثگی" آزادی۔ سرو کی بھی صفت آزادی ہے۔ لیکن سرو باغوں ہی میں ہوتا کرتا ہے۔ گویا وہ باوصف آزادی الفت گل کے باعث زنداں غارتہ گلشن سے باہر نہیں نکل سکتا اور دعویٰ آزادی غلط ثابت ہوتا ہے۔

عشق تاثیر سے نومید نہیں	۱	جان سپاری شجر بید نہیں
سلطنت دست بدست آتی ہے	۲	جام سے خاتم جمشید نہیں
ہے تجسلی تری سامان وجود	۳	ذرہ بے پروا خورشید نہیں
راز معشوق نہ رسوا ہو جاتے	۴	ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں
گردش رنگ طرب سے ڈر ہے	۵	غم محسوس می جاوید نہیں
کہتے ہیں جیتے ہیں امید پر لوگ	۶	ہم کو جینے کی بھی امید نہیں
سے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل	۷	یادہ غالب عرق بید نہیں

(۱) "جان سپاری" جان دینا۔ شجر بید بید کا درخت جو برگ سے محروم پیدا ہوتا ہے۔ یعنی عشق تاثیر سے مایوس نہیں ہے چونکہ عشق میں جان بھی جاتی ہے اور جان جیسی شے دینا بے نتیجہ و بے ثمر نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ شجر بید۔

(۲) "دست بدست" ہاتھوں ہاتھ۔ یعنی یکے بعد دیگرے۔ خاتم جمشید جمشید کی انگوٹھی۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جام شراب سلطنت ہے یہ ہاتھوں ہاتھ جمشید سے ہم تک پہنچا ہے لیکن جام انگشتی جمشید نہیں کہ اسی کا نام کندہ تھا اسی کے ہاتھ میں رہی اور کسی کو دستیاب نہ ہو سکی۔ اگر وہ بھی جام کی طرح

الٹی کا وہ مقام گوگو ہے جہاں سے سالک پر آثارِ قناری
ہونے شروع ہوتے ہیں۔

(۱۳) وفا پرستانِ عشق کے لئے تلوار کی پاڑہ راہِ فنا ہے۔
لیکن یہ وہ راستہ ہے کہ ایک لمحہ میں طے ہو جاتا ہے۔ اس لئے
رک رک کر جان دیتے اور ستم ماستے گونا گوں کے مزے لینے کی
حسرت باقی رہ جاتی ہے۔

رہمِ اُزبونی کش لذت کش۔ یعنی نالہ کو تاثیر کے احسان اٹھانے کی
ذلت کو نہ ہوتی۔ میں خوش ہوں بہتر ہے کہ دائمی ناامیدی کا
رنج ہی میرے لئے گوارا ہے۔

(۱۵) "باندازۂ تھوہر نہیں" یعنی حد بیان سے باہر ہے۔

(۱۶) "کرم" معشوقی کا التفات، اس کی رواداری، "تقصیر" قصور
کرنا۔ یہاں دوست درازیاں اور اطہارات شوق مراد ہیں مطلب
ہے کہ جب محبوب کی رواداری بیباکی کی اجازت دے اور
اس کا کرم گستاخ دستیوں سے نہ روکے تو قصور کرنے سے
شرمانا یا جھجکنا سب سے بڑا گناہ ہے۔

مرت مردِ مک دید میں بھوینے لگا ہیں | ۱ | ہیں جمع سوید اسے دل چشم میں آ ہیں

(۱) "مردِ مک" آنکھ کی پتلی۔ "سوید" دل کا لفظ سیاہ۔ سویدہ اور
مردِ مک اور ویدہ و دل اور تارنگاہ اور آہوں میں تشبیہ ہے۔
یعنی پتلی میں لگا ہیں نہیں ہیں۔ بلکہ سوید میں آ ہیں ہیں۔

برشکال دیدہ عاشق نہ پیکھا چاہئے | ۱ | کھل گئی ماتند گل سو جا سے دیوار چمن
الفٹ گل سے غلط ہے دعویٰ و راستگی | ۲ | سرو ہے با و صغیر آزاد می زرقا رہیں

(۱) "بزرگال" (بارش) شاعرانہ مبالغہ نگاری ہے۔
 (۲) "وارنگی" آزادی۔ سرو کی بھی صفت آزادی ہے۔ لیکن سرو
 باغوں ہی میں ہوا کرتا ہے۔ گویا وہ باوصف آزادی الفت
 گل کے باعث زنداں خانہ نگلشن سے باہر نہیں نکل سکتا اور دعویٰ
 آزادی غلط ثابت ہوتا ہے۔

عشق تاثیر سے نوید نہیں	۱	جان سپاری شجر بید نہیں
سلطنت دست بدست آتی ہے	۲	جام سے خاتم جمشید نہیں
ہے تجلی تری سامان وجود	۳	ذرہ بے پروا خورشید نہیں
راز معشوق نہ رسوا ہو جاتے	۴	ورنہ مرجانے میں کچھ بید نہیں
گردش رنگ طرب سے ڈر ہے	۵	غم محسوس می جاوید نہیں
کہتے ہیں جیتے ہیں امید پر لوگ	۶	ہم کو جینے کی بھی امید نہیں
سے کشتی کو نہ سمجھ بے حاصل	۷	بادہ غالب عرق بید نہیں

(۱) "جان سپاری" جان دینا۔ شجر بید "بید کا درخت جو برگ و ثمر سے
 محروم پیدا ہوتا ہے یعنی عشق تاثیر سے مایوس نہیں ہے چونکہ
 عشق میں جان بھی جاتی ہے اور جان جیسی شے دینا بے نتیجہ و
 بے ثمر نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ شجر بید۔

(۲) "دست بدست" ہاتھوں ہاتھ۔ یعنی یکے بعد دیگرے۔ خاتم
 جمشید جمشید کی انگوٹھی۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جام شراب
 سلطنت ہے یہ ہاتھوں ہاتھ جمشید سے ہم تک پہنچا ہے لیکن
 جام انگشتی جمشید نہیں کہ اسی کا نام کندہ تھا اسی کے ہاتھ میں
 رہی اور کسی کو دستیاب نہ ہو سکی۔ اگر وہ بھی جام کی طرح

سلطنت ہوتی تو متواتر ہوتی رہتی۔

(۳) تجلی پر تو جمال عکس نور سامان وجود "باعث تکوین" وجہ تخلیق آفتاب کے مقابلہ میں جس ذرہ کا تذکرہ ہوا کرتا ہے وہ وہ ذرہ ہوتا ہے جو آفتاب سے اکتساب نور کر کے خود منور ہو چکا ہو ورنہ آفتاب کے ساتھ عام ذرات خاک و ریگ کا کبھی تذکرہ نہیں ہوتا۔ مطلب یہی ہے کہ جس طرح ذرہ بے پر تو خورشید نہیں ہوتا اسی طرح یہ ظہور کائنات و شہود عالم خلق بغیر تیرے نور جمال کے کائنات موجود کے حیثیت نہیں رکھتے۔ گویا یہ خود تیری تجلی کے سامان ہیں۔ یا معمل اور محل ہیں۔

(۴) مرجانے میں کوئی راز دوسرا تو ہے نہیں خیال یہ ہے کہ لوگ کہیں گے اُس کے عشق میں مر گیا اور یہ اُس کی رسوائی کا باعث ہوگا۔

(۵) گردش "انقلاب" رنگ طرب "حال مسرت و عیش" بھوری و محرومی کا علم و یقین ہوئے گئے بعد نہ کوئی تمنا ہو سکتی ہے اور نہ کوئی مصیبت باقی رہتی ہے جس میں مبتلا ہوئے کا اثریشہ و خوف ہو۔ لیکن مسرت و عیش کی حالت میں ہر وقت خوف رہتا ہے کہ کہیں یہ زمانہ انقلاب پذیر نہ ہو جائے۔

(۶) یعنی عرق بید میں نشاط و سر نہیں ہوتا اور سہمے میں ہوتا ہے۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں	۱	خیابان خیابان ارم دیکھتے ہیں
دل شفق گاہاں خال کنج دہن کے	۲	سوید میں سیر عدم دیکھتے ہیں

	۳ قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں	ترے سر قامت اک قد آدم تماشا کر لے محو آئینہ داری سراغ تفت نالہ لے داغ دل سے
	۴ تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں	۵ کہ شب رو کا نقش قدم دیکھتے ہیں
		۶
	<p>۱) خیاباں "باغچہ تکرار لفظی سے قدم قدم پر خیابان ارم مترشح ہے۔ معشوق کی نقش قدم کی تشبیہ گل و گلزار سے عام ہے۔</p> <p>۲) "دل آشفنگاں" پریشاں دلان عشق "خال" تل "کنج دہن" گوشتہ دہن مراد ہے۔ سویدا (نقطہ قلب) اور خال میں تشبیہ ہے۔ سویدا سے قلب وہ نقطہ ہے جہاں انوار باطنی پر تو افسگن ہوتے ہیں اور یہی نقطہ تماشا سے معرفت کے لئے بصیرت ہے۔ دہن معشوق کو معدوم لکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دہن (چونکہ معدوم ہوتا ہے) کے خال میں ہم سیر عدم کرتے ہیں۔</p> <p>۳) ایک قد آدم کم ہونا گویا فتنہ قیامت گیر قدموں میں پڑا ہوا ہے۔ طرز بیان بہت بدیع ہے۔</p> <p>۴) "تماشا کر" یعنی تماشا دیکھ "محو آئینہ داری" آئینہ کے سامنے بناؤ سنگھار کرنے میں محو یعنی لے بناؤ سنگھار میں محو ہو جائیو الے ذرا اوپر دیکھ کہ ہم تجھے کس تمنا و شوق سے دیکھ رہے ہیں گویا تیرا بناؤ سنگھار کامیاب ہے کہ شوق و پسندیدگی کی نظر میں</p>	

پڑ رہی ہیں۔۔۔ یا جس قدر تو آئینہ کے سامنے بناؤ سنگھار
 کرنے میں محو ہے اسی قدر ہم تیرے جلوے سے متحیر ہیں۔
 (۱۵) "سُراغِ پتہ۔ نشان۔" "تف نالہ" نالہ کا نشانِ سوزِ یادہ گرمی
 جو داغِ دال دینے والی ہو، شبِ رو" مسافر شبِ گرمی کے
 موسم میں اکثر مسافرات کو سفر کرتے ہیں۔ اور تالے بھی
 رات ہی کو کھینچے جاتے ہیں۔ یعنی نالہ ہائے شبِ ہجر کی گرمی کا
 داغِ دل سے پتہ چلا جس طرح رات میں سفر کر جانے والے
 مسافر کا سُراغِ نقشِ قدم سے ملتا ہے۔ گویا داغِ دل نالہ
 شبِ رو کا نقشِ قدم ہے۔

ہلتی ہے خوتے یار سے نارِ التہاب میں
 (۱) کافر ہوں گرنہ ہلتی ہو راحتِ عذاب میں

کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں
 (۲) شبِ ہائے ہجر کو بھی رکھوں گرجا میں

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے غمِ بھر
 (۳) آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
 (۴) میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

مجھ تک کب آن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
 (۵) ساتی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

جو مُنکر و قا ہو فریبِ اُس پہ کیا چلے
 (۶) کیوں بدگماں ہوں دوستِ دشمن کے یاب میں

- میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب کے
(۷) ڈالا ہے تم کو وہ ہم نے کس بیچ و تاب میں
- (۸) میں اور خطر وصلِ حسدِ سازِ باک ہے
جاں نذر دینی بھول کیا اضطراب میں
- ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
(۹) ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں
- (۱۰) لاکھوں لگاؤ ایک چسپاں نازگاہ کا
لاکھوں بساؤ ایک بگڑنا عتاب میں
- وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے
(۱۱) جس نالے سے شکاف پڑے آفتاب میں
- وہ سحرِ مدعا طلیبی میں نہ کام آئے
(۱۲) جس سحر سے سفینہ رواں ہو شراب میں
- غالب چھٹی شرابِ پرآب بھی کبھی کبھی
(۱۳) پیتا ہوں روزِ ابرو شبِ ماہِ تباب میں

(۱) "نار" آگ۔ "التهاب" سوزش یعنی دوست کی آتشِ مزاحی سے
آگ بھی ملتی جلتی ہے۔ اس لئے عذابِ دوزخ سے اگر لذت
وراحت حاصل نہ کروں تو کافرِ عشق ہوں۔

(۲) شعراء و عشاق کے یہاں ہجر کی مدت برسوں کی ہوتی ہے
اگر شبِ ہجر کا حساب کیا جائے تو ایک ایک ات کئی سو برس کی
ہوگی اور یہ اندازہ مشکل ہو جائے گا کہ جہاں خراب (دنیا) میں
آئے ہوئے کتنی مدت ہوئی۔

(۳) یعنی خواب میں آکر اس لئے آنے کا وعدہ کر گئے کہ انتظار میں عمر بھر نیند نہ آئے ان کی یہ کیسی شوخی ہے اور عاشق کی کتنی سادگی ہے کہ خواب کے وعدہ پر سچ سچ عمر بھر انتظار میں جا گئے پر تیا ہے۔

(۴) یعنی ہمارے سوالات کا اپنی عادت کے مطابق وہ جو جواب دیں گے معلوم ہے اس لئے ایک خط اور ان کے جواب میں لکھ رکھوں۔

(۵) یعنی آج مجھے خلاف عادت جام دیا جا رہا ہے۔ سیاق سے کچھ ملا تو نہیں دیا۔

(۶) یعنی معشوق سے بدگمانی بحث ہے کہ اس نے رقیب سے پیمان محبت کیا ہو۔ کیونکہ وہ تو دنا ہی سے منکر ہے چہ جائیکہ جھوٹے اظہار عشق کے دھوکے میں آجائے۔

(۷) ”وہم“ خیال باطل۔ اور رقیب کے خیال کو عاشق خیال باطل ہی سے تعبیر کر سکتا ہے۔ مصرعین کے تقدیم و تاخیر سے شعر کے معنی صاف ہو جاتے ہیں یعنی تم کو وہم نے خدا جاسے کس الجھن میں ڈال دیا ہے مجھے تمہاری خاموشی دیکھ کر بے چینی ہے اور یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں رقیب کا خیال تو تمہارے دل میں نہیں ہے۔

(۸) ”ہیں اور حظ وصل“ بندش مقام تعجب کی ہے۔ یعنی بھلا مجھے اور ایسی کیفیت میں آجائے۔ ”خدا ساز“ محاورہ ہے ایسا امر جس کی ظاہر میں کوئی توقع نہ ہو محض غیب سے نامعلوم

اسباب کی بناء پر واقع ہو جائے۔ اور اسی کثرتِ تعجب کی وجہ سے اور یک لخت یہ لطف یسر آجائے سے مجھ میں اس قدر اضطراب ہوا کہ جان نذر نہ کر سکا۔ ورنہ موقع تو جان دینے کا تھا۔

(۹) "طرف نقاب" گوشہ نقاب یعنی نقاب کے ایک گوشہ میں جو شکن پڑ گئی ہے غالباً نقاب کے اندر آن کے تیور پر بل ہے۔

(۱۰) اس شعر کی خوبی حد بیان سے باہر ہے اور ان اداؤں کے نظارہ ہی سے محسوس ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بیگانوں سے نگاہ نہیں چھرایا کرتے اور غیروں سے اظہارِ برہمی نہیں ہوا کرتا۔

(۱۱) شکاف اور خش کی تشبیہ ہے۔ اور خش کے برابر جگہ نہ پانا محاورہ ہے۔

(۱۲) "سحر" استعارہ ہے عشق سے "سفینہ" کشتی "شراب" ریگِ رواں جس پر پانی کا دھوکا ہوتا ہو۔ یا سحر سے محبوب کی قدرت تمام مراد ہے کہ باوجود اس قدرت کے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر محبوب کا کرشمہ حکمرانی کرتا ہے، ہمارا مقصد پورا کرنے میں اسکی ساری کار سازی بے کار ثابت ہو رہی ہے۔

۱	یہ سو وطن ہے ساقی کوثر کے باب میں	۱	کل کیلئے کہ آج نہ خست شراب میں
۲	گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں	۲	ہیں آج کیوں نلیل کہ کل تک تھی پسند
۳	گروہ صدا سمانی ہے چنگ و باب میں	۳	جان کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دم سماع
۴	نے ہاتھ ہاگ پر ہے نہ پاپے رکاب میں	۴	رو میں ہے رخ عمر کہاں دیکھتے تھے
۵	جتنا کہ وہم غیر سے ہوں بیچ و تاب میں	۵	اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت کے بعد ہے

اصل شہود و شاہد و شہود ایک ہے	۶	جیراں ہوں پھر شاہد ہے کس حساب میں
ہے مشتعل نمود صورت پر وجود و بحسب	۷	یاں کیا دھڑ ہے قطرہ و موج و جناب میں
شراب اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے ہی	۸	میں کتنے بے حجاب کہ ہیں میں حجاب میں
آرائش جمال سے فایغ نہیں ہنوز	۹	پیش نظر ہے آئینہ و ائیم نقاب میں
ہے غیب غیب جھکو سمجھتے ہیں ہم شہود	۱۰	میں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

غالب ندیم دوست آتی ہے بونے دوست
مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں

۱۱

(۱) شعر میں "کل" ذو معنی ہے۔ ایک تو آٹے والی کل۔ دوسرے
فردائے قیامت۔ پھر اگر ہم آج مر گئے تو کل ہی ہماری
قیامت ہے۔ یعنی شراب میں نجست و نجل نہ کر اور کل کے لئے
باقی نہ رکھ۔ کیونکہ کل تک جینے ہی کی کیا اُمید۔ کل کی
فکر کرنا ساقی کو شرکی شان میں سوئے زنی و گستاخی ہے۔
کیونکہ "کل" شراب عطا کرنے کا منصب صرف اسی ساقی
عالی جناب کو ہے۔

(۲) "کل" کا اشارہ یوم تخلیق آدم کی جانب ہے جب فرشتوں سے
جناب باری نے سجدہ آدم کا حکم دیا تھا وَاذْكُلْ اَرْضَكَ نَبَلًا تَكْفُرُ
اِنِّى جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوْا اَجْعَلْ فِىْهَا مِنْ يَّقْسِدِ فِىْهَا
وَيَقْسِدُ الَّذِىْ مَاعَ وَتَحْنُ تَسْمِعُ يَحْمَدُكَ تَقْدِىْسُ لَكَ۔ قَالَ اِنِّى
اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اِنَّ اَرْشَادِىَّ اَمَّا اَكُمْ زَمِيْنَ پَر اَوْ تَمْ كُو اِنَّا خَلِيفَةُ
بنائے والے ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ کیا تو ایسوں کو خلیفہ
بناتا ہے جو زمین میں فساد پھیلاتے گئے اور خوش زمینیاں کرینگے

اور ہم تو تیری حمد کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں دگویا ہم مستحق
خلافت ہیں تو ہماری حمایت میں ارشاد ہوا کہ ہم خوب
جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔ یعنی انسان کے متعلق فرشتوں نے
جو محبت پیش کی تھی اس سے ان کی زبان بندی کر دی گئی، اور
خلافت ارضی کی قابلیت ہم ہی میں ثابت رہی۔ پھر آج کیوں
ذلیل ہیں۔

(۳۳) ”دم سماع“ گانا یا ساز سننے کے وقت ”وہ“ کا اشارہ معشوق
حقیقی کی جانب ہے۔ ”چنگ وریاب“ یا جوں کے نام ہیں۔ یعنی
دم سماع جو جان سی نکلی جاتی ہے یہ کیا بات ہے۔ اگر چنگ
وریاب میں معشوق کی آواز سہائی ہوئی ہے تو وہ صدا جانفزا
ہونی چاہئے۔ نہ کہ جان گدار۔

(۳۴) ”رخش“ گھوڑا۔ ”رویں ہے“ سرگرم رفتار ہے۔ یعنی جان پر
کوئی اختیار نہیں نہ معلوم کس وقت نکل جائے۔
(۳۵) یہ ایک اصول تصوف ہے کہ غیریت اور کثرت مد نظر رکھنے سے
توحید حاصل نہیں ہوتی۔ اور اپنی حقیقت جو گو وحدت ہے
توحید سے بعید ہو جاتی ہے پس ان تمام مظاہر میں جن کو
کثرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اپنی ہستی بھی شامل کر کے ایک ہی
عینیت کا مشاہدہ کرنا چاہئے۔ یہی شعر کا مطلب ہے کہ
جس قدر غیریت اور غیر سے مجھے وابستگی ہے اتنی ہی اپنی
حقیقت سے دوری ہے۔

(۳۶) ”شہود“ ”شاہد“ ”مشہود“ یہ سب تصوف کی اصطلاحیں ہیں۔

شہودِ عالم وجود و ظہور اور ہی عالمِ شہود، شاہد یعنی دیکھنے والے کے شاہدے سے مشہود ہوتا ہے، نظر آتا ہے تو گویا شہود و مشہود اور شاہد تو ایک ہیں لیکن مشاہدہ وہ شے جس سے شاہد کو شہود و مشہود ہوتا ہے یعنی وہ قوتِ بصر کیا ہے۔
ظاہر ہے کہ ہمہ اوست۔

(۷) "مثمل" شامل "صور" صورتیں اور شکلیں یعنی وجودِ دریا کا ظہور صورتوں اور شکلوں کی بنا پر ہوتا ہے۔ قطرے موج اور حباب دریا کی مختلف شکلیں ہیں جو دریا سے علیحدہ وجود و ہستی نہیں رکھتیں و رآں حالیکہ دریا کی نمود انہیں اشکال پر منحصر ہے۔ اگر دریا میں روانی نہ ہو۔ موجیں نہ آئیں تو ایک سطح سا کن کی طرح دریا کی ہستی متاثر رہے۔ اسی طرح یہ کائنات اور یہ عالم صور و اشکال خالقِ حقیقی کے وجود کے مظاہر ہیں۔

(۸) شرم کو ادائے نازی یا ایک اندازِ تمکنت کہا ہے۔ اور کسی اندازِ تمکنت و ناز کے لئے بیباکی اور بے حجابی ضروری ہے گویا یہ شرم خود بے حجابی ہے۔ "اپنے ہی سے سہی" یعنی خود بخود۔ آپ ہی آپ۔ خود اپنے آپ سے۔ شعر میں شاعرانہ انداز میں متصوفانہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ یعنی شرم ادائے ناز ہے اس لئے بے حجابی ہے۔ گویا اس جمالِ حقیقت کا ظہور، رخا اور خفا ظہور۔
(۹) "آرایش جمال" حسن کا بناؤ سنگھار۔ یہ عالم خلق و دنیا صفت خالقیت کا منظر ہے۔ گویا اس کی خالقیت اس کے جمالِ صفت

کا آئینہ ہے۔ لیکن یہ کائنات مخلوقات خود اس کے جمال ذات کے لئے
حجاب و نقاب بھی ہے۔ اور چونکہ اس کی صفت و قدرت خالقیت
پر کبھی تعطل وارد نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ بنائے اور سنوارنے
سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ گویا حجاب کائنات و مخلوقات کے
اندر آئینہ خالقیت لئے ہوئے وہ شاہد حقیقی آرائش ذات میں
مصروف ہے۔

(۱۰) ”غیبِ غیب“ کی ترکیب تصوف کی اصطلاح غیب الغیب سے
ماخوذ ہے۔ اور یہ ذات الہی کی صفت یا مرتبہ ہے۔ اس دنیا کو عالم
شہود کہتے ہیں۔ اور شہود بھی اس کی ایک صفت یا مرتبہ ہے
گویا ظہور ذات کا دوسرا نام شہود ہے۔ لیکن اس ظہور سے کہتے
ذات پر اور خفا وارد ہوتا ہے۔ اس لئے غالب نے ہکمال بلاغت
و دقیقہ رسی مرتبہ ظہور کو غیب الغیب سے تعبیر و ثابت کیا ہے۔
اور جس کی نہایت بدیہہ تمثیل اس طرح کی ہے کہ جو لوگ خواب میں
بیداری کا خواب دیکھتے ہیں وہ بیدار نہیں بلکہ خواب میں خواب
دیکھتے ہیں۔

(۱۱) ”نایم“ مقرب ”بو تراب“ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کنیت
ہے یعنی میں حضرت علی کی پرستش سے خدای کی عبادت کرتا ہوں
کیونکہ مقربان دوست سے دوست ہی کی بو آتی ہے۔

جیسا ہوں دل کو رووں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
(۱)
(۲) چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں

ہراک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہ نہ کروں

جانا پڑا رقیب کے در پر ہسینا ر یار
(۳) اے کاش! جانتا نہ ترے رہ گذر کو میں

ہے کیا جو کس کے باندھے میری بلا ڈرے
(۴) کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے تنگ و نام ہے
(۵) یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہراک تیرو کیساتھ
(۶) پہچانتا نہیں ہوں ابھی رہبر کو میں

خواہش کیا حقوں نے پرستش دیا قرار
(۷) کیا پوچھتا ہوں اس بت بیدا و گر کو میں

پھر بے خودی میں بھول گیا راہ کوئے یار
(۸) جانا اگر نہ ایک دن اپنی خبر کو میں

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل و ہر کا
(۹) سمجھا ہوں ولیزیر مستاع ہنر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوارِ سمنار
دیکھوں علیؑ بسادر عالی گھر کو میں

(۱۰) یعنی میں دل یا جگر دواؤں میں سے کسی ایک ہی کا ماتم کر سکتا
ہوں۔

(۱۱) یعنی رشک سے تو یہ گوارا ہوا نہیں، نیز سے گھر کا نام لوں، اور تلاش
تیرے گھر کو میرے ہاں تلاش میں ہر ایک سے ہے پوچھتا

تھا کہ گھر جاؤں۔

(۳۱) تیری راہ گزار تو دیر رقیب کی جانب سے ملتی۔ اور مجھے معلوم ہو گیا تھا اس لئے ہزاروں مرتبہ تیرے اشتیاق میں رقیب کے دستک جاتا پڑا۔ کاش تیری رہگدہ معلوم نہ ہوتی تو دیر رقیب پر جانا نہ پڑتا۔

(۳۲) یعنی آپ جو کر سکتے ہیں۔ یہ محفل قتل کی دھمکی ہی دھمکی ہے۔ میں کیا تمہاری کمر جانتا نہیں ہوں کہ یہ یعنی معشوق کی کمر ہوتی ہی نہیں، یہ کمر کسنا جھونٹ مونٹ کا ہے۔ پھر میں کیوں ڈروں۔

(۳۳) یعنی میں تو یہ سمجھتا کہ وہ میری و غاوری اور قربانیوں کی قدم کریں گے لیکن وہ بھی مجھے بے نام و ننگ کئے گئے۔ اگر یہ خبر ہوتی تو گھر بار کیوں لٹا دیتا۔

(۳۴) یعنی رہبر کی کوئی شناخت تو ہے نہیں۔ تیرا روی باعث ترغیب ملتی اور ہر تیرے رو کے ساتھ ہولیتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوتا تھا کہ یہ رہبر اور اپنی منزل مقصود کا عنصر راہ نہیں ہے۔ یعنی تیرے دلیل رہبر ہی ہے۔

(۳۵) یعنی بے خودی و عالم خود فراموشی اس قدم بڑھ گئی کہ کوئی یار کا پتہ یاد نہ رہا۔ اگر بے خودی نہ ہوتی تو اپنے آپ کے کی تلاش میں ایک دن وہاں جاتا۔ کیونکہ میں وہیں جا کر کھو سا جاتا ہوں۔ یا یہ کہ خود میری ہستی کوئے یار کا پتہ ہے۔ اعدا اب چونکہ کوئے یار کا پتہ نہیں رہا۔ میں اپنے سے بھی بے خبر ہوں اور یہی میری بے خودی ہے۔

(۹۱) ”دلپذیر“، پسندیدہ اور قابلِ قدر۔ یعنی میں جنسِ ہنر سے متوقع ہوں کہ اسی میں مقبولیت عامہ۔ گویا اہلِ دنیا کو بھی اپنے جیسا سمجھتا ہوں۔ دوراںِ حالے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

۱	غیر کی بات پگڑ جائے تو کچھ دور نہیں	۱	ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں
۲	مردہ قتلِ مقدر ہے جو مذکور نہیں	۲	وعدہ سیرِ گلستان ہے خوش طالع شوق
۳	لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں	۳	شاہدِ ہستی مطلق کی کمر ہے عالم
۴	ہم کو تقلیدِ تنگ ظرفی منحصر نہیں	۴	قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے وریا لیکن
۵	عشق پر عہدہ کی گویں تو رنجور نہیں	۵	حسرت اسے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہیں
۶	کس سے عورت کا وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں	۶	میں نہ کہتا ہوں کہ ہم لینگے قیامت میں نہیں
۷	تو ثقافت میں کسی رنگ سے معذور نہیں	۷	ظلمِ نظام اگر لطفِ دروغ آتا ہو
۸	واسے وہ بادہ کہ افشردہ انگور نہیں	۸	صاف دردی کش پیمانہِ رحم ہیں ہم لوگ

ہوں نظوری کے مقابل میں خفائیِ فالت

میر سے دعوے پر یہ نچت ہے کہ مشہور نہیں

۹

(۱۰) یعنی غیر حسب دستور میری برائیاں ان کے سامنے بیان کرتا ہے اور ان کو مجھ سے اس قدر نفرت ہے کہ کسی عنوان سے میرا ذکر سننا منظور نہیں۔ کچھ مجب نہیں کہ رقیب سے بھی وہ ناراض ہو جائیں۔

(۱۱) ”خوش طالع شوق“ شوق کی خوش قسمتی، یعنی انہوں نے سیرِ گلستان کا وعدہ کیا۔ گویا مردہ قتل اس وعدہ میں مقدر ہے کیونکہ وہ اسے ارادہ قتل اور وہ سیرِ گلستان میں میری ہمراہی کیوں پسند

کرنے لگے تھے۔ خوش اطالع شوق کہ آرزوئے قتل پوری ہونے والی ہے۔

(۳۴) "ہستی مطلق" وجود مطلق، معشوق حقیقی، منظور نہیں "یعنی نظر نہیں آتی۔ اس عجیب و غریب فلسفہ اور تصوف میں استاد نے شاعری کی روح پھونکی ہے۔ تصوف کا مسئلہ ہے کہ یہ عالم کون و خلق۔ عین ذات و وجود ہے۔ فلسفہ کہتا ہے کہ امکان وجود بین العارین کا نام ہے۔ یعنی ممکن عاید سے آتا ہے۔ اور عدم کو چلا جائے گا۔ گویا معدوم ہو جائیگا۔ یہ عالم امکان بھی عدم سے ممکن ہوا ہے اور معدوم ہو جانے والا ہے۔ لیکن اگر فنا و عدم اس کی حقیقت ہے تو تصوف کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ کہ عین وجود ذات یا ہمہ اوست یا وحدت الوجود کے لئے عدم لاحق ہوگا۔ غالب کی شاعری اس کا فیصلہ کرتی ہے۔ کہ یہ کائنات ممکن بھی ہے اور واجب بھی عین وجود بھی ہے۔ گویا یہ عالم معشوق حقیقی کی کمر ہے کہ ہے اور نہیں ہے۔ اور ہے تو ابھی کی ہے۔ کیونکہ شعراء کے یہاں محبوب کی کمر بھی ایسا ہی ٹھہرے۔

(۳۵) "یعنی منصور کے آوازہ انا الحق جو توحید وجودی کے اصول پر مبنی تھا کہ موافق ہم بھی وجود الہی سے مہر ہی نسبت رکھتے ہیں۔ لیکن ہم تنہا نظر فی منصور کی تقلید کرتا نہیں چاہتے۔

(۳۶) "عشق پر عریذہ" "عشق جنگجو۔ گویا" قابلیت و طاقت تیز رنجور۔ جسم بیمار و زار یعنی اسے فوق بر باد ہی بخت حسرت و

افسوس ہے کہ عشق پر عہدہ کے قابل میرا جسم زار نہیں ہے اور
اب وہ قوت مقابلہ اور برداشت ستم باقی نہیں۔
(۶) گویا وہ خود کو غور سے بر طحا چڑھا کر سمجھتے ہیں۔ اور پھر کیا
معقول برجستہ اور شوخ جواب ہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہے
کہ جو میں معاوضہ طاعت و عبادت الہی میں اور بہاں خود اور عبادت
نہانی ہے۔

(۷) ”لطفت دریغ آتا ہو“ لطفت کرنے میں اگر دریغ ہے تو ظلم
کیجئے۔ اور تغافل سے تو آپ کسی طرح معذور رہی نہیں۔ وہی کرو۔
کہ وہ بھی ظلم ہے۔

(۸) ”دورجی کش“ تلخ پینے والے۔ اور بہاں مقلد مراد ہے۔
”صاف“ زرد کے مقابلہ کا لفظ ہے۔ نیز تاکید و تصریح محکم
معنی میں آتا ہے۔ ”افشردہ انگور“ انگوروں سے پھوڑی ہوئی
یا انگوری شراب۔ اس شراب پر افسوس ظاہر کر کے چو انگوری
نہ ہوا اپنا مشرب ظاہر کیا ہے۔ کہ ہم بھی ہمیشہ کی طرح انگوری
شراب پیتے ہیں۔

(۹) ”ظہوری“ شاعر مشہور۔ اور لفظ ظہوری کے معنی ظاہر اور
شہیر کے ہیں۔ اس کے مقابلہ کا لفظ خفائی (یعنی پوشیدہ وغیرہ
نمایاں) ہے۔ مطلب ہے کہ میں اور ظہوری ہم مرتبہ ہیں۔
لیکن وہ چونکہ مشہور ہے اس لئے ظہوری ہے اور میں چونکہ
گمنام ہوں اس لئے خفائی۔ اور دلیل تقابل یہ ہے کہ میں
مشہور نہیں ہوں۔

۱	نالہ جز حسن طلب اے ستم ایسا دہیں	۱	ہے تقاضائے جفا شکوہ بیاد نہیں
۲	کم نہیں وہ بھی خرابی میں یہ وسعت معلوم	۲	دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھیرا دہیں
۳	عشق و مزدوری عشرت کہ خضر کیا خوب	۳	ہم کو تسلیم نہ کو نامی فسر ہا دہیں
۴	اہل بینش کو ہے طوفان حوادث کشمکش	۴	سطح موج کم از سیلی استاد نہیں
۵	ولائے محرومی تسلیم و بیا حال و وفا	۵	جانتا ہے کہ ہمیں طاقت فرما دہیں
۶	رنگ تمکین گل ولالہ پریشاں کیوں ہے	۶	گر چراغان سر بہ گداز باد نہیں
۷	سب گل کے تلے بن کرے ہے گلچیں	۷	شرودے مرغ کہ گلزار میں صفا دہیں
۸	نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا	۸	دی ہے جائے دہن اسکو دم بجا دہیں
۹	کم نہیں جلوہ گری میں ترے کو چہ بہشت	۹	یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب

تم کو بے مہرے یا ران وطن یاد نہیں

(۱) یعنی اے ستمگر میرا نالہ شکوہ جفا نہیں ہے بلکہ حسن طلب ہے اور جفا کا تقاضا ہے۔

(۲) یعنی گھر بھی اگر چہ صحرائے ویرانی اور خرابی میں کم نہیں لیکن گھر کی وسعت ہی کیا تھی۔ اس لئے صحرائیں مجھے ایسی آسودگی ہے کہ گھر یاد نہیں آتا۔ اسی مضمون کا ایک شعر اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

نقصان نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب

سو گز نہیں کے بارے بیاہاں گراں نہیں

(۳) خسرو فرہاد کا مایاب رقیب۔ اس شعر میں محل سرا ہے

خسرو و شیریں کی تعمیر سے تلخ ہے کہ فرہاد کی شہرت ہمارے

نزدیک مسلم نہیں۔ کجا عشق۔ کجا عشرت گاہ خسرو کی مزدوری۔

(۴) ”اہل بیت“ صاحب بصیرت۔ عقلاء ”حوادث“ آفات ارضی و سماوی مراد ہیں۔ ”لعلہ“ پتھر۔ ”موج“ طوفان کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ ”سُیالی“ پتھر۔ یعنی اہل عقل کے لئے طوفان مصائب بھی گویا کتب عبرت و استقلال ہے۔ جس کی موجوں کے پتھر سے استاد کی تادیب و تنبیہ کی مثل ہیں۔

(۵) ”وائے“ افسوس۔ ”بدا“ کس قدر بُرا یعنی افسوس ہے۔ تسلیم و رضا کی محرومی پر اور کس قدر بُرا حال ہے و فاداری کا کہ ہمارے ضبط سے وہ سمجھتا ہے کہ فریاد کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

(۶) ”تمکین“ خود داری۔ اور یہاں مجموعہ اوراقِ گل و لالہ مراد ہے اور اسی جمعیت پر گل و ہار کی مناسبت سے۔ ”پریشانی“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ”سیرِ رنگِ رباد“ ہوا کی گزرگاہ میں۔

”چراغِ خزاں“ اور گل و لالہ کی تشبیہ ظاہر ہے۔ اور ہوا چراغ اور خزاں و بہار کے لئے مشترک ہے۔ یعنی اگر یہ پھول و غنیرہ ہوا کی رنگِ رباد کے چراغ نہیں ہیں تو گل و لالہ کا رنگِ تمکین کیوں پریشاں ہے۔ یا بادِ خزاں سے اوراقِ گل و لالہ کیوں بکھرے پڑے ہیں۔

(۷) ”سبِ گل“ پھولوں کی ٹوکری۔ یعنی گلچیں پھولوں کی ٹوکری کے نیچے بند کرتا ہے۔ اور پھولوں سے وصل کا موقع مل جاتا ہے۔ مشرودہ لے باغ کہ باغ میں صیاد نہیں ہے کہ شکار کر کے باغ سے لیجائے۔ اور مبتلائے دام و قفس کر کے پھول سے چڑا دے۔

(۸) یعنی صانعِ انزل نے اس کو بجائے ”وہن“ کے لفظ ”نہیں“ دیا یا

ہے۔ تو گویا یہ نفی یعنی انکار اور نہیں ثابت کرتی ہے کہ معشوق کے
 وہن ہے کیونکہ اگر وہن نہ ہو تو نہیں کہاں سے نکلتے۔
 (۹) یعنی عشاق کا ایسا جھگڑا وہاں نہیں ہے۔

۱	یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں
۲	ہو غم ہی جاں گداز نہ تو غنچہ ار کیا کریں
۳	تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

(۱) "دونوں جہان" دین و دنیا۔ وہ کا اشارہ خدا کی جانب ہے۔

(۲) یعنی اہل بزم تو چاہتے ہیں کہ شمع کو شبات ہو۔ لیکن جلتے جلتے
 بالآخر وہ ختم ہو ہی جاتی ہے۔

(۳) گویا مسرت کی منزل مقصود تک رسائی میسر نہ آئی۔

عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں میں	ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
------------------------------------	------------------------------------

(۱) یعنی غیر کی شیریں زبانی کا اثر ہے اور ہم کم گوئی کی وجہ سے
 محروم ہیں۔

قیامت ہے، کہ سن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
 تعجب سے وہ یولالیوں بھی ہوتا ہے زمانے میں (۱)
 دل نازک پہ اُس کے رحم آتا ہے مجھے غالب
 نہ کر سرگرم اُس کا فر کو الفت آزمائے میں (۲)

(۱) یعنی جذبِ عشق پر تعجب ہوا۔

(۲) یعنی اپنے جذب و کششِ الفت سے اُس کے دل نازک پر
 تکلیفاتِ عشق و وفا عائد ہو جائیں گی۔ اس لئے اس کے دل پر
 رحم آتا ہے۔

دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا

(۱)

بارے اپنی بیگسی کی ہم نے پانی وادیاں

ہیں زوال آمادہ اجزاء آفرینش کے تمام

(۲)

مگر گردوں سے چراغ رہ گذار بادیاں

(۱) یعنی اب معشوق کو بھی عشق ہو چکا ہے شک ہے کہ ہماری بیگسی کی پانی

وادیاں کہ خود بدولت بھی تنہا پسٹ ہو گئے ہیں۔

(۲) "زوال آمادہ" زوال پذیر۔ "عربہ انحطاطہ" اجزاء آفرینش "اجزاء"

کائنات "چراغ رہ گذار باد" وہ چراغ جو کہ ہول کے چھونکوں میں جل

رہا ہو۔ موجودہ دور کے حکماء آفتاب کو مرکز کائنات مانتے ہیں

ان کے عقیدہ میں کہہ ارض اور کہہ ارض کی تمام موجودات کی بقا کا

انحصار آفتاب کی حرارت و کشش اور نور وغیرہ پر ہے۔ پھر

یہ بھی عقیدہ ہے کہ آفتاب کی حرارت روز بروز کم ہوتی جاتی ہے

غالب کا شاعرانہ تخیل اس جدید علمی تحقیق یعنی زوال حرارت

آفتاب سے زوال اجزاء آفرینش پر است۔ لال کرتا ہے۔

اور علمی اعتبار سے دلیل ایسی راست اور صحیح ہے کہ موصوف

کے شاعرانہ تخیل کو اعجاز و کرامت کے مرتبہ تک پہنچا دیتی ہے۔

یعنی اجزاء آفرینش کائنات زوال پذیر ہیں۔ اور آفتاب بھی گویا ہوا

کے چھونکوں میں رکھا ہوا چراغ ہے۔

۱	یہ ہم جو پھر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں	کبھی صبا کو، کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
۲	وہ آتش گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے	کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
۳	نظر لگے نہ کہیں ان کے دست بازو کو	یہ لگ کیوں سے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

	ترے جواہر طرف کلہ کو کب دیکھیں ہم اور چ طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں	(۳)
<p>(۱) صبا کے لئے دیوار اور نامہ بر کے لئے در۔</p> <p>(۲) خیر متوقعہ آمد۔ خدا کی قدرت ہے اور مصرعہ ثانی میں جمع ضد پر اظہار تعجب ہے۔</p> <p>(۳) یعنی زخم کے کاری ہونے پر ان کے ہاتھ اور قوت کو نظر نہ لگ جائے۔</p> <p>(۴) یعنی ہم جواہرات کو کب دیکھتے ہیں۔ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کا نصیب ہے کہ تیرے ستر تک پہنچ گئے۔</p>		
<p>نہیں کہ عجز کو قیامت کا اعتقاد نہیں ۱ شب فراق سے روز جزا زیاد نہیں کوئی کہے کہ شب مہ میں کیا بڑائی ہے ۲ بلا سے آج اگر دن کو ابرو باد نہیں جو آؤں سلسلہ ان کے تیر حیان کہیں ۳ جو جاؤں واں کہیں کہ تو خیر یاد نہیں کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں، تو کہتے ہیں ۴ کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں علاوہ عی کے ملحق ہے اور دن بھی شراب ۵ گراے کو چہ بیخانہ، نامہ مرا و نہیں جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہیں کیا کام ۶ دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں</p>		
	تم ان وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں	(۷)
<p>(۱) یعنی میں جو شب فراق کی طوالت اور تکالیف بیان کرتا ہوں تو اُس کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت کا منکر ہوں۔ لیکن ہاں شب فراق کے طول اور مصائب سے روز جزا کی طوالت اور پریشانی زیادہ نہیں۔</p>		

(۲) یعنی دن کو ہوا دا بر نہ سکتے۔ تو ظاہر ہے کہ چاندنی زیادہ صاف ہوگی۔ اس لئے مے کے لئے محض ابر و ہاد کا التزام صحیح نہیں شب باہ بھی میخوری کے لئے موزوں ہے۔

(۳) یعنی میرے آنے اور رزم میں رہنے نہ رہنے کی وہ کچھ پرواہ ہی نہیں کرتے۔

(۴) اگو یا مجھ کو کس بڑائی اور شوخی سے یاد کرتے ہیں۔

(۵) یعنی گد لئے میخانہ عام و ریوزہ گروں کی طرح نامراد نہیں ہے کہ خاص خاص ہی موقع پر کچھ ملے۔

(۶) یعنی دنیا میں باری باری کبھی غم کبھی خوشی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ہمیں اس سے کیا فائدہ۔ ہمارے پاس تو مہی ایک دل محروم ہے جسکو خوشی سے کوئی سروکار ہی نہیں۔

(۷) یہ تو ظاہر ہے کہ وعدہ خلافیاں ہوئیں لیکن اب اس کا فکر ان سے غمٹ ہے۔ اس سے فائدہ ہی کیا۔ کہ وہ ”یاد نہیں“ کہہ کر

نکر جائیں تو یہ حجاب بھی باقی نہ رہے گا۔ پھر وہ اول تو وعدہ ہی نہ کرینگے اور کر بھی لیں گے تو دلیری اور بیباکی سے وعدہ شکنی کر گزریں گے۔

تیرے تو سن کو صبا باندھتے ہیں	۱	ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے	۲	ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
تیری فرصت کے مقابل لے عمر	۳	برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں
قید ہستی سے رہائی معلوم	۴	اشک کو بے سرو پا، باندھتے ہیں
نشہ رنگ سے ہے واشیہ گل	۵	مست، کب بند قبا باندھتے ہیں

	۱۔ لوگ مانا لے کر ساء باندھتے ہیں	غلطیہائے مضامین مت پرچھ	
	۲۔ آبیوں پر بھی حنا باندھتے ہیں	۳۔ اہل تہسیر کی داماندگیاں	
	سادہ پرکار ہیں خوپاں غالب ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں	۸	
<p>(۱) شاعرانہ قافیہ پیمائی ہے ”صبا باندھنا“ اور ہوا باندھنے کا ثبوت ہے۔</p> <p>(۲) یعنی یہ تو معلوم ہے کہ آہ میں اثر نہیں ہوتا۔ مگر معشوق پر ہوا باندھتے ہیں کہ شاید وہ دھوکے میں آ جائے۔</p> <p>(۳) ”برق پابہ حنا“ یعنی جس کی سرخیت رفتار عقوڑ دیر کے لئے موقوف ہو گئی ہو وہی حال وفقہ و مدت عمر کا ہے۔</p> <p>(۴) ”قیہ ہستی مصائب و آلام زندگی سے استعارہ ہے۔ اور گریہ و اشک بھی لوازم رنج و غم سے ہیں۔“ ”قید“ اور باندھنے میں رعایت لفظی ہے۔ ”بے سرو پا“ جس کی ابتلا نہ انتہا اور جو انتقال و انقلاب کی گنجائش سے محروم ہو۔ یا عقدہ لانیچل لیکن شعراء اشک کو بے سرو پا لکھا کرتے ہیں۔ مطلب ہے کہ جس طرح اشک بے سرو پا ہے اسی طرح قیہ ہستی مصائب زندگی جو اسباب اشک ریزی ہیں۔ وہ بھی بے سرو پا اور غیر انقلاب پذیر ہونے چاہیئیں۔</p> <p>یا قیہ ہستی بھی اشک بے سرو پا کی طرح عقدہ لانیچل ہے۔</p> <p>(۵) ”داش“ کھل جانا۔ گویا رنگ کے نشہ سے گریبان گل چاک ہو گیا ہے۔ کیونکہ مست بند قبا نہیں باندھا کرتے۔ یعنی رنگ، شوق وغیرہ کی شدت باعث شگفتگی ہے۔</p>			

(۷) یعنی بھلا نالہ رُسا کہا ہوتا ہے۔ اس کو رُسا یا ندرستا سمجھنا اور اس کی غلطی ہے۔

(۸) ”واماندگیاں“ مجبوریات۔ یعنی اہل عقل کی مجبوری تو دیکھو اوّل تو آبلے خود چلنے سے مانع ہوتے ہیں۔ اُن پر حنا یا ندرستا ایک مانع رفتار، اور اضافہ کر لیتے ہیں۔ جس سے چلنے کے لائق ہی نہیں رہتے۔ اہل جنوں کو دیکھو کہ اُن کے آبلوں کا علاج کانٹوں پر دوڑنا ہے۔ اور ذرا مجبور و پابن نہیں ہوتے۔

(۹) ”سادہ“ عقلی طور پر نشیب و فراز سے ناواقف۔ ”پرکار“ بدچالاک و پُر فریب“ یعنی معشوق لوگ چالاک تو کرتے ہیں لیکن عقلمندی اور ہوشیاری سے نہیں کیتے۔ کہ ہم سے عہد وفا کرتے ہیں اور دل میں یہ جانتے ہیں کہ ہم نے جھوٹ موٹ عہد کیا ہے۔ اور یہ سچ سمجھا ہے یا یہ کہ اس عہد کو پورا کیون کرتا ہے۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہم خود ان کو بدعہد جانتے ہیں۔ یا اُن پر تقاضہ کرتے کرتے پیمان وفا کو پورا ہی کرا لیں گے۔

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ استاد | مگر نہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

(۱) یعنی ہم تو زمانہ کو اس سے بھی زیادہ مصائب و آلام کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔

۱	خاک ایسی زندگی پر کہ پتھر نہیں ہونے نہیں	۱	دائم پڑا ہوا ترسے در پر نہیں ہوں میں
۲	انسان ہوں پیالہ ساغر نہیں ہوں نہیں	۲	کیوں گردشِ بزم سے گھبراتے جانے دل
۳	لوحِ جہاں پہ حیرت مگر نہیں ہوں نہیں	۳	یارِ بدنامہ مجھ کو مٹاتا ہے گھر سے

۴	آخر گنہگار ہوں ہوں کافر نہیں ہو نہیں	حد چاہیئے مزار میں عقوبت کے واسطے
۵	لعل و زمرہ و زر و گوہر نہیں ہو نہیں	کس واسطے عزت نہ نہیں جانتے مجھے
۶	رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہو نہیں	کہتے ہو تم قریب میری آنکھوں سے کیوں دلیخ
۷	کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہو نہیں	کرتے ہو مجھ کو منع قریبوس کس لئے

فالتب و طیفہ غوار ہو، دو شاہ کو دُعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہو نہیں

(۱) یعنی کاش میں پتھر ہوتا تاکہ سنگِ آستانِ یار ہوئے کی امید ہو جاتی۔

(۲) گردشِ مدام، متواتر بد نصیبیوں کا ظہور اور گردشِ پیالہ و ساغر ہی کے لئے ہے۔ انسان کیوں نہ گھبرائے۔

(۳) حروفِ مکرر، جو عرفِ غلطی سے دو مرتبہ تحریر میں آگیا ہو جسکو مٹا دیا جاتا ہے۔ یعنی زمانہ مجھے بحث مٹاتا ہے۔

(۴) تادم، "حد" یعنی تعین و اندازہ شرعی اصطلاح میں مزار کو حد کہتے ہیں۔ "عقوبت"، تکلیف و عذاب۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چاروں اشعار میں بارگاہِ رسالت سے مخاطب ہے۔

(۵) حضورِ مہر و رو کا سات نے دولت و اسبابِ جاہ کی تحفہ فرمائی ہے تو استاد کہتے ہیں کہ میں لال و جواہر نہیں پھر مجھ پر کرم کیوں نہیں فرمایا جاتا۔

(۶) آنکھوں اور مہر و ماہ میں تشبیہ ہے۔ پھر انسان کے مرتبہ کی تریح شعر میں بیان کی گئی ہے۔

اچھا یعنی آپ نے آسمان کو تو شبِ معراج پا بوسی کی عزت بخش دی

آرزوئے قدس کیوں محروم ہے۔
(۸) بادشاہ کا اشارہ شاہ دہلی کی جانب ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
(۱۱) خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں
یا دھتھیں ہمکو بھی رنگارنگ، بزم آرائیاں
(۱۲) لیکن اب نقش و نگار طاقِ نسیم ہوں گئیں

تھیں نباتِ النعش گردوں، دیکھو پیٹے میں نہاں
(۱۳) شبِ کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں
قیام میں یقیناً نے لی گونہ یوسف کی خبر
(۱۴) لیکن آنکھیں روزِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
(۱۵) ہے زلیخا خوش کہ مچو ماہ کنجاں ہو گئیں
جئے خوں آنکھوں کے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
(۱۶) میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں، دو فروزاں ہو گئیں

ان پریزاؤں سے لینگے، غلام میں ہم انتقام
(۱۷) قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں
نیں اس کی ہے دماغ اس کا ہے رایتیں اسکی ہیں
(۱۸) بیری زلفیں جس گے بازو پر پریشاں ہو گئیں

میں چمن میں کیا گیا، گویا دبستان کھل گیا
(۱۹) بلبلیں سن کر مرے نالے غزلِ نواں ہو گئیں
وہ نکلا ہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یادِ دل کے پار
(۲۰)

جو مری کوتاہی قسمت سے مرگیاں ہو گئیں

بسکہ روکائیں نے اور سینہ میں پھریں پیے بپے

(۱۱)

میری آپں بھجیہ چاک گریباں ہو گئیں

داں گیا بھی میں، تو ان کی گالیوں کا کیا جواب

(۱۲)

یاد تھیں جتنی دعائیں صرف درباں ہو گئیں

جالقز ہے باوہ، جس کے ہاتھ میں جام آگیا

(۱۳)

سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں

ہم موصد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم

(۱۴)

ملتیں جب مٹ گئیں اجڑائے ایماں ہو گئیں

سرخ سے خوگر ہوا انسان تو مٹھاتا ہے رنج

(۱۵)

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آساں ہو گئیں

یونہیں گر روتا رہا قاتل، تو اسے اہل جہاں

(۱۶)

دیکھنا ان بستیوں کو تم، کہ ویراں ہو گئیں

(۱) یعنی خدا جانے وہ کیسی صورتیں ہو چکی جو خاک میں پنہاں ہوئیں

اور سب کی سب لالہ دگل بنکر ظاہر ہوتی ہیں یا لالہ دگل حسینوں کی

خاک سے پیدا ہوتے ہیں۔ خدا جانے وہ کیسے حسین ہو گئے

جن کی خاک ایسے گل کھلاتی ہے۔

(۲) ”رنگا رنگ“ طرح طرح کی ”بزم آرائیاں“ احباب کی صحبتیں

اور عیش و نشاط کی مٹھلیں برپا کرنا۔ بزم کی رعایت سے نسیاں کو

طاق سے ترکیب دیا اور رنگ کی رعایت سے نقش و نگار لکھا

ہے یعنی کبھی ہم بھی محفل آرائی کرتے تھے مگر اب سب بھول گئے۔

(۱۳) نبات النعش " شمال کی جانب ستارے ہیں جن کا یہ عربی نام ہے یعنی دن میں ستارے خدا جانے کہاں چلے جاتے ہیں اور رات کو نکل آتے ہیں۔ نبات النعش کی رعایت سے "عُریاں" خوبہ استعمال کیا ہے۔

(۱۴) "روزِ دیوار" اور آنکھوں میں تشبیہ ہے۔ روزِ دیوار خالی ہوتا ہے۔ آنکھوں کا روزِ دیوار ہو جانا۔ آنکھوں کا بے نور ہو جانا مراد ہے۔

(۱۵) جس طرح محبت میں جوشِ رقابت اس درجہ ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر شے رقیب۔ قتل۔ اور باغی و ہم و بد گمانی ہوتی ہے حتیٰ کہ خود بھی ناگوار ہو جاتی ہے بقول اُستاد

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر شک آجائے ہے

میں سے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

اسی طرح یہ بھی جاذبہ ہوتا ہے کہ محبوب کو کائنات کی ہر شے محبوب رکھتی ہو۔ اور یہ اس قدر ترقی کر جاتا ہے کہ خودی اور غیر میں ایک ہی جلیوۃ جلیب ہو جاتی ہیں۔ پس زنانِ مصر کی محویت سے زینخا کی خوشی ظاہر ہے۔

(۱۶) آنکھ اور شمع میں مشترک نور ہے۔ خوفِ شمالی چشم اور نورِ شمع ہیں وجہ شبہ رنگ۔ ہے۔ شمع سے موج در موج روشنی نکلنے اور آنکھوں سے خون بہنے میں روانی وجہ شبہ ہے۔

(۱۷) یعنی اُن کی جفاؤ کی تلافی کرائیں گے۔

(۱۸) (اس شعر کا مفہوم صاف اور خیال و بینش اعجاز ہے)۔

(۹) "اوبستان" اوبستان۔ مکتب یا مدرسہ۔

(۱۰) نگاہوں کا مشرگاں ہونا "نگاہوں کا اس قدر کوتاہ ہو جانا کہ مشرگاں سے باہر نہ گذریں اور یہ شرمیلی نگاہوں کے لئے استعفاء ہے۔ پھر ان شرمیلی نگاہوں کو لفظی رعایت سے اپنی کوتاہی قسمت پر تحمل کیا ہے جس سے نگاہیں پیار ہونے کا حسرت شکنی ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ اپنی بدسمی سے انکار اور شرمیلی نگاہوں کے تذکرے کے ساتھ کس انداز پر بیاضت سے ان کی آبرائیت کی ہے کہ دل کے پار کیوں ہوئی جاتی ہیں۔

(۱۱) آپہوں کو رشتہ (تائید) سے تشبیہ دے کر ان کے ابھرنے کو تیز چاک گریبان سے تمثیل کر دیا ہے۔

(۱۲) یعنی معشوق کی گالیوں کا جواب تو صرف دعائیں ہو سکتی ہیں اور وہ پھر جبر و تدبیر اور بھقیں وہ سب دربان کی خوشامد ہیں صرف ہونٹیں۔ اب اگر دربان نے دیر جانے کا اجازت بھی دے دی تو ان کی گالیوں کا کیا جواب دوز بگا۔

(۱۳) ہاتھ لگایوں کو رنگوں سے تشبیہ دی ہے۔ اور شراب کے جانفزا ہونے کی رعایت سے یہ رنگ جان نکھا ہے۔

(۱۴) "تک رسوم" اور عقائد متعدد کے ٹٹنے سے ہی تو حید کمال حاصل ہوتی ہے۔

(۱۵) یعنی متواتر حوادث اور پیہم مصائب سے تحمل کی عادت ہو جاتی ہے۔

(۱۶) "شہزادہ کاگر" یہ ہمیشہ طوفان خیز ہوتا ہے

دیوانگی سے دوش پہ زنا بھی نہیں ۱ یعنی ہماری جیب میں اک تا بھی نہیں
 دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے ۲ دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
 بلانا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے ۳ دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
 بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یہاں ۴ طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں
 شوریدگی کسے ہاتھ سے سر پہ وہاں دوش ۵ صحر میں لمے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
 گنجائش عداوت اغیار اک طرف ۶ یاں دل میں ضعف ہو میں یا رہی نہیں
 ڈرنا لہائے زار سے میرے خدا کا ۷ آخر لہائے مرغ گرفتار بھی نہیں
 دلیں ہے یار کی صفت مڑگان سے کشی ۸ حالانکہ طاقت خلش خار بھی نہیں
 اس سادگی پہ کون نہ مچائے اسے خدا ۹ اچھے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اس کو خلوت و جلوت میں بارہا
 بولہ اندہ گر نہیں ہے تو ہشتیار بھی نہیں

۱۰

(۱) یعنی دیوانگی اور جوش جنوں میں گریبان و حیب کے پرزے
 اڑاتے اڑاتے رشتہ بقدر زنا تک باقی ہے۔

(۲) یعنی دل تو حسرت و ارمان ویدہی میں صرف ہو گیا اب معلوم
 ہوا کہ ہم میں دیدار کی طاقت بھی نہیں۔

(۳) یعنی اگر تیرا بلنا آسان نہیں تو یہ امر عجیب پر آسان ہے۔ شیر تیرا
 بلنا آسان نہیں نہ سہی۔ نہ ہم مل سکیں گے نہ کوئی اور مل سکیگا۔
 مشکل تو یہ ہے کہ وہی تیرا ملنا دشوار بھی نہیں یعنی جس سے
 تو چاہتا ہے مل بھی سکتا ہے۔ پھر کو تو ہم نے سہل سمجھ لیا تھا۔ مگر
 رشک کو اپنے اوپر آسان نہیں کر سکتے۔ از مکتوب غالب مومبہ

قاضی عبدالجلیل صاحب بریلوی

(۴) بے عشق بھی نہیں کٹتی۔ اور ستم کے مزے لینے کی طاقت بھی نہیں۔ سخت کشمکش ہے۔

(۵) پہچان و اضطراب جنوں یا جوش و دیوانگی سے سر دوش پر وبال ہو گیا ہے۔ خدایا صبر! میں کوئی دیوار بھی نہیں ہوں۔ کہ پھوٹ رہی ڈالیں۔

(۶) رقیبوں کی عداوت کی گنجائش کجا۔ یہاں دل میں اشتیاق حبیب کی بھی تاب نہیں

(۷) یعنی میرے نالہ ہائے الم سے ڈر۔ یہ مرغان اسیر کے چھپے نہیں ہیں۔ خدا کو مان وہ ستم زدوں کی فریاد سنتا ہے۔

(۸) ”روکشی“ مقابلہ۔ یعنی طاقت تو ایک کائے کی خلش کی بھی نہیں اور مرثگان کی صف کی صف سے مقابلہ۔

(۹) (کیا ادائے ناز ہے)

(۱۰) ”خلوت“ تنہائی ”جلوت“ مصاحبت۔

نہیں ہے زخم کوئی بخیر کے درخورد سے تن میں

(۱)

ہوا ہے تارِ اشک یا سارِ شہ چشیم سوزن میں

ہوئی ہے مانعِ ذوق تماشا خانہ ویرانی

(۲)

کشفِ سیلاب باقی ہے بزمِ گنبدِ پنبہ روزن میں

و دلیریت خانہ پیدا د کاوش ہائے مرثگان ہوں

(۳)

نگین نام شاہ ہے، مے ہر قطرہ خوں تن میں

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستان کی

(۴)

شبِ مہ ہو جو رکھیں پنبہ دیواروں کے روزن میں

نکوحش مانع ہے۔ بطحی شور جنوں آئی (۵)
 ہوا ہے خندہ اجباب بخیر حبیب و دامن میں
 ہوئے اس مہوش کے جلوہ تمثال کے آگے
 پڑا فشاں جو ہر آئینہ میں مثل ذرہ روزن میں (۶)
 سخاؤں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحت مخالف ہی
 جو گل ہوں تو ہوں گلشن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں (۷)
 ہزاروں دل دیئے جو جس جنون عشق نے مجھ کو
 سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں (۸)
 اسد زندانی تاثیر الفت ہائے خواباں ہوں
 خیم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں (۹)

(۱) "تار اٹھک" آفسوڑوں کے تار۔ تار و رشتہ (تاگر) میں تشبیہ
 ہے اور اسی مناسبت سے سوزن کے ساتھ زخم سوزن کہا
 ہے۔ یعنی میرے جسم میں کوئی زخم ٹانگوں کے قابل نہیں ہے
 گویا نامیہ سی کے آفسوڑوں کا تار چشم روزن کا ڈورا ہے
 یعنی زخم سلنے سے نامیہ سی ہے۔

(۲) روزن سے بیرونی سیر و تماشا کر لیا کرتے ہیں "کف سیلاب"
 کے قریب سے معلوم ہوتا ہے کہ سیل گریہ باعث خانہ خرابی ہوا
 ہے۔ مطلب ہے کہ روتے روتے گھر تو برباد ہوا ہی تھا وہ
 بربادی بیرونی تماشا اور سیر سے بھی باز رکھتی ہے کیونکہ کف
 سیلاب نے روزن کو بنام کر دیا ہے جیسے رونی وغیرہ بنام ہو جاتا ہے
 (۳) "وہ بیت خانہ" وہ مکان جہیں اثاثیں رکھی ہوں "بیاد" ظلم

یہاں کاوش بچہ مراد ہے۔ "نگین" نگینہ "شاہد" معشوق۔ یعنی
ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
خون جگر و ولایت مرثگان یا رختا
دہم ظلمت گستری "چھائی ہوئی تاریکی"۔ "شبستان" میں شب کی رعنا
ملحوظ رکھتے ہوئے سیاہ خانہ معنی ہو جاتے ہیں اسی مضمون
کا شعر یہ ہے:-

کیا کہوں تاریکی زندگی غم اندھیر ہے
پنبہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں
(۷) "نکوہش" طنز و ملامت۔ "بے ربطی" بے ترتیبی۔ یعنی شور و
جنوں کی بے ربطی کے لئے احباب کی ملامت مانع ہوئی اور
اُن کا خندہ ملامت گویا بخیہ حبیب و دامن ہو گیا۔
(۸) "مہروش" آفتاب جمال۔ "تمثال" عکس مراد ہے۔ "پڑ افشاں"
پڑو لٹا۔ "ماندگی" اس مہروش کے جمال سے آئینہ میں جو ہر مائل
پر دازہ ہیں جس طرح شعاع آفتاب سے فرسے۔

(۹) یعنی اپنے متعلق اچھائی اور برائی کا ثبوت تو نہیں دیا جاتا تاہم
گرد پیش اور صحبت مخالفت ہے۔ اگر گل ہوں تو گلشن میں ہو گیا
اور اگر تنیکا ہوں تو گلستاں میں ہوں۔

(۱۰) یعنی جنون عشق کے جوش و گرمی سے ہر قطرہ خون سیاہ ہو کر
سویا کے مثل ہو گیا ہے۔ گویا ہزاروں سویا سے دل بن گئے ہیں۔
(۱۱) "زندانی" قیدی۔ گرفتار۔ غم و حسرت نوازش "گلے میں باہیں مراد
ہیں۔ اعدان یا دشمن کی طبق سے تعبیر دے کر زندانی القہر توہاں

ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

۱	سوائے خونِ جگر، سو جگر میں خاک نہیں	۱	مڑے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
۲	وگرہ تاب و توال پال و پر میں خاک نہیں	۲	مگر غبار ہوئے، پر ہوا اڑا لے جاتے
۳	کہ غیر جلوہ نگار رہ گزریں خاک نہیں	۳	یہ کس بہشتِ شمائل کی آمد آمد ہے
۴	اثر مرے نفس نے اثر میں خاک نہیں	۴	بھلا اُسے نہ سہی کچھ بھی کو رحم آتا
۵	شرابِ خانہ کی دیوار و دریں خاک نہیں	۵	خیالِ جلوہ نگار سے شراب پس سے کش
۶	سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں	۶	ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ

ہمارے شعر میں اب صرف دل فلی کے استعارے
کھلا کہ فائدہ عرض و ہنر میں خاک نہیں

(۱) مڑے کے لفظ سے سوائے خونِ جگر کا مطلب ادا ہو جاتا

ہے کہ سوائے خونِ جگر کھانے کے جگر میں خاک نہیں۔

(۲) یعنی مرنے کے بعد خاک کو شاید ہوا اڑا لے جائے، ہمیں

تو طاقت پر وار ہے نہیں۔

(۳) بہشتِ شمائل کی ترکیب نہایت اعلیٰ اور پر کیفیت ہے۔

یعنی راہ میں صرف پر تو ہمال ہے، خاک باقی نہیں۔

(۴) یعنی معشوق کو نہ سہی میں ہی آہوں پیا پیر پیدا کر کے اپنے

اوپر رحم کرتا۔

(۵) شراب نے اور یکیشی کے ساتھ اس لفظ کے معنی مستی و نشاط

ہوتے ہیں یعنی خیالِ جلوہ نگار سے نشاط ہے ورنہ میخانہ کی

دیوار و در میں کیا رکھا ہے "شراب" دیوار و در "اور خاک" رعایا

لفظی ہیں۔

(۱) یعنی گھر میں سوائے حسرت و تعمیر کے اور کچھ باقی نہیں رہی شرمندگی
 ہے کہ عشق کی بربادی کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔
 (۲) "عوض ہنس" اظہار ہنس۔ سخن سخن۔ یعنی لوگ کمال کا مصحفی کرتے
 ہیں بھلا ہنس سے فائدہ ہی کیا۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت و رو سے بھرنے کیوں
 روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں (۱)

دیر نہیں حرم نہیں، ورنہیں آستان نہیں
 تھکے ہیں رہ گزر یہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں (۲)

جب وہ جمال و لفروز، صورت حسن و نیروز
 آپ ہی ہوں نظارہ سوز، پردہ میں منہ چھپائے کیوں
 دہشتہ غمزہ جانتاں، نادر بے پناہ
 تیرا ہی عکس ٹخ سہی، سامنے تیرے آئے کیوں (۳)

قیہ حیات و ہنار غم اصل میں دونوں ایک ہیں
 موت سے پہلے آدمی، غم سے نجات پائے کیوں (۴)
 حسن اور اس پر حسن ظن، رنگینی بلالہوس کی شرم
 اپنے پہ اعتماس دے غیر کو آزمائے کیوں (۵)

ہاں وہ نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی
 جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں (۶)
 واں وہ غرور و عز و نازیباں یہ حجاب پاس وضع
 راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بلائے کیوں (۷)

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں (۸)

(۹)

روئے زار زار کیا، کیجئے ہائے ہائے کیوں

لا پیرایہ بیان اور اصرار گر یہ کیا خوب ہے

(۲) اپنی خاک افتادگی کے حق کو ثابت کیا ہے

(۳) جمال دلفروز "دل منور کر دینے والا حسن اور یہ حسن الہی کی شان خاص ہے۔ مہر نیروز کا الشمس فی نصف النهار۔

"نظارہ سوز" خیرگی نظر مراد ہے۔ یعنی جب شدت تاب حسن سے نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں تو یہ خیرگی خود حجاب و پردہ کا کام کرتی ہے۔ پھر اس کو منہ چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ یعنی جب اس برقی جمال کو دعوئے لن ترانی ہے تو چھپنے کی کیا ضرورت ہے۔

(۴) "دشنہ غمزہ" خنجر گردش چشم یعنی جب غمزہ اور ناز کا یہ عالم ہے تو آئینہ میں عکس کس طرح مقابل ہو سکتا ہے۔

(۵) گویا اس ہستی کی حقیقت موجودہ ہی غم ہے۔

(۶) حسن عارض اور حسن ظن دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں۔ یعنی صورت اچھی ہے اور گمان اس کا صحیح ہے۔ کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ گمان اس کو بہ نسبت اپنے ہے۔ کہ میرا مارا کبھی پہتا نہیں اور میرا تیر غمزہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ پس جب اس کو اپنے پر ایسا بھروسہ ہے تو رقیب کا امتحان کیوں کرے۔ اس حسن ظن نے رقیب کی شرم رکھ لی۔ ورنہ یہاں معشوق نے مغالطہ کھایا تھا۔ رقیب عاشق صادق نہ تھا۔ ہوسناک آدمی تھا اگر پائے امتحان درمیان آتا تو حقیقت کھل جاتی را خود از مکتوبات غالب۔

(۷) خدا پرستی کے لئے دین اور بیوقوفانہی کے لئے دل استعمال
ہوا ہے ۔

(۸) یعنی افسوس بے وجہ ہے ۔

غیر نا شکستہ کو دوسرے سے مست دیکھا کہ یوں
(۱) بوسہ کو پوچھتا ہوں میں ، منہ سے مجھے بتا کہ یوں

پرسش طرز و لہری ، کیجئے کیا کہ بن کے
(۲) اس کے ہر اک اشارہ میں نکلتا ہے یہ ادا کہ یوں

رات کے وقت منہ پہنے ، ساتھ رقیب کو لئے
(۳) آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا ، کہ یوں

غیر سے رات کیا بنی ، یہ جو کہا تو دیکھئے
(۴) سامنے آن بیٹھنا ، اور یہ دیکھنا کہ یوں

بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھئے
(۵) اس کی تو خاموشی میں بھی ، ہے یہی عاکہ یوں

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیئے غیر سے تھی
(۶) من کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

مجھ سے کہا جو یا رہے ، جاتے ہیں ہوش کس طرح
(۷) دیکھ کہ میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

کب مجھے کوئے یار میں ، رہنے کی وضع یاد تھی
(۸) آئینہ وار بن گئی ، حیرت نقشیں پاکہ یوں

گرتے دل میں ہو خیال ، وصل میں شوق کا زوال
(۹) موج خیط آب میں اسے ہے دست و پا کہ یوں

	جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہور شکاف فارسی گفتہ غالب ایک بار پڑھکے اُسے سنا کہ یوں	(۱۰)
--	-------------------------------------------------------------------------------------	------

(۱) غنیہ نامہ شگفتہ کی تشبیہ و ہن محیوب سے ظاہر ہے۔
یعنی دور سے نظارہ تو کرا دیتے ہیں مگر پوسہ لب کی اجازت
زبان سے نہیں دیتے۔

(۲) پرسش طرز و لہری "دل لینے کا طریقہ معلوم کرنا۔ یعنی ہر
انداز کہتا ہے کہ یوں دل لے لیتے ہیں۔
(۳) یعنی خدا کو ہے وہ آئے ضرور لیکن نشہ میں رقیب کو ساتھ
لے کر نہ آئے۔

(۴) یعنی یہ پوچھا تو سامنے آ بیٹھے۔ اور غصہ سے دیکھ کر فرمانے
لگے کہ ہاں آپ کی یہ جرات ہوئی کہ ہماری پرسش حال کریں۔
(۵) یعنی اس کی خاموشی خاموشی کا اشارہ کرتی ہے۔

(۶) "ستم ظریف" ہنسی میں قیامت ڈھانے والا۔ میں نے
غیر کے متعلق کہا تھا انہوں نے مجھے محفل سے اٹھا کر تمثیل کیا۔
(۷) شاعرانہ خیال ہے کہ بے خودی دیکھ کر ہوا بھی چلنے لگی
اور ہوا سے ظاہر ہوا کہ ہوش بھی اسی طرح اڑتے ہیں۔

(۸) آئینہ وار "مثل" یا ہم مراد ہے۔ یعنی حیرت نقش پا کی طرح
بزم یار میں غیر متحرک و خاموش بیٹھنا چاہئے۔

(۹) "وصل" فنا "شوق" طلب۔ محض آپ سے دریا ہے پایاں
مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بھر معرفت میں فنا ہونے سے طلب
بھی اس طرح فنا ہو جاتی ہے جیسے موجیں ہاتھ پیرا تے مارتے

سطح آب میں غائب ہو جاتی ہیں۔
 (۱۰) ”آریخندہ“ اردو شاعری ”گفتہ غالب“ اشعار غالب یعنی جو
 شخص کہے کہ اردو شاعری فارسی سے بہتر کیسے ہو سکتی ہے اسکو
 غالب کے اشعار سنا کر کہہ دو کہ اس طرح ہو سکتی ہے۔

حسد سے دل گرافسرد ہے گرم تماشا ہو
 (۱۱) کہ چشم تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے ہو
 بقدر حسرتِ دل چاہئے ذوقِ معاصی بھی
 (۱۲) بھروں یک گوشہ دامن اگر آبِ ہفت دریا ہو

اگر وہ سہر و قد، گرم خرام ناز آجاوے
 (۱۳) کہ ہر خاک گلشنِ شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

(۱) یعنی حسد سے اگر تنگ دل ہو تو احوالِ عالم پر غور کرنا چاہئے
 تاکہ کثرتِ نظارہ سے تنگ ہوں میں وسعت پیدا ہو۔ یہ شعر
 فلسفہٴ نفس سے متجاوز ہو کر حکمتِ تبلیغی کی شان تک پہنچ گیا ہے
 (۲) انگہر گاری کو تر دامن لکھتے ہیں اور آلودگی دامن بھی اسی
 معنی میں آتا ہے۔ مصرعہ ثانی میں گوشہ دامن بھرنے سے ہی
 مراد ہے۔ اور اسی رعایت سے ہفت دریا بمعنی سارے
 جہان کے گناہ استعمال ہوا ہے

(۳) ”سہر و قد“ محبوب مراد ہے ”گرم خرام ناز“ ناز و انداز سے
 چلتا ہوا ”کہ ہر خاک گلشن“ گلشن کی ہر مٹت خاک لینے
 زیرِ قدم میں نالہ ہائے عشق پیدا ہو جائیں۔

۵	اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو	۵	ڈالانہ بی کسی نے کسی سے معاملہ
۶	ہم انجن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو	۶	سے آدمی بجائے خود، اک محشر خیال
۷	ماطل نہ کیجئے دوسرے عبرت ہی کیوں نہ ہو	۷	ہنگامہ زبونی ہمت سے انفعال
۸	پٹے سے کرانہ غیر سے، وحشت ہی کیوں نہ ہو	۸	دائستگی بہانہ بیگانگی نہیں
۹	عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو	۹	پلٹا ہے قوت فرصت ہستی کا غم کہیں

اس فقرہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اس۔

اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

۱۰

(۱) "ٹوارستہ" آزاد یعنی اس ضد اور خیال سے آزاد ہیں کہ آپ ہمارے

ساتھ محبت ہی کریں۔ نہیں بلکہ آپ کو کچھ کرنا ضرور چاہیے۔

عداوت ہی کیوں نہ ہو۔

ترک کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

(۲) ضعف سے رنگ اڑ جاتا عام بات یہ ہے۔ اسی رعایت سے

اختلاط (محبت) کا رنگ لکھا ہے پھر رنگ کی مناسبت سے

نقش لائے ہیں۔

(۳) اس خیال کا دوسرا رخ یہ ہے کہ

ذکر میرا بہ بری بھی اُسے منظور نہیں غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

وہاں ابکا ذکر انہیں نا منظور تھا۔ یہاں غیر کے ذکر کا ان کا گلہ ہے۔

(۴) یعنی یہ جو کہتے ہیں کہ ہر درد کی دوا ہے۔ غلط ہے۔ اگر ایسا

ہوتا تو غم الفت کا بھی علاج ہوتا۔ حالانکہ اس کی کوئی دوا نہیں۔

(۵) گویا اپنے آپ ہی منفعل ہو لیتا ہوں۔

(۶) خود آدمی کے داخل و باطن میں خیالات و تصورات کے ہنگامے

موجود ہیں۔ اور خارجی اشکال و صورت کی ضرورت ہی نہیں اس کی خلوت بھی انہن ہے۔

(۷) "ذلی ہمت" پستی ہمت۔ یعنی پست ہمتی شرم کی باعث ہے اور کچھ حاصل نہ ہوتا ہو تو منٹے ہوئے آثار سے عبرت ہی حاصل کرو۔ یعنی اگر بنانے اور سنوارنے اور ایجاد و تعمیر پر قابو نہ ہو تو بگڑنے اور تخریب سے ہی بصیرت پیدا کرو۔

(۸) بیگانگی اور اجنبیت کا بہانہ و راستگی (آزادی) نہیں ہے اگر بیگانگی اور آزادی کا دعویٰ ہے تو اپنے نفس سے بے خبر اور آزاد بننا چاہیے۔

(۹) یعنی عمر کے گزرنے کا غم نہیں جایا کرتا۔ چاہے کیسے ہی اچھے کاموں میں دن کیوں نہ گزرے ہوں۔

(۱۰) "فتنہ نو" کی رعایت سے قیامت گزر جانا استعمال کیا ہے۔

نفس میں ہوں، اگر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
(۱) میرا ہونا بڑا کیا ہے، تو اس سنجان کشش کو

نہیں گر ہمدی آساں، نہو، یہ رشک کیا کم ہے
(۲) نہ دی جاتی غذا یا آزر و سئے دوست و دشمن کو

نہ بیکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اٹھ جواحت پر
(۳) کیا سینہ میں جس نے خوچکا لڑگان سونن

خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشا کشش میں
(۴) کبھی میرے گریباں کو، کبھی جاتاں کے دامن کو

ابھی ہم قتل گد کا دیکھنا آسان سمجھتے ہیں
(۵)

نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں تیرے تو سن کو

ہوا چرچا، جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا
(۶) کیا بلیاب کاں میں جنبش جو ہر نے آہن کو

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر دربارا بر آئے
(۷) سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو

وفاداری بشرط استواری اہل ایمان ہے
(۸) مرے بتخانہ میں تو کعبہ میں گھاڑ ویرہن کو

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خو جھ کو
(۹) جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لگتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر ہوتا
(۱۰) رہا کھٹکانہ چوری کا دُعا دیتا ہوں رہزن کو

سخن کیا کہہ نہیں سکتے، کہ جو یا ہوں جو اہر کے
(۱۱) جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو

مرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں غالب
(۱۲) فریدون و جم و کینسر و داراب و بہمن کو

۱۱) "قفس" قیدِ آلام سے استعارہ ہے۔ اسی رعایت سے خوش
حالانِ زمانہ تو اسجان گلشن سے تعبیر کیا گیا ہے مطلب ہے
کہ میں تو قیدِ آلام ہوں۔ میرے نالہ و شیون کو اگر وہ
اچھا بھی نہ سمجھیں تاہم میرے وجود سے کیوں نفرت کرتے ہیں۔
میں ان کی خوش حالیوں میں دخل در معقولات کے لئے
آزادی ہی نہیں رکھتا۔

(۲) یعنی اگرچہ رقیب کے لئے معشوق کی ہمدی شکل ہے تاہم میرے لئے یہ رشک کیا کم ہے کہ خود اس کے دل میں محبوب کی آرزو تو موجود ہے۔

(۳) یعنی جس زخم نے سوزن فولاد کو خونفشاں بنا دیا اس پر تیری آنکھ سے ایک اشک ہمدردی نہ نکلا۔

(۵) یعنی چونکہ ہم نے تیرے گھوڑے کو دریائے خون میں تیرے نہیں دیکھا ہے اس لئے قتل گاہ کا دیکھنا ہم آسان بات سمجھ رہے ہیں۔ گھوڑے کے دریائے خون میں تیرے سے معشوق کی قتل عام کی جانب اشارہ ہے۔

(۶) یعنی معدن سے جو ہر آہن کو میری زنجیر بننے کا شوق کھینچ لایا۔
(۷) یعنی ابر کے بار بار آنے سے یاران کا یقین نہیں بلکہ یہ گمان ہے کہ پردہ ابر میں برق میرے کھیت کو تلاش کرتی پھرتی ہے۔

(۸) "استواری" استقلال و ثبات۔ یعنی وفا ایسی اعلیٰ صفت ہے کہ اگر برہمن سے بھی سرزد ہو تو اس کا پورا احترام کرنا چاہئے۔

(۹) یعنی میری خلعت و جبلت میں یہ اہلیت اسی لئے شامل کر دی گئی تھی۔

(۱۰) یعنی اچھا ہٹوا کہ تخت نے یا فلک نے غیش دنیوی مجھ سے چھین لیا اگر ایسا نہ ہوتا تو ترکِ علاقہ کی راحت کیسے میسر آتی۔

(۱۱) یعنی ہم کلام ہی کو جو ہر سمجھتے ہیں۔ سنگرمزوں کی تلاش سے دماغی کمال بہتر ہے۔

(۱۲) شہزادے کی طرح ہے۔

<p>دھوتا ہوں جب اپنے کو اس مین کے پانوؤ (۱) رکھتا ہے ضد سے کہو کے باہر لگن کے پانوؤ</p>	<p>دھوتا ہوں جب اپنے کو اس مین کے پانوؤ (۱) رکھتا ہے ضد سے کہو کے باہر لگن کے پانوؤ</p>
<p>دی سادگی سے جان پڑوں کوہ کن کے پانوؤ (۲) ہیہات باکیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانوؤ</p>	<p>دی سادگی سے جان پڑوں کوہ کن کے پانوؤ (۲) ہیہات باکیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانوؤ</p>
<p>بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے یہ (۳) ہو کر اسیر دایتے ہیں راہزن کے پانوؤ</p>	<p>بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے یہ (۳) ہو کر اسیر دایتے ہیں راہزن کے پانوؤ</p>
<p>مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور (۴) تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانوؤ</p>	<p>مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور (۴) تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانوؤ</p>
<p>اللہ بے ذوق دشت نور دی کہ بعد مرگ (۵) ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانوؤ</p>	<p>اللہ بے ذوق دشت نور دی کہ بعد مرگ (۵) ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانوؤ</p>
<p>ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف (۶) اڑتے ہوئے اُچھتے ہیں مرغ چمن کے پانوؤ</p>	<p>ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف (۶) اڑتے ہوئے اُچھتے ہیں مرغ چمن کے پانوؤ</p>
<p>شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں (۷) دکھتے ہیں آج اس بُتِ نازک بدن کے پانوؤ</p>	<p>شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں (۷) دکھتے ہیں آج اس بُتِ نازک بدن کے پانوؤ</p>
<p>غالب مرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو (۸) پیتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پانوؤ</p>	<p>غالب مرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو (۸) پیتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پانوؤ</p>
<p>(۹) یعنی قوت نامیہ ہوا میں دامِ رگ ہاتے گل بھی گشتی ہے۔</p>	
<p>واں اس کو ہوا دل ہے تو یاں میں ہوں شرمنا (۱) یعنی کہ میسری آہ کی تاثیر سے نہ ہو</p>	<p>واں اس کو ہوا دل ہے تو یاں میں ہوں شرمنا (۱) یعنی کہ میسری آہ کی تاثیر سے نہ ہو</p>
<p>اپنے کو دیکھتا نہیں، ذوقِ ستم تو دیکھ (۲) آئینہ تاکہ دیدہ پنچیر سے نہ ہو</p>	<p>اپنے کو دیکھتا نہیں، ذوقِ ستم تو دیکھ (۲) آئینہ تاکہ دیدہ پنچیر سے نہ ہو</p>

(۱) "ہول دل" دل نازک کا ڈرنا مراد ہے۔
 (۲) "نچیر" تیر میں چھدا ہوا شکار۔ "دیدہ نچیر" آئینہ اور نگاہ میں
 تشبیہ ہے وجہ شبہ العکاس صورت و اشکال ہے۔ مطلب ہے
 کہ اس کے ذوقی سستم کی یہ کیفیت ہے کہ اپنی صورت
 اس وقت تک نہیں دیکھتا جب تک کہ دیدہ نچیر کا آئینہ نہ
 بنائے یا جب تک کسی کو اپنے تیر لفظ میں نچیر نہ کر کے آرائش
 جمال نہیں کرتا۔

۱	واں پنچر جو غش آتا ہے ہم ہے ہم کو	۱	صدر آہنگ زریں بوس قدم ہے ہم کو
۲	دل کوئیں اور مجھے دل محو وفار کھتا ہے	۲	کس قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو
۳	ضعف لفتش پئے موسے طوق گردن	۳	تیرے کوچہ سے کہاں طاقت ہم ہے ہم کو
۴	جان کر کیجئے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو	۴	یہ نگاہ غلط انداز تو ستم ہے ہم کو
۵	رشتک ہر طرحی و درواثر بانگ حویں	۵	نالہ مرغ سحر تیغ دودم ہے ہم کو
۶	سراڑانے کے جو وعدہ کو مکر چاہا	۶	ہنس کے بولے کہ تیرے سر کی قسم ہے ہم کو
۷	دل کے خوں کنیکلی کیا وجہ و لیکن ناچار	۷	پاس بے رولقی دیدہ آہم ہے ہم کو
۸	تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو	۸	ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو
۹	لکھو آنیکا باعث نہیں کھلتا، یعنی	۹	ہوس سیر تماشا، سو وہ کم ہے ہم کو
۱۰	مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شعر	۱۰	عزم سیر تحف و طوف حرم ہے ہم کو

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب
 جادہ رکشش، کاف کرم ہے ہم کو

۱۱

(۱) "صدر" سینکڑوں طریقوں سے۔ "آہنگ" ارادہ۔ یعنی وہاں پنچر
 جو مجھے بار بار غش آتے ہیں گویا اپنے قدم چومتا ہوں۔ کہ انہوں نے

یہاں تک پہنچا دیا۔ یا اُن کی قدیموسی کا یہاں نہ مل جاتا ہے۔

(۲) مصرعہ ثانی میں ”ہم“ بمعنی غم والہم ہے۔ یعنی دل اور میں، ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کو غیبِ فادیتے رہتے ہیں۔

(۳) ”نقش پئے موڑ چو نیٹ کا نقش پا۔ تمام شعر میں، مبالغہ اظہارِ ضعف ہے۔

(۴) یعنی جان کر تغافل کیجئے۔ کہ جس سے لگاؤٹ معلوم ہوتی ہے بیگانہ و شنگاہیں اچھی نہیں۔

(۵) ”ہم طرحی“ ہم آوازی مراد ہے۔ ہم طرحی کے رشک اور غمگینی آواز کے رد و اثر سے تیغِ نالہ کا دودم ہونا ثابت کیا ہے۔

(۶) سر اُڑانے کے وعدہ پر سر کی قسم کھانا کیسی بیساختگی ہے۔

(۷) ”اہم“ زیادہ ضروری و مرجح یعنی آنکھیں بغیر اشک ہاتھ خونیں کے بے رونق معلوم ہوتی ہیں۔

(۸) دونوں جانب شدت ہے یعنی وہ تو خاموشی کو فغاں سمجھتے ہیں

اور بات کرنا بھی قیامت ہے۔ اور ہم اس قدر عاجز ہیں کہ تغافل بھی ستم معلوم ہوتا ہے۔

(۱۰) ”مقطع“ خاتمہ۔ ”کشش کافِ کرم“ سے جادۂ راہ کی تشبیہ ہے۔

۱	تم جانو، غیر سے جو تمہیں رسم و راہ ہو	مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گستاہ ہو
۲	بچتے نہیں مواخذۂ روزِ حشر سے	قاتل اگر رقیب ہے تو تم کو اہ ہو
۳	کیا وہ بھی بیگناہ کشِ ناحق شناس ہیں	مانا کہ تم بشر نہیں خورشیدِ باہ ہو
۴	ابھر اہوا نقاب میں اُنکے سے ایک تار	مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
۵	جب میگز چھٹا، تو پھر آب کیا جگہ کی قید	مسجد ہو مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درجہ ۶ لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ

غالب بھی گرتے ہو، تو کچھ ایسا ضروری
دنیا ہو یا رب اور مرا یا دشا ہو

(۱) یعنی کسی نہ کسی عنوان سے آپ سے میرے مظالم کا مواخذہ ضرور ہو گا۔

(۳) یعنی تم یا اعتبار حسن کے یا ہتھاپ و آفتاب ہو، اور ہم ماسے لیتے ہیں کہ تم بشر نہیں ہو، لیکن کیا خورشید و ماہ بھی بیگناہ اکش او حق ناشناس ہیں، کیونکہ تم میں تو یہ دونوں صفتیں موجود ہیں۔

(۴) تارِ نقاب اور تارِ نگہ میں تشبیہ ہے۔ رشک یہ ہوتا ہے کہ کسی غیر کا تارِ نگہ تو نہیں ہے۔

(۵) سچ ہے جب کعبہ مقصود ہی چھٹ گیا، تو پھر کہیں بھی (ہیں) کوئی امتیاز مقام باقی نہیں۔

(۶) نعمائے جنت میں سب سے بڑی نعمت دیدارِ الہی ہے۔
”جلوہ گاہ“ سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ خدا سے خدا کے دیدار کی استدعا دلپذیر ہی بیان ہے۔

۱	کے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو، تو کیونکر ہو	گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو
۲	کہ گرتے ہو تو کہاں جاؤں، ہو تو کیونکر ہو	ہمارے ذہن میں اس فکر کا بے نام وصال
۳	جیسا ہے اور یہی گو گو تو کیونکر ہو	ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
۴	بتوں کی ہو اگر ایسی ہی ہو تو کیونکر ہو	تم ہی کہو، کہ گنارہ جنم پرستوں کا
۵	جو تم سے شہر میں ہیں لاکھ تو کیونکر ہو	الچلتے ہو تم، اگر دیکھتے ہو آئینہ
۶	وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو	جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا

ہیں پھر آنے امید اور انہیں ہماری قدر ۷ ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو
 غلط نہ تھا ہمیں خط پر گمان تسلی کا ۸ نہ مانے دیدہ دیدار جو تو کیونکر ہو
 بتاؤ اس مرثہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرا ۹ یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

مجھے جنوں نہیں آتا کہ یہ قول حق ہو

۱۰ فراق یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

(۱) یعنی آپ ان سے گفتگو کا ارمان بھی نہ رہا۔ کیونکہ کہنے سے کچھ
 ہوتا ہی نہیں۔ تو پھر کس توقع پر کہا جائے۔

(۲) یعنی ہم تو اسی کشمکش خیال کو وصال سمجھتے ہیں۔ کہ نہ ہو تو کیا کریں
 اور ہو تو کس طرح ہو۔

(۳) یعنی ہمیں گستاخ دستیوں میں ادب مائع ہے اور انہیں کچھ
 کہتے ہوئے حیار و کتی ہے۔ دیکھئے آرزو کس طرح نکلے۔

(۴) یعنی اگر سب کے معشوق ایسے ہی نامہربان ہوں جیسے آپ ہیں
 تو کام کس طرح چلے۔

(۵) یعنی تمہیں اپنے عکس کا مقابلہ جمال گوارا نہیں اگر شہر میں دو چار
 آپ جیسے ہوں تو غالباً خونریزیاں ہو جائیں۔

(۶) ”روز سیاہ“ بدقسمتی سے تاریکی شب کی لفظی توجیہ ہے۔

(۷) یعنی ہمیں ان سے امید کیونکر ہو اور یہ کس طرح معلوم ہو کہ
 انہیں ہماری قدر ہے جب وہ ہماری بات ہی نہ پوچھیں۔

(۸) یعنی خط پر دل کی تسلی کا گمان غلط نہ تھا۔ لیکن آنکھیں بھی دیدار
 طلب ہیں جن کی تسلی بغیر نظارہ جمال ناممکن ہے۔

(۹) ”نیش“ نشتر مراد ہے۔ رگ جاں میں فرو ہوتا۔ رگ جاں میں اترنا

یعنی اُس کی ہڑ گان دیکھ کر بتاؤ کہ جب ایسا اشتہار گِ جاں میں
اُتر جائے تو مجھ کو کیونکر قرار ہو۔

(۱۰) مصرعہ ثانی غالباً یادِ شاہ کا دیا ہوا مصرعہ طرح ہوگا۔

(۱۱) کسی کو دے کے دل کوئی نوا بیچ فغاں کیوں ہو
نہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر مٹنے میں ہاں کیوں ہو

(۱۲) وہ اپنی خونہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سرینگے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

(۱۳) کیا غمخوار نے رُسوائے آگ اس محبت کو
نہ لا دے تاب جو غم کی وہ میرا زرداں کیوں ہو

(۱۴) وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھیرا
تو پھر لے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستان کیوں ہو

(۱۵) قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

(۱۶) یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں کے نہاں کیوں ہو

(۱۷) قلم ہے جذبے لکھا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کہنا جو گرتے اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

(۱۸) یہ فتنہ آدمی کی حسانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جسکے دشمن اُس کا آسمان کیوں ہو

(۱۹) یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے لئے جب تم تو میرا امتحان کیوں ہو

(۱۰) کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میرا
 بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کیوں کہ ہاں کیوں ہو
 نکالا چاہتا ہے کام، کیا طعنوں سے تو غالب
 تھے بے ہر کہنے سے وہ تجھ پر ہر باں کیوں ہو (۱۱)

(۱) ”نوا سنج قفاں“ صدا اٹھنے در دیا بیان در و مراد ہے یعنی دل
 دے چکنے کے بعد قفاں کیسی؟ اور جب پہلو خالی ہو تو زبان ہی
 کیوں باقی رہے۔

(۲) ”سبک سرن کے“ حقیر و ذلیل ہو کر ”سرگراں“ خفتا۔
 سبک اور گراں میں رعایت لفظی ہے۔ یعنی یہ یقین کہ آن کی
 عادت ہی رہے گی، پھر برہمی کا سبب پوچھ کر کیوں نا حق
 ذلیل ہوں۔

(۳) یعنی نخواستہ کو میرے غم عشق کی تاب نہ ہوتی اور سارے زمانہ میں
 تعجب و رنج سے میرا واقعہ بیان کرتا پھر غرض کہ خوب رسوا کیا۔
 وہ میرا زرداں ہی کیوں ہو جسے خود غم کی تاب نہ ہو۔

(۴) ”وفا کیسی“ کہاں کا عشق ”یہ معشوق کے کئے ہوئے الفاظ ہیں۔
 جن کو استغناء دہرایا ہے۔ مطلب ہے کہ آپ جو فرماتے ہیں کہ کیسی وفا
 اور کہاں کا عشق تو اگر میں وفادار نہیں ہوں اور مجھے عشق نہیں
 ہے بلکہ خواہ مخواہ اور بے وجہ سر پھوڑتا ہوں تو اس میں
 آپ ہی کے سنگ آستان کی کیا خصوصیت تھی۔ ہر ہتھرا اور
 ہر دیوار سے سر پھوڑا جاسکتا تھا۔ حضور عالی آپ ہی کے
 سنگ آستان سے سر مارا جانا تو اسی کی دلیل ہے کہ مجھے آپ ہی سے

پریشیے گر بیمار تو کوئی نہ ہوتا تھا ۱	۲ اور اگر مر جائیے تو تو نہ خواں کوئی نہ ہو
۱۱ شاعر ایک تنہا اور بے کس زندگی کی آواز دے رہا ہے اور خوب کرتا ہے۔	
از حیرت نابہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ ۱	طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ
۱۱ "دل و دل" کے درمیان واؤ عطف ہے۔ "طوطی" استعارہ ہے نگارگری اور دیکھنے والے سے شش جہت "اطراف عالم" مطلب ہے کہ ذرہ سے لے کر آفتاب تک جو کچھ ہے دل ہے اور دل گویا آئینہ ہے، تو تمام عالم ایک آئینہ ہے۔ آپ دیکھنے والا جدھر دیکھتا ہے آئینہ مقابل پاتا ہے، اودھر طرف اپنے ہی آپ کو منعکس پاتا ہے۔	
۱ ہے سبزہ زار پروردگار غم کدہ	۲ جس کی بہاریں ہو پھر اسکی خزاں پوچھ ناچار بیکی کی بھی حسرت اٹھائیے
۱۱ گھر میں گھانسن نکل آنا آثار ویرانی میں سے ہے۔ غمگین اپنے گھر سے استعارہ ہے۔ مطلب ہے کہ موسم بہار میں ویرانی کا جب یہ عالم ہے تو خزاں میں نہ معلوم کیا حال ہوگا۔ یعنی جب اچھا موسم ہمارے گھر کے لئے بربادیاں فراہم کرتا ہے تو خدا جائے برے دن کیا کچھ نہ کریں گے۔ ۱۲ یعنی ساتھیوں کی بے وصلگی یا کم ذوقی سے مجبوراً بیکی کی حسرت اٹھائی جس سے راہ اور بھی دشوار ہو گئی۔	
۱ طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے	۲ ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنونِ عشق یعنی ہنوز منتِ طفلان اٹھائیے

۳	دیوار بار منت مزدور سے ہے خم	۱	اے خانماں خراب نہ احسان اٹھائیے
۴	یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجئے	۲	یا پردہ تبسم پہاں اٹھائیے

(۱) "صد جلوہ" بے تعداد مظاہر فطرت مراد ہیں۔ کہاں تک کوئی دیکھ سکتا ہے۔

(۲) "برات معاش" وثیقہ معاش صطلاح ہے۔ یعنی جنون کا گزارہ پتھروں پر ہے اس لئے لڑکوں کا احسان اٹھانا پڑے گا۔

(۳) یعنی تعمیر ہی باعث تخریب ہے۔ یا منت پذیر فائدہ مند نہیں بلکہ احسان کے بعد احسان احسان ہی ایک مصیبت ہے۔

(۴) "رسوا نہ کیجئے" الزام نہ دیجئے مراد ہے یعنی یا مجھ پر زخم رشک کی تہمت نہ رکھئے یا تبسم پہاں کا پردہ اٹھا دیجئے۔ یا اغیار سے پردہ میں ہنسنا بولنا چھوڑ دیجئے۔

۱	مجد کے زیر سایہ خرابات چاہئے	۱	بھوں پاس آگہ قبلہ حاجات چاہئے
۲	عاشق ہوتے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر	۲	آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہئے
۳	سیکھے ہیں مہر خوں کے لئے ہم مصوری	۳	تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے
۴	مے سے غرض نشاط ہے کس۔ و سیاہ کو	۴	اک گو نہ بخودی مجھے نجات چاہئے
۵	ہے رنگ لالہ گل و نسریں جدا جدا	۵	ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے
۶	سریائے خم یہ چاہئے ہنگام بخودی	۶	روسوئے قبلہ وقت مناجات چاہئے
۷	یعنی بحسب گردش پیمانہ صفات	۷	عارف ہمیشہ مست ذات چاہئے

نشوونما ہے اصل سے غالب فروغ کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جویاں چاہئے

۸

(۱) "قبلہ حاجات" یہ کلمہ ہے جو اپنے سے زیادہ مرتبہ کے لوگوں سے

تنہا طب میں مستعمل ہے۔ یہاں لفظی مناسبت بھی پیدا ہوتی ہے۔ "ابرو" کو محراب سے تشبیہ دیا کرتے ہیں اور "محراب" مسجد سے تعلق رکھتی ہے اس لئے ابرو کو مسجد کہا گیا ہے اور محبوب کی نشیلی آنکھوں کو خرابات (سے خانہ) جو عام طور پر مستعمل ہے۔

(۲) "مکافات" تلافی مطلب ہے کہ جی لگا کر ان کو بھی تنہائی سے واسطہ ہو ہی گیا اور ہم نے اپنی بیکی کا بدلہ اس طرح پایا کہ ان کا حال بھی ہمارا سا ہو گیا۔ یا ہمارا صبر پڑا کہ وہ بھی مبتلائے عشق ہو گئے۔

(۳) "دل حسرت پرست کی داد دے" کچھ حسرتیں پوری کر دے "مافات" گزشتہ۔

(۵) یعنی سرور عیش کے لئے نہیں بلکہ بے خبری اور افکار فراموشی کے لئے یس مئے نوشی کرتا ہوں۔

(۶ تا ۸) "اصل" جڑ۔ اصطلاحی لفظ ہے۔ "فروع" شاخیں۔ یہ بھی مصطلح لفظ ہے۔ "اثبات" ثابت کرنا۔ "ہنگام بخودی" بخودی کے وقت۔ "پیمانہ" ساغر "مست" مے وغیرہ رعایتی الفاظ ہیں۔ "عارف" صاحب عرفان۔ "ذات" سے ذات الہی مراد ہے۔ مطلب ہے کہ فروع اصل سے پیدا ہوتی ہیں۔ گفتگو فروع سے۔ خاموشی مبدئہ گفتگو ہے۔ اور خاموشی بھی منتہا ہے امکان عدم ہی سے نشوونما حاصل کرتا ہے۔ یعنی غیب ہی سے ظہور پیدا ہوتا ہے۔ کثرت مظاہر والوں سے تعدد ذات کا دھوکا نہ ہونا

چاہئے۔ یا ذات کا بوجہ غلبہ پریت انکار نہ کرنا چاہئے لالہ و گل
 اور نسروں مظاہر تنوع میں اور مختلف الالوان ہیں۔ بہار یا
 نامیہ غیر مرنی اور غیب ہے، تاہم ثابت ہے۔ اور یہ تمام گلکاریاں
 اسی کی ہیں اور یہ مختلف رنگ ایک ہی بہار نے عارض
 کر دیئے ہیں۔ غرض کہ ہر بات اپنے اپنے موقع اور محل سے ہونی
 چاہئے۔ بخودی میں اگر سرپائے خم پر ہو تو مناجات میں
 منہ جانب قبلہ ہونا چاہئے۔ اور اس طرح ہر رنگ اور ہر محل میں
 وحدت خیال مد نظر ہونی چاہئے اور تمام صفات الہی سے
 متصف ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مظاہر کی کثرت اور
 بوظہوفی میں وحدت ذات کی حقیقت کو کھونا نہ چاہئے۔

- بساطِ عجز میں تھا، ایک دل یک قطرہ غول بھی
 (۱) سورتہا ہے بانداز چکیدن سرنگوں وہ بھی
 رہے اس شوخ سے آزرده ہم چندے تکلف سے
 (۲) تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی
 خیالِ مرگ کب کیں دل آزرده کو بخشے
 (۳) مرے دامِ تمنا میں ہے اک حیدر زبوں وہ بھی
 نہ کرتا کاشش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم
 (۴) کہ ہوگا باعثِ افزائش دردِ دروں وہ بھی
 نہ اتنا برشِ تیغ جفا پر ناز و سراماؤ
 (۵) مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی
 (۶) مٹے عشرت کی خواہش ساقیِ مگردوں سے کیا کیجے

لئے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی
مے دل میں ہے غالب شوقِ وصل شکوۂ ہجران
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی (۷)

(۱) بساطِ عجز: ہستی عاشق مراد ہے۔ "سرنگوں" (سرخ چکائے ہوئے)
عجز کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ "چکیدن" ٹپکانا۔ سرنگوں
اور اندازِ چکیدن سے قلبِ انسانی کی صورتِ وضعی یا ہیئتِ
تعلیقی کی جانب اشارہ ہے۔ مطلب ہے کہ عاشق کے پاس
ایک دل ہے۔ جو ایک قطرہ خون سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔
ہمیشہ مائل بہ چکیدن رہتا ہے۔

(۲) تکلف سے: یعنی محض دکھانے کے لئے اور اظہارِ خود داری
کے لئے۔ تکلف برطرف رکھاں کا تکلف یا کیسا تکلف (فارسی کا
محاورہ ہے۔

(۳) "صیدِ نبیوں" بد حال شکار۔ یعنی خیالِ مرگ سے دلِ رنجور کی
تسکین کیونکر ہو سکتی ہے۔ میرے دامِ تمنا میں جہاں اور بہت سے
ارمان و حسرت ہیں وہاں شکارِ مردارِ خیالِ مرگ بھی ہے۔

(۴) "افزائش" زیادتی۔ "درودروں" درو پینساں یا
درو دل۔

(۵) "یرش" تلیا کی کاٹ۔ "موجِ خوں" سے تیغِ جفا کی تشبیہ ہے
اور نہایت موزوں ہے۔

(۶) "مئے عشرت" شرابِ عیش۔ "گردوں" آسمان۔ "جامِ واژگوں"
ساغرِ بدقال! نامبارک۔ ایک۔ ایک دو چار ہیں ہفت آسمان کی

رعایت ملحوظ ہے۔

۱	تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے	۱	ہے بزم بتاں میں سخن آزرده لبوں سے
۲	یکبار لگا دو خم سے میرے لبوں سے	۲	ہے دور قدح، وجہ پریشانی صہبیا
۳	زہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے	۳	رہاں درمیکدہ گستاخ ہیں واعظ
۴	ہر چند مری جان کو تمہارے لبوں سے	۴	بیدار دانا کہ کہلاتی رہے آخر

(۱) یعنی بتوں کی بزم میں بجا لیتے رہنے و افسردگی بات کرنی ہی پڑتی ہے ورنہ تہذیب مجلس اور ان کے مزاج کے خلاف ہوتا ہے۔
(ان حسنین خوشامد طلب سے تنگ آ گئے ہیں۔)

(۲) یعنی دور ساغر شراب کی پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔
ایک دم ہی خم سے میرے لبوں سے لگا دو۔ تاکہ شراب کشاکش اور گردش سے نجات پاتے۔

(۳) ”نہ ہونا طرف“ نہ اونچھٹا۔ یا منہ نہ لگنا مراد ہے۔

(۴) یعنی جان تو پہلے ہی لبوں پر رہتی تھی لیکن وفا کی سختیوں سے جاتی ہی رہی۔

۱	سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے	۱	تا، ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ ہے جا
۲	وہ سن کے بدلائیں یہ جارا نہیں کرتے	۲	غالب ترا احوال سنا دینگے ہم ان کو

(۱) یعنی خود تو ذکر کرتے نہیں البتہ اگر کوئی دوسرا ہمارا ذکر چھیڑ دے تو خاموشی سے سن ضرور لیتے ہیں تاکہ ہم نہ شکایت نہ کر سکیں کہ تمہیں ہم سے نفرت ہے اور ہمارا ذکر تک تم کو ناگوار ہے۔
(۲) ”اجارہ“ دعویٰ مراد ہے۔

۱	وہ جو کہتے تھے ہم اک حسرت کی سیم	۱	گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرنا
---	----------------------------------	---	-----------------------------------------

(۱) یعنی گھر میں کچھ تھا ہی نہیں کہ غم عشق بر یاد کرتا۔ بلکہ گھر بنانے کی حسرت تھی تو وہ بدستور ہے۔ اسی مضمون کا ایک شعر اس سے پہلے گزر چکا ہے:-

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ
سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی (۱)
کھلے نگاہیں طرح مضمون مرے مکتوب کا یارِ یار
(۲) قسم کھاتی ہے اس کا کرنے کا فائدہ کے جلاسنے کی

پٹنا پر تیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے
دلے مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی (۳)
انہیں منظور اپنے زنجیروں کا دیکھ آنا تھا
(۴) آٹھ تھیں سیرنگل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا
(۵) ترا آتا نہ تھا ظالم مگر تمہیں بد جانے کی
لنگر کو بے حواش کا تحمل کر نہیں سکتی
(۶) مری طاقت کہ ضامن تھی تو نکلے ناز اٹھانے کی

کہوں کیا خوبی اوضاعِ ابنائے زباں غالب
(۷) بدی کی اس نے جس سے بہنے کی تھی بارِ مائیک

(۱) یعنی یا تو غم روزگار سے سر اٹھانے کی مہلت ہی نہیں ملتی
اگر سر اٹھنا بھی کہے تو مجھے یاد کر کے یاں بھری نگاہوں سے

فلک کو دیکھ لیتے ہیں۔

(۲) یعنی کاغذ جلاتے ہیں تو پُرزہ پُرزہ کر کے جلاتے ہیں اس بہانہ سے لفاظی کھلنے اور کسی لفظ پر نظر پڑ جائے کی توقع تھی وہ بھی ان کی قسم جاتی رہی۔

(۳) ”پرنیاں“ حریر ایک ریشمی کپڑے کا نام ہے بہت ممکن ہے کہ حریر میں آگ لپٹی جاسکے اور کپڑے کو جلا کر آگ باہر نہ نکل سکے لیکن یہ ممکن ہے کہ دل میں سوز غم عشق ہو اور چھپ چھپ جا۔ (۴) بہانہ کی شوخی یہی کہ بسا لوں اور بخروں کو دیکھنے کو سینر گلستاں سے تعبیر کیا۔

(۵) ”لکھ کو ب“ ٹھوکر اور ضرب ”ضامن“ مدعی مُراد ہے یعنی وہ طاقت جو ہتھوں کی ناز برداری کی مدعی تھی آپ حوادث روزگار کی معمولی ٹھوکیں برداشت نہیں کر سکتی۔

(۶) ”اوضاع“ اطوار۔ ”ابتا سے زماں اہل زمانہ یعنی اہل زمانہ کے وضع و طریق کی خوبی کیا بیان کروں۔ ہمارے ساتھ بارگاہ اس شخص نے بُرائی کی ہے جس کے ساتھ ہم ہمیشہ شہنشاہی کرتے رہے۔

حاصل سے لکھ دھو بیٹھ اسے آرزو خرامی
(۱) دلی خوش گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی آسامی

اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے
(۲) میں بھی چلے ہوؤں میں ہوں داغ ناتمامی

(۱) ”آرزو خرامی“ آرزو مند نہ جیتو۔ اصل آسامی رعایتی الفاظ ہیں۔ ”حال“ پیداوار۔ ”محول“ ڈوبی ہوئی آسامی ”وہ“ لکھارہو

محصول ادا نہ کر سکے مطلب ہے کہ آرزو مندانہ محبت میں
نفع کچھ بھی نہیں۔ اس اسامی دل کو جوش گریہ ہی نے ڈبو دیا ہے
(حالانکہ بارش پیداوار کے لئے مفید ہوا کرتی ہے)

(۲) بجھائی ہوئی شمع پر جلنے کا نشان (دارغ) رہ جاتا ہے اور
جلاتے ہی بجھا دینا گویا جلنا نا تمام کر دینا ہے۔ "جلے ہوؤں" کا
استعارہ ان لوگوں سے ہے جو آتش عشق میں جل کر فنا ہونے چکے
ہیں۔ مطلب ہے کہ آتش عشق سے جل کر بجھ گیا ہوں اچھی طرح
جل بھی نہ سکا۔ کہ مرتبہ فنا کو پہنچ جاتا۔ اور یہ دارغ ناکامی
رہ گیا۔ میری مثال اس شمع کی سی ہے جس کو کوئی جلا کر
بجھا دے۔

۱	جس میں کہ ایک بیضہ مور آسمان ہے	کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہے
۲	پرتو سے آفتاب کے قترے میں جان ہے	ہے کائنات کو حرکت دینے ذوق سے
۳	خافل کو میسے شیشے پر سینے کا گراں ہے	حالانکہ ہے یہ سیلی خارا سے لالہ رنگ
۴	آئے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے	کی اس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا
۵	بس چپے ہو ہمارے بھی منہ میں بان ہے	کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
۶	فرمانروائے کشور ہندوستان ہے	بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوار یار میں
۷	کس سے کہوں کہ دارغ جگر کا نشان ہے	ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا

۸ ہے بارے اعتماد و قادیاری اس قدر
غالب ہم سہیں خوش ہیں کہ ناہریان ہے

(۱) "جہاں تنگ ہونا" بدقسمتی اور بدبختی کے معنوں میں آتا ہے۔
"بیضہ مور چونی" کا انڈیا یعنی ہم ستم زدوں کا جہان اس قدر

”سنگ ہو گیا ہے کہ آسمان بیضہ مور معلوم ہوتا ہے۔ یا ہم اس قدر مجبور ہیں کہ چوٹی کا اندھا جیسی حقیر ترین شے ہماری دنیا کے لئے آسمان ہے اور ہمارے ستارے کے لئے مٹی ہے۔

(۲) ”پیرے“ کا اشارہ ذاتِ یاری تعالیٰ کی جانب ہے دوسرا مصرعہ تمثیلی ہے۔

(۳) ”شیشہ“ ”دل“ سے اور ”مے“ ”خونِ دل“ سے استعارہ ہے۔ ”خارا“ (پتھر) سے سنگِ تفرقہ و پھر مراد ہے۔ ”سیلی“ تھپڑ پہاں بمعنی ضرب۔ ”لالہ رنگ“ سرخ رنگ یا خونِ نقشاں۔ ”فانسل“ حسن بے مروت یا کج نظر مطلب ہے کہ یہ خونِ نقشاں سنگِ تفرقہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ اور حسن بے پروا کو یہ گمان ہے کہ میرے دل میں خون موجود ہے۔

(۴) ”ٹھنڈا مکان“ اس دل سے استعارہ ہے جس میں سوزِ آفت نہ ہو۔ یہ محبوب پر طنز ہے، یعنی ہوس کی سرگرمی سوزِ عشق کے بالمقابل سرد ہے۔ گویا ان کا دل ٹھنڈا مکان ہے اور سرد مکان کو گرمی میں پسند کرتے ہیں۔ اس طرح یہ محبوب پر طنز کیا ہے کہ ٹھنڈا مکان پسند ہے۔

(۶) یعنی جس چیز کو سایہ دیواریاں میں بیٹھے کو جگہ مل گئی گویا وہ بادشاہ ہند ہو گیا۔

(۷) یعنی اب اگر کسی سے کہوں کہ جگر کا نشان داغ ہے تو کس کو یقین آئے گا۔ گویا شدتِ غم سے اپنے وجود کا اعتبار بھی نہ رہا۔

(۸) یعنی اُن کی ناہر یا بیانی اس بنا پر ہے کہ انہیں ہم پر بھروسہ

ہو گیا ہے کہ ہم ہر حال وفادار رہیں گے۔

(۱) دروے میرے ہے تجھ کو بیقراری مٹے مٹے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری مٹے مٹے

(۲) تیرے دل میں گرد نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری مٹے مٹے

(۳) کیوں مری غنوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری مٹے مٹے

(۴) عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا یا نہ دھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہیں ہے پائنداری مٹے مٹے

(۵) زہر لگتی ہے مجھے آبِ دہوا سے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری مٹے مٹے

(۶) گلشنِ فانی مٹے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری مٹے مٹے

(۷) شرمِ رسوائی سے جا چھپنا تھا بجا خاک میں
ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری مٹے مٹے

(۸) خاک میں ناموسِ پیمانِ محبتِ ریل گئے
اکھٹ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری مٹے مٹے

(۹) ہاتھ بھی تیغِ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری مٹے مٹے

(۱۰) کس طرح کاٹے کوئی شبِ مٹے تارِ برشکالی
ہے نظر خود کردہ اخترِ شماری مٹے مٹے

گوش مجھ پر پیام چشم محروم حال
ایک دل تپریہ ناامید داری ہائے مائے (۱۱)
عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی الفت کا رنگ
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوق خواری ہائے مائے (۱۲)

(۱) عاشق کامرتیہ ہے جو شاید ان کے دردِ عشق میں
ہلاک ہو گیا۔

(۲) یعنی تو نے تو عمر بھر کے لئے عہد وفا کیا لیکن عہد ہی کو
وفا نہ ہو تو کوئی کیا کرے۔

(۳) "ناسازگاری" ناموافقیت۔ یوفاتی۔ یعنی چونکہ زندگی نے
مجھ سے یوفاتی کی اس لئے مجھے زندگی سے نفرت ہو گئی ہے۔
(۴) یعنی ناز جلوہ کی گل فشانیوں کو کیا ہو گیا کہ اب خاک پر یا تہ خاک
تیری لالہ کاریاں ہو رہی ہیں۔

(۵) یعنی یہ پردہ داری محبت سے ہے۔

(۶) "ناموس" راز۔

(۷) یعنی پورا زخمِ عشق میرے دل پر لگنے بھی نہ پایا کہ وہ کام تمام
کرنے والا ہاتھ ہی نہ رہا۔

(۸) "برسکال" برسات یعنی برسات کی راتیں کس طرح کٹیں گی کیونکہ
ہمیں تو آخر شماری میں شب ہائے ہجر کاٹنے کی عادت تھی۔

(۹) "ہجور" ہجران زدہ یا دور یعنی کان پیغامِ شوق سے اور آنکھ دیدار
سے محروم ہیں۔ ایک دل اور اس پر ایسی ایسی مایوسیاں۔

(۱۰) دل میں جو ذوقِ رسوائی و خواری تھا دیووں ہی رہ گیا۔ کیونکہ

ابھی آگفت عشق کے درجہ تک نہ پہنچی تھی۔

۱۔ تسکین کو دے نوید کہ مرئی کی آس ہے	۱۔ گشتگی میں عالم ہستی سے یاس ہے
۲۔ ایک جاہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے	۲۔ لیتا نہیں میرے دل آوارہ کی خبر
۳۔ ہر مومن کے بدن پہ زبان سپاس ہے	۳۔ کیجے بیاں سرور و تپ غم کہاں تلک
۴۔ ہر چند اس کے پاس لی حق شناس ہے	۴۔ ہے وہ غرور حسن سے بیگانہ وفا
۵۔ اس بلغی مزاج کو گر ہی یاس ہے	۵۔ پی جس قدر لے شب ہتا بیاں شراب

ہر اک مکان کو ہے مین سے شرف آس
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل آداس ہے

۶

۱) "گشتگی" جنوں یعنی جوش جنوں سے زندگی کی امید نہیں بلکہ
مرنے کی توقع ہے۔ تسکین کو مبارک باد کہنا چاہتے۔ کیونکہ
مرنے پر سکون میسر آجائے گا۔

۲) یعنی میرے دل آوارہ کی خبر نہیں لیتا آس کو یہ اطمینان ہے
کہ دل میرے پاس ہوگا جب چاہیں گے لے لیں گے حالانکہ یہاں
دل کا نشان تک باقی نہیں۔

۳) "سپاس" تعریف و تمجید شعر میں اظہار ایدادوستی ہے۔

۴) یعنی اگرچہ وہ عشاق کو مستحق کرم جانتا ہے لیکن غرور حسن
مانع وفا ہے۔

۵) شب ماہ کو بلغی مزاج سے تعبیر کیا ہے۔ "راس" موافق۔

۱۔ خوش ہوں کہ میری بات سمجنا محال ہے	۱۔ گر خامشی سے فائدہ اٹھائے حال ہے
۲۔ دل فرو جمع و خراج زبان لال ہے	۲۔ کس کو سناؤں حسرت اظہار کا جملہ
۳۔ رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے	۳۔ کس پردہ میں ہے آئینہ پر واز لے خدا

۴	ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی	۴	اے شوق منفعلی یہ تجھے کیا خیال ہے
۵	مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان	۵	ناف زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے
۶	وحشت پہ میری عرضہ آفاق تنگ تھا	۶	دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے
ہستی کے مت فریب میں آجایتوانسد		عالم تمام حلقہِ دایم خیال ہے	

(۱) اگر خاموشی کا مقصد یہ ہے کہ راز اور حال دل پوشیدہ رہے تو میری باتیں بھی ایسی خاموشی سے کم نہیں کیونکہ ان کا مطلب ہی کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

ہر گوش سخن شنوا کچھ دل تو نہیں ہوتا
مطلب کوئی کیا سمجھے وارفتہ بیانی کا (تہا)

(۲) پیر گوئی کو زبان لال ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی حسرتِ اظہارِ شوق کا گلہ کس کو سناؤں دل میں بیشمار گہائیاں مضمر ہیں۔

(۳) آئینہ پر داز "آرائش کرنے والا مراد ہے۔" لب بے سوال "استعارہ ہے انسانِ مجبور سے اور یہ عالمِ جبر کی باتیں ہیں۔ آدمی بے اختیار ہے۔ مختار صرف خدا ہے۔ تاہم رحمت کی طلب سے شاعر نے ادبِ عبدیت کو قائم رکھا ہے۔ مطلب ہے کہ اسے خدا انسانِ مجبور بنانے کا حال (لب بے سوال) عذر خواہ ہے۔ اس وقت رحمت کس آئینہ خانہ میں آرائش کر رہی ہے۔ اگر آئینہ پر دازی سے جلوہ نہائی مراد ہے تو معنی یہ ہونگے کہ اسے خدا تیری رحمت کہاں ہے جو ہنگامِ معاصی خود بخود ہلا سوال نہیں اپنا جلوہ دکھا دیتی تھی۔ یعنی جس کے

بھروسہ پر گناہ کی ہمت ہوتی تھی۔

(۴) ”اے شوق منقل“ کے بعد ”ہو“ مقدر ہے۔ یعنی اے شوق
تجھے شرمانا چاہئے یہ کیا خیال ہے کہ وہ تجھے پاٹمال کر کے
دشمن سے بل گئے ہیں۔

(۵) ”مشکین“ مشک رنگ سیاہ۔ ”نافہ وغزال“ سب عایات ہیں
حضرت علیؑ کے قدم مبارک کی عظمت بیان کی ہے۔

(۶) ”عرصہ آفاق“ میدانِ عالم یعنی میری وحشت کے بالکشت اہل
وستِ ارض تنگ ہے۔ اور زمین کو اپنی اس تنگی پر شرمندگی ہے۔
چنانچہ اسی شرم و انفعال کا عرق سمندر ہے۔

(۷) یعنی ہستی کے فریب میں نہ آنا۔ سارا جہان دایم خیال کا حلقہ ہے
یا اس عالمِ اعتباری میں قیام و دوام کا وہم نہ رکھنا اصل میں
یہ شعر مشہور فلسفی برکھ کے نظریہ خیال پر مشتمل ہے جو وجود
خارجی کا فائل نہیں ہے اور کائنات کو خیالی و ذہنی کی
صورت آفرینیوں اور ہنگامہ فرمائیوں پر محمول کرتا ہے۔
اس قسم کے اشعار حقیقتاً بڑے پایہ کے اشعار ہوتے ہیں
جو حقائقِ علمی سے مطابقت رکھتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی مضمون کا
ایک شعر یہ ہے۔

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیاء مرے آگے (غالب)

تم اپنے شکوہ کی باتیں کھود کھود کے پوچھو	۱	حذر کرو مے دل سے کہ اس میں آگ لپی ہے
ولایتِ ردوالم بھی تو مغتتم ہے کہ آخر	۲	نہ گریہ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

(۱) شکوہ و شکایت کو دینی ہوتی آگ سے تعبیر کیا ہے۔ کھو و کھود کے پوچھنا محاورہ ہے یعنی بار بار اور تلاش و کاوش سے پوچھنا۔
 ”حذر کرو“ پر ہمیز کرو۔ پکو۔ ایسا نہ کرو۔

(۲) ”آخر“ کا لفظ بہت بلیغ ہے یعنی آخر کار ایک دن ہی درد و الم جان لے لیں گے۔ نہ گریہ سحر باقی رہیگا اور نہ آہ نیم شبی۔

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا وہ بھی برٹ گیا
 (۱) ظاہر کا غدرے خط کا غلط بردار ہے

جی جلتے ذوقِ فنا کی ناتمائی پر نہ کیوں

ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے (۲)

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
 (۳) ہر کوئی در ماندگی میں نالے سے ناچار ہے

ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ
 (۴) جس کے جلوہ میں زیریں تا آسماں سرشار ہے

مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی
 (۵) زندگی سے بھی مرا جی ان دلوں بیزار ہے

آنکھ کی تصویر سب زنامہ پر کھینچی ہے۔ کہ تا
 (۶) تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرت بیدار ہے

(۱) ”غلط بردار“ اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے حرف غلط مٹایا جاتا ہے۔

(۲) یعنی نفس آتشبار ہونے پر بھی ہمیں پھونک نہیں دیتا۔

اسی ناتمائی ذوقِ فنا پر جی جلتا ہے۔ اسی کے ہم معنی اس سے

پہلے یہ شعر گزرا ہے۔

جلتا ہے دل کہ کیوں ہم کہاں چل گئے
 اے نا تماچی نفسِ شعلہ بار حیف
 (غالب)
 (۳) ”درماندگی“ مصیبت ”نالہ سے ناچار ہے“ یعنی نالہ کرنے
 کے لئے مجبور ہے۔

(۴) ”ذره“ جلوہ کی رعایت سے محاورۃ استعمال کیا ہے۔ ذرہ
 ذرہ سے تمام کائنات مفہوم ہے۔ جیسے زمین تا آسمان سے
 سارا جہان مراد ہے۔ جلوہ کا مفہوم جمال ہے یہ صفت الہی
 رحمت و کرم اور احسان وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ”سرشار“
 معمور۔ مستی کی رعایت سے استعمال کیا گیا ہے یعنی ذرہ ذرہ
 کی بے عنوانی سیاہ کاری و بد قسمتی کا عذر خواہ اور عذر پذیر بھی
 وہی ہے جس کے جلوہ جمال اور انوار رحمت و کرم سے سارا
 جہان معمور ہے۔

(۵) یعنی مجھ سے یہ نہ کہو کہ میں تم کو اپنی زندگی یا باعثِ زندگی
 کہا کرتا تھا۔ کیونکہ مجھ کو ثواب اپنی جان بھی عزیز نہیں رہی۔
 زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔ اب اس کے کہنے میں آپ سے
 نفرت کا احتمال ہو گا۔ یا اب اگر تم کو اپنی زندگی کہوں تو کوئی
 تعریف یا ثوابی نہیں۔

پیس ہیں گذرتے ہیں جو کوچے سے مرے دم | کندھا بھی کہا روں کو بدلنے نہیں دیتے

میری ہستی فضائے حیرت آبادِ ممست ہے

(۱)

جسے کہتے ہیں نالہ۔ وہ اسی عالم کا اعتقاد ہے

(۲) خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو۔ کوئی موسم ہو

وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

وفا ہے دلبران ہے اتفاقی۔ ورنہ اسے ہمدم
(۳) اثر فریادِ دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

نہ لائے شوخی اندیشہ تاب زنج نو میدی
(۴) کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

(۱) "قضا" ماحولِ حیرت آباد "یکسر حیرت"۔ "تمنا" سے عشق مراد ہے۔ "عنتقا" بمعنی معدوم۔ حیرت کا خاصہ ہے کہ حواس و حرکات میں سکوت و تعطل طاری ہو جاتے ہیں۔ اسی حواس و حرکات کے تعطل کو عدم سے تعبیر کیا ہے۔ پس یقیناً اس عدم کے اقتضا سے نالہ بھی عنتقا یعنی معدوم ہونا چاہئے۔ یعنی میری ہستی عشق کے عالم حیرت کی قضا ہے۔ اور عنتقا اس قضا کا نالہ ہے۔

(۲) "شوخی اندیشہ" خیال کی شوخی اور رنگینی۔ "عہدِ تجدیدِ تمنا" از سر نو تمنا کرنے کا عہد یعنی شوخی خیال سے ناامیدی کا رنج برداشت نہ ہو سکا۔ یا رنگینی خیال کو یا یوسی گوارا نہ ہوتی اور کفِ افسوس ملنے ہی سے عہدِ تجدیدِ تمنا ظاہر ہونے لگا۔

رحم کر ظالم کہ کیا بود چراغ کشتہ ہے
(۱) نبضِ بیمارِ وفاد و چراغ کشتہ ہے

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں
(۲) ورنہ یاں بے رونقی۔ سو چراغ کشتہ ہے

(۱) "بود" ہستی۔ دم۔ طاقت۔ بساط وغیرہ۔ "روح" جان کی

حقیقت نور ہے۔ چراغ بھی نورانیت میں مشترک ہے چنانچہ چراغ زندگی سے عام طور پر روح کو تعبیر کیا جاتا ہے یہاں بھی چراغ سے جان یا ہستی مراد ہے۔ ”کشتہ“ شاعری کے مصطلح الفاظ میں سے ہے جس کے معنی عاشق کے ہوتے ہیں۔ مصرعہ ثانی میں چراغ کشتہ۔ اصل معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی بجھا ہوا چراغ۔ ”دود“ وہ دھواں مقصود ہے جو چراغ بجھاتے وقت نکلتا ہے۔ اس دھوئیں کی حرکت خفیف غیر متواتر۔ اور غیر مسلسل ہوتی ہے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں یہ دھواں ختم ہو جاتا ہے اور حرکت وغیرہ سب فنا ہو جاتی ہیں۔ اس حرکت سے بیماروں کی حرکت نبض کی تشبیہ دی ہے اور نبض کی ایسی حرکت بیمار کے آخری وقت کی دلیل ہے اس نبض کو اصطلاح طب میں دودی کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ دود عربی سے ماخوذ ہے۔ عربی میں چھوٹے ریگنے والے کیڑوں کو دود کہتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مرنے والے کی نبض حرکت میں کیڑوں کے ریگنے سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ یاد دود چراغ کشتہ ہے کیا بلحاظ حرکت اور کیا بلحاظ حالت و انجام دود چراغ کشتہ کی تشبیہ کیڑے کے ریگنے کے مقیاس سے زیادہ اس تشبیہ اور مکمل ہے۔ اور یہ شاعر کی عظیم المثال صحت نظر ہے۔ کہ وہ شعر میں ایسی کامل تشبیہ دے جو ارباب فن صدیوں کی مشق و نظر میں ہم نہ پہنچا سکے ہوں۔

(۲) دل لگی۔ محبت۔ ”بیچین رکھتی ہے“ یعنی ہنگامہ پرور رکھتی ہے۔

”یاں ہمارے لئے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ”سود“ فائدہ
 سمجھے ہوئے چراغ پر بے رولقی برستی ہے۔ لیکن یہ بے رولقی
 کچھ چراغ کے لئے مفید ہے کہ جلنے سے بچا ہوا ہے مطلب
 ہے کہ محبت کی آرزو سے ہم میں چل پھل تو رہتی ہے۔
 لیکن یہ چل پھل اور ہنگامہ آرائی ہمارے لئے
 مفید نہیں بلکہ چراغ کشتہ کی طرح ہمارے لئے یہی
 بے رولقی و افسردگی مفید ہے کہ سوز غم سے جلنے میں کچھ
 آرام نہیں بلکہ بے چینی ہی رہتی ہے۔

چشمِ خواباں - خاموشی میں لو اپر آواز ہے	۱	سرمرہ تو کھوٹے کہ دودِ شعلہ آواز ہے
پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے	۲	نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے
دستِ گاہ دیدہ خوبارِ مخنوں دیکھنا	۳	ایک بیاباں جلوۂ گل فرشِ پا انداز ہے

(۱) ”لو اپر وار“ سخن پر وار۔ گویا آنکھوں کے عشوے اور غم سے
 گویا تھی ہیں۔ آواز یا اعتبار پر وار حرکتاً شعلہ مشابہ ہے پھر
 حسینوں کی مخمور اور شرابی آنکھوں کو بھی شعلہ سے مشابہت ہے۔
 شعلہ آواز کی ترکیب نہایت اعلیٰ ہے۔ مطلب ہے کہ
 حسینوں کی آنکھیں خاموشی میں عشوہ و اشارات سے گویا ہوا
 کرتی ہیں اور سرمرہ کو اسی گویا تھی کے شعلہ کا دھواں سمجھنا چاہئے۔
 (۲) ”پیکرِ عشاق“ عاشقوں کا جسم یا وجود۔ ”ساز“ باجہ۔ ”طالعِ ناساز“
 بد نصیبی۔ گردشِ سیارہ بھی طالعِ ناساز کے مراد ہے۔ اور
 آردو ہیں بھی یہ محاورہ بانوس ہے۔ مطلب ہے کہ عاشقوں کا
 وجود ایک سازِ بد نصیبی ہے اور نالہ گردشِ سیارہ کی آواز ہے

یا ساز بد نصیبی کا نغمہ ہے۔

(۳) ”دست گاہ“ کمال ”دیدہ تو نبار چشم خونفشاں“۔ جلوہ گل
رنگ خون کی تشبیہ ہے۔ ”فرش پا انداز“ وہ فرش جس پر
آمد و رفت ہو یعنی مجنوں کی چشم خونفشاں کا کمال تو دیکھو کہ
سائے بیابان میں جلوہ گل کا فرش معلوم ہوتا ہے۔

۱	عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سی	۱	میری وحشت۔ تری شہرت ہی سی
۲	قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے	۲	کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سی
۳	میرے معنے میں ہے کیا رسوائی	۳	اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سی
۴	ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے	۴	غیر کو تجھ سے محبت ہی سی
۵	اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو	۵	آگئی مگر نہیں غفلت ہی سی
۶	عمر ہر چند کہ ہے برق خرام	۶	دل کے خوں کو نیکی فرصت ہی سی
۷	ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں	۷	نہ سی عشق مصیبت ہی سی
۸	کچھ تو دے اے فلک انصاف	۸	آہ و فریاد کی رخصت ہی سی
۹	ہم بھی تسلیم کی خود ایں گے	۹	بے نیازی تری عادت ہی سی

یار سے چھیر چلی جائے اسد

۱۰ مگر نہیں وصال تو حسرت ہی سی

(۱) یعنی دیوانگی ہی سی۔ میرے عشق سے آپا کی شہرت تو ہے۔

(۲) اسی مشہوریت کا شہر پہلے گزر چکا ہے۔

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو

کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

(۳) ”رسوائی“ بمعنی افشائے راز۔

(۴) یعنی خیر آپ ہی سچے ہیں کہ غیر کو آپ سے محبت ہے مگر یہ کہنے کہ ہمیں اپنے ساتھ دشمنی ہے کہ تم سے محبت نہیں رکھتے کیونکہ زندگی تو تم سے وابستہ ہے۔ پھر بھی اگر تم سے محبت نہ ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہمیں اپنی جان اور اپنے آپ سے دشمنی ہے۔ اس سے قبل تقریباً اسی مفہوم کا شعر گزر چکا ہے :-

کیونکر اس مُبت سے رکھوں جان عزیز کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
(۵) عرفان و سلوک کی تعلیم کے واقعی صرف یہی دو طریقے اور اصول ہیں۔ یعنی یا اپنے نفس کا علم یا نفس و نفسانیت فراموشی جن کو استاد نے آگے اور غفلت کے الفاظ میں بیان کیا ہے اور پہلے مصرعہ میں جو کہا ہے کہ اپنی ہستی ہی سے ہوتا ہے۔ سچ کہا ہے یہ شعر پورے کلیہ عرفان کی وسعت و بلاغت رکھتا ہے یعنی یا اپنے نفس کو پہچان لو یا اس سے قطع نظر کر لو۔

(۶) یعنی عمر اگر چہ جلد گزر جانے میں برق خرام ہے لیکن اتنی قہمت بھی دل خون ہو جانے کے لئے کافی ہے۔
(۷) یعنی ترک و فانا ممکن ہے عشق کا کوئی نتیجہ موافق نکلے یا نہ نکلے مصیبت ہی سہی۔

(۸) "رخصت" اجازت یعنی فریادہی دل کھول کر لینے دے۔
(۹) غرض کہ شکوہ اور گلہ نہ کریں گے دشمن ادبی اعجاز کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہے)

(۱۰) کیونکہ آخر زندگی کے لئے کوئی نہ کوئی شغل چاہئے۔

۱	ہے آرمی سگی میں نگو ہش نہ بچا مجھے	صبح وطن ہے خندہ دندان نما مجھے
۲	ڈھونڈے یہ اس مغنی آتش نفس کو جی	جس کی صدا ہو جلوہ برق فنا مجھے
۳	مستانہ طے کرونگوں رہ وادی خیال	تا باز گشت سے نہ ہے مارعا مجھے
۴	کرتا ہے پس کہ بلغم میں تو بے حجابیاں	آنے لگی ہے نکرت گل سے حیا مجھے
۵	کھلتا کسی پریوں سرے دل کا معاملہ	شعروں کا انتخاب نے رسوا کیا مجھے

(۱) "آرمی سگی" آرام طلبی۔ "نکو ہش" ملامت۔ صبح کو خندہ سے تشبیہ کرتے ہیں۔ یہاں نگو ہش کے ثبوت کے خندہ دندان نما مفسر کہ یا خندہ "تحقیق و ملامت لکھا ہے۔ مطلب ہے کہ آرام طلبی میں واقعی مجھے ملامت کرنا چاہئے۔ کیونکہ میں تو بیاباں نوردی اور غربت کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ پس ہر صبح وطن میرے لئے خندہ ملامت ہے۔

(۲) "مغنی" گانہ والا۔ "آتش نفس" سوز و گداز کی طرف اشارہ ہے۔ جلوہ برق فنا۔ نظارہ برق فنا۔ یا نظارہ مرتبہ فنا فی الذات مفہوم ہے۔ یعنی ایسے پر سوز و گداز مغنی کی آرزو ہے جس کے ہر نفس آتشین میں جلوہ برق فنا نظر آنے لگے۔

(۳) "مستانہ" بے خودی یا بے خبری کے ساتھ یا عالم فراموشی کے ساتھ۔ "باز گشت" واپسی یعنی خیالستان یا عالم خیال میں مستانہ گزرتا ہوں۔ تاکہ واپسی سے سروکار نہ رہے اور ترقی کے بعد رو بہ منزل نہ ہوں۔

(۴) یعنی مجھے انفعال ہے کہ تو کہاں بے حجابیاں کرتا ہے۔

(۵) یعنی میرے اشعار کا انتخاب ہونے لگا اور ان اشعار میں میری

داستان عشق مصحفی -

زندگی اپنی جہاں شکل سے گذری غالب | ۱ | ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

(۱) "اس شکل سے" اس انداز سے اس حال سے - شاعر اس شعر میں مایوسی کے ساتھ اپنی بد حالی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مراجع کی حسرت کرتا ہے -

۱	اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے	۱	بیٹھا رہا اگر چہ اشارے ہوا کئے
۲	دل ہی تو ہے سیاست دریاں سے ڈگیا	۲	میں اور جاؤں ور سے تھے بن صدا کئے
۳	رکتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ میں	۳	مات ہوئی ہے دعوت آب و ہوا کئے
۴	سب سے صرفہ ہی گذرتی ہے ہو گرچہ عمر خضر	۴	حضرت بھی گل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے
۵	مقدور ہو تو خاک سے پوچھو کہ سے لیٹم	۵	تو نے وہ گنجماٹے گرا نمایہ کیا کئے
۶	کس روز تمہیں نہ تراشا کئے عار و	۶	کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چلا کئے
۷	صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں پیٹو	۷	وینے لگا ہے بوسہ بغیر التجبا کئے
۸	صاف کی ہے اور بات مگر خبر بڑی نہیں	۸	بھولے سے اُسے سینکڑوں وعدے سنا کئے

غالب نہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا

۹ مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

(۱) یعنی کچھ ایسی مجبوری ہے کہ ان کی بزم میں مجھے غیرت ہی نہیں آتی - اور وہاں یہ کیفیت تھی کہ کبھی کسی بات پر انہوں نے غیار کو خاموشی کا اشارہ کیا کہ یہ بیٹھے ہوئے ہیں چپ رہو - کبھی یہ اشارہ ہوا کہ یہ کون ہیں - کیوں آگئے ہیں - جاتے کیوں نہیں غرض کہ سینکڑوں اشارے ہوتے رہے اور مجھ سے اٹھانہ گیا -

(۲) "سیاست" انتظام ملک - یہاں خوب مراد ہے -

(۳۱) "خرقہ" لباس فقر "سجاوہ"۔ مصلے "رہن" سے "شراب" کے لئے رہن۔ "دعوت آب و ہوا" دعوت موسم بہار۔

(۳۲) "بے صرفہ" بے فائدہ۔ فضول۔ یعنی اس دنیا میں کتنی ہی عمر کیوں نہ ہو بے نتیجہ ہی گزر جاتی ہے۔ حضرت خضر بھی بادِ جو اتنی عمر کے بچپن میں گئے ضرور کہ افسس کچھ نہ کیا۔

(۳۳) "لیٹم" لامنت سے بنا ہے جس کے معنی لامنت شدہ یا بجاوردہ میں بد بخت کے ہیں۔ گنج ہائے گرانمایہ سے قابلِ قدر اور قابلِ تحسین ہستیاں مراد ہیں۔ یعنی خاک سے پوچھو کہ درویشِ عالم جو وہ کہاں چلے گئے۔

(۳۴) یعنی خدا سے وہ خلواتِ عبادت کرتا تھا۔ خوب صفا۔ یاد نہ رہی تو حسبِ عادت سینکڑوں وعدے دے دے مٹا گئے۔

(۳۵) یہ شعر بھی قریب المفسرین سے ہے۔ تیسری بیانِ لفظی جواب نہیں ہے کہ تم ان کے وعدہ کا ذکر کرو۔ مگر کیوں کرو؟ غائب یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں۔

رقنارِ عمر قطع رہا اضطراب ہے ۱۔ اس سال کے حساب کو برقِ آفتاب ہے
 مینا مئے ہے سرو نشاط بہار سے ۲۔ بالِ تیر و دجلوہ موجِ شراب ہے
 زنجی ہوا ہے پاشہ پائے ثبات کا ۳۔ فے پھاگئے کی گونیا قنات کی تاب ہے
 جادو بادہ نوشی زنداںِ ہوشِ شہت ۴۔ غائل گماں کرے ہو کر گیتی خراب ہے
 نظارہ کیا حریف ہوا میں برقی حسن کا ۵۔ جوشِ بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے
 میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں ۶۔ مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے
 گندہ اسد مسرت پیغامِ یار سے ۷۔ قاصد پہنچ کو شک سوالِ جواب ہے

(۱) عمر کی رفتار ایسی ہے جیسے کوئی اضطراب و بے چینی میں جلد جلد راستہ طے کر رہا ہو۔ اور عمر کے سال کے حساب کے لئے آفتاب کو یا برق ہے۔ یا برق آفتاب ہے۔

(۲) "مینائے مئے" صراحی ہے۔ اسی رعایت سے نشاطِ اصفیٰ کیا ہے۔ "بال تندرؤ بادل سے استعارہ ہے۔ جلوہ مے کو بادل سے مشابہہ کیا گیا ہے۔ یعنی مینا اگر سرو ہے تو موجِ شراب گھٹا۔ (۳) "پاشنہ" ایڑی۔ "پائے ثبات" ثابت قدمی۔ "پائے استقلال" اقامت۔ "قیام یا قائم کرنا۔ یعنی یہ راہ عشق کچھ ایسی و شوار ہے کہ نہ بھاگا جاتا ہے اور نہ ٹھیرا جاتا ہے۔ بس ایڑیاں رگڑنی پڑتی ہیں اور پائے استقلال زخمی ہوتا رہتا ہے۔

(۴) رندوں سے مراد بایستانِ عشقِ الہی ہیں۔ "بیشش جہت" آفاق۔ دنیا۔ گیتی۔ یعنی دنیا زندانِ عشق ہی کی جا واد ہے لوگ نہ سمجھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے زمانہ خراب ہے۔

(۵) "قطارہ" طاقت ویدار۔ "حریت" سخاوت۔ بہار کے اوزم میں اب بھی ہے۔ اسی رعایت سے حسن کی توصیف برق سے کی گئی ہے۔ استاد کا شعر ہے :-

لطافت بے کثافت جلوہ پیا کر نہیں سکتی

چمن زنگار ہے آئینہ باد بہاری کا

یہاں بھی جوشِ بہار اسی قسم کا نقاب ہے جیسا آئینہ باد بہاری کا زنگار چمن تھا۔

(۶) یعنی دیدار سے آنکھوں کو تو سکون ہے لیکن دل کی تسلی محض دیدار

سے نہیں ہوتی۔

(۱) گزرا "باز آیا کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی مجھے قاصد پر
اُن سے ہنگامی کارِ شک ہے اس لئے میں پرِ پیغام سے ہی گزرا۔

(۱۱) دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پرِ رشک آجائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

(۱۲) ہاتھ دھو دل سے بھی گرمی گر اندیشہ میں ہے
آبِ گیند - تندی صہبا سے پگھلا جائے ہے

(۱۳) شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جاسیے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے
(۱۴) غیر کو کیونکر وہ یارب منع گستاخی کرے
گر حیا بھی اُس کی آتی ہے تو شرما جائے ہے

(۱۵) دُور چشم بدتری بزمِ طرب سے واہ واہ
نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے
گر چہ ہے طرزِ تغافل پر وہ دایرہ رازِ عشق
پر ہم ایسے کھوکے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

(۱۶) اُس کی بزمِ آرا بیاں سن کر دل رہ بخوریاں
مثلِ نقشِ مدعا سے غیر بیٹھا جائے ہے
ہو کے عاشق وہ پری بُخ اور ناز کہ بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اُڑتا چلتا ہے

(۱۷) نقش پر اُس کے معصوم کو بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچتا جائے ہے

سایہ میزا مجھ سے مثل وود بھاگے ہے اسد
 پاس مجھ آتش بہ جاں کے کس سے ٹھیرا جائے ہے
 (۱) انتہائے لذت دید میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ خود پر
 رشک آئے لگے۔

(۲) گرمی اندیشہ گرمی خیال - جوش خیال - سرگرمی خیال کی تشبیہ
 صہبا (شراب) سے دی ہے "تندری" تیزی اور اس لفظ
 کی رعایت سے جوش خیال یا گرمی خیال لائے ہیں۔ آبگینہ
 شیشہ دل سے استعارہ ہے۔ مطلب ہے کہ جس طرح صہبا
 سے شیشہ کے پگھلنے کا احتمال ہے اسی طرح اگر یہی جوش خیال
 ہے تو دل بھی خون ہو کر بہ جائے گا۔

(۳) یعنی شوق کا تقاضہ ہے کہ پیہم نالہ کھینچے جاؤں اور دل کی
 درخشاں کی یہ کینہ نہایت ہے کہ دم گھٹا جاتا ہے۔
 (۴) "شیریں جانا" یعنی سروت۔

دور سے بھی کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ اور
 صہبا سے لے کر شیشہ تک جوش میں اس کی نغمہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ حسد
 شیریں اس سے ہم پیش کو نظر بد سے بچائے۔

(۵) "طیر تھانے" انوار بیگانگی - یعنی ہمارے طرزِ تفاعل سے
 پناہ دینے کی خواہش ہونے لگتی ہے اور ہم تفاعل میں کچھ ایسے خاموش
 ہو جاتے ہیں جس پر اقصاءِ حال کا گمان ہوتا ہے اور وہ سمجھ جاتے
 ہیں کہ ہم درودِ شوق سے کچھ بات ہے۔

(۶) "نقش بردار" مستقل اور دیر پا کامیابی کے معنوں میں

آتا ہے۔ نقش بیٹھنے سے اپنے دل کے بیٹھنے کی تشبیہ دی ہے

اور دل کا بیٹھنا محاورہ ہے۔ - بمفہوم بالوسی -

(۸) یعنی ضعفِ عشق سے نزاکت بڑھ گئی ہے۔ "رنگ اُڑنا"

آثارِ ضعف میں سے ہے۔ اور رنگ سفید پڑ جانا بھی علامت

ضعف ہے۔ رنگ کھلنا محاورہ میں گورے ہو جانے کے معنی

میں مستعمل ہے۔ یہی تمام رعایات شعر میں ہیں۔

(۹) "کھینچتا ہے" یعنی تصویر یا نقش صورت کھینچتا ہے۔ کھینچتا

جلٹے ہے۔ یعنی اتراتا اور غور کرتا جاتا ہے۔

(۱۰) سایہ اور دود (دہواں) میں تشبیہ ہے۔ "آتش بجاں" جس

کی جان آتشِ غم میں مبتلا ہو۔ مصیبت کی بیکیسی بیان کرنے

میں سایہ کی علیحدگی تشبیل عام اور مشہور ہے۔ یہاں آگ سے

دھوئیں کی علیحدگی سے سایہ کے جدائی کی تشبیہ دی گئی ہے۔

۱۔ تب امان ہجر میں دی بردلیالی نے مجھے	گرم فریاد رکھا، شکل نہالی نے مجھے
۲۔ لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے	نسب و نقد۔ دو عالم کی حقیقت معلوم
۳۔ کر دیا کافر، ان اصنام خیالی نے مجھے	کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری ہم
۴۔ عجب آرام دیا بے پرو بالی نے مجھے	ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا

(۱) "شکل نہالی" نقوش و تصاویرِ قالین۔ "برد" سردی "لیالی"

لیلِ رات کی جمع ہے۔

(۲) "نسبِ عقیقی اور نقدِ دینا" یعنی منافعِ موجود و آئندہ سے

میری ہمت عالی نے مجھے مستغنی کر دیا۔ یا میں نقدِ دنیا اور عقیقی

کے ادھار پر فروخت نہ ہوا۔ بلکہ ہمتِ عالی نے بے عاوضہ استغناء مجھ خرید لیا۔

(۳) کثرت آرائی وحدت - یعنی وحدت کو کثرت سمجھنا اور ہم پرستی اور کفر ہے کیونکہ یہ سب وہم و خیال کے بت ہیں۔ بلکہ کثرت کو وحدت سمجھنا چاہئے۔

(۴) ”بے پردہ بالی“ بالوی یا بے طاقی۔

۱	برقی خرمن باغ میں لالہ داغ سماں ہے	کارگاہ ہستی میں لالہ داغ سماں ہے
۲	باوجود دل جمعی خواب گل پریشاں ہے	غنیچہ تا شکفتنہا برگ عافیت معلوم
۳	داغ پشت دست عجز شعلہ ش بازداں ہے	ہم سے بچ پیتیانی کس طرح اٹھایا جائے

(۱) ”داغ سماں“ مثل انجم انجم - وہ شخص کہ داغ جس کا سرمایہ و سماں ہو۔ موجودیت لالہ کی منحصر نمائش داغ پر ہے۔ ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے سمجھ لیجئے کہ پھول کا درخت یا غلہ جو کچھ اپنایا جاتا ہے۔ وہ تھاں کو جو تھے پونے اور پانی دینے میں مشقت کرنی پڑتی ہے۔ اور ریاضت میں لہو گرم ہو جاتا ہے۔ مقصد و نشاء کا یہ ہے کہ وجود محض رنج و شما ہے۔ مزاج کا وہ لہو جو کشت و کار میں گرم ہوتا ہے وہ لالہ کی راحت کے خرمن کا برقی ہے۔ حاصل موجودیت داغ اور داغ مخالف راحت اور صورت رنج ہے۔ (از غو ہندی)

(۲) کلی جب تھی نیکے بصیرت قلب صنوبری نظر آئے اور جیشک پھول بنے برگ عافیت معلوم؛ یہاں معلوم یعنی معلوم ہے اور برگ عافیت یعنی مایہ آرام مصرعہ برگ عیش بگور خویش برگ اور سرور برگ بمعنی ساز و سماں ”خواب گل“ شخصیت گل باعتبار خموشی و برجاماندگی پریشانی ظاہر ہے۔ یعنی شکفتگی

وہی پھول کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا۔ غنچہ بصیرت دل جمع ہے
باوصف جمعیت دل گل کو خواب پریشان نصیب ہے۔

(از عہد ہندی)

رس) پشتِ درست "صورتِ عجز اور خس بدہراں" وکھاہ بدندان
گرفتار بھی اظہارِ عجز ہے۔ پس جس عالم میں کہ داغ نے پشتِ دست
زمین پر رکھ دی ہو اور شعلہ نے تنکا دانتوں میں لیا ہو ہم سے
رنج و اضطراب کا تحمل کس طرح ہو۔ مطالب ہے کہ اس رنج
کے برداشت کرنے کی ہم میں تاب و طاقت نہیں ہے اور
یہ ہمیں ہلاک کر دے گا (از عہد ہندی)

اگ رہا ہے درو دیوار سے سبزہ غالب | ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بیمار آئی ہے

(۱) گھر میں گھاس اگنا ویرانی کی دلیل ہے۔ گویا جب گھر میں یہ بیمار
ہو تو گھر بیابان ہے اور ہم کو گھر میں بیابان کا مزہ آسکتا ہے
پھر ناحق ہم بیابان میں ہیں۔

سادگی پر اش کی مرجانے کی حسرت دل میں ہے

(۱)

بس نہیں چلتا کہ پھر غنچہ کف قاتل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا

(۲)

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

گرچہ ہے کس کس بڑائی سے ولے با ایں ہمہ

(۳)

ذکرِ میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

بس، جو ہم نا اُمیدی خاک میں مل جائے گی

(۴)

یہ جو اک لذت ہماری سخی بے حاصل میں ہے

رنج رہ کیوں کھینچے، واما ندگی کو عشق ہے
 اٹھ نہیں سکتا، ہمارا جو قدم منزل میں ہے
 (۵)
 جلوہ زارِ آتش دوزخ ہمارا دل سہمی
 فتنہ شور قیامت کس کے آب و گل میں ہے
 (۶)
 ہے دل شوریدہ غالب طلسم پیچ و تاب
 رحم کر، اپنی تمنا پر، کہ کس مشکل میں ہے
 (۷)

(۱۱) یعنی حسرت تو محض ان کی سادگی پر مرنے کی ہے۔ اور خیر
 سے ہلاک ہونے میں وہ مزا کہاں لیکن ان کے ہاتھ میں خیر
 ہے اب بے بسی ہے۔

(۱۲) تقریر کا کمال ہے کہ دل لگتی بات کی جلائے۔
 (۱۳) ”سچی بے حاصل“ وہ کوشش جس کا کوئی نتیجہ نہ ہو۔ یا
 کامیاب نتیجہ نہ نکلے اور ظاہر ہے کہ مایوسی کی بیکاری سے سچی بیجا مل
 غنیمت ہے۔ اور افسردگی کی بے دلی سے خام خیالی ہی بہتر ہے۔
 (۱۴) ”واما ندگی“ ممکن۔ یعنی واما ندگی، رنج واہ روی کیوں گوارا
 کرے اس کو ہمارے قدم سے عشق ہے۔ اور اس لئے قائم
 اٹھ نہیں سکتا۔

(۱۵) ”جلوہ زار“ معمور۔ ”آب و گل“۔ خیر خلقت۔ جبلت۔ دوزخ
 قیامت کی رعایت ظاہر ہے معشوق کے قامت کی تعریف
 قیامت سے اور رفتار کی فتنہ قیامت یا فتنہ حشر وغیرہ سے مشہور
 ہے۔ آتش سے سوز عشق مراد ہے اور اسی تذکرہ و اظہارِ حال
 سوز پر معشوق نے طنز آ یا خفگی سے کہا ہو گا کہ آپکے دل میں تو

دمنخ کی آگ بھری ہے۔ اس پر عاشق اُسی قسم کا سوال الزامی کرتا ہے کہ اچھا ہمارا دل آتش دوزخ سے معمور رہی۔ لیکن یہ تو کہئے کہ فتنہ شہور قیامت کس کے غمیر و جہالت میں ہے۔

(۱۱) "شوریدہ" بے چین۔ مضطرب۔ "طلسم" جادو کا بنا ہوا عجیب و غریب مکان جس کی بنا اشکالی بنیوم سے ہوئی ہو۔ اور جس کا اثر یہ ہے کہ کوئی وہاں سے نکل نہ سکتا ہو۔ عاشق کے دل میں جو تمنا ہوتی ہے وہ چونکہ مشوق سے متعلق ہوتی ہے اس لئے گویا اُسی کی تمنا ہے۔ مطلب ہے کہ میرا دل شوریدہ طلسم پیچ و تاب ہے اور تیری تمنا اس پیچ و تاب میں پھنسی ہوئی ہے تو اپنی تمنا پر رحم کر کہ اس کشمکش سے نکل جائے۔

۱	دلوں کو اک ادا میں رضا منگ گئی	۱	دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
۲	تکلیف پر وہ داری زخیم جگر گئی	۲	مشت ہو گیا ہے سینہ خوشالذت فراغ
۳	اٹھنے میں اب، کہ لذت خواب سحر گئی	۳	وہ بادۂ شہانہ کی سرستیاں کہاں
۴	بائے اب اے ہوا میں بال ہر گئی	۴	اُڑتی پھرے ہے خاک مری کوئی یا میں
۵	سوچ خرام یار بھی کیا نکل کتر گئی	۵	دیکھو تو دل فریبی انداز نقش پا
۶	اب آبرو سے شبیوہ اہل نظر گئی	۶	ہر لہو میں نے حسن پرستی شعار کی
۷	مستی سے ہرگز تم سے رنج پر یکھر گئی	۷	نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا
۸	کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی	۸	فرواؤ دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا

مارا زمانہ نے اسدا لٹ خنساں نہیں

وہ دلوں کے کہاں، وہ جوانی کہ بھر گئی

۹

(۱) شعرا کے یہاں نگاہ کو تیر سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی تیر کے

آرزو مند دل و جگر دونوں مسلم ہیں۔

(۱۲) یعنی زخم جگر کے چھپائے اور پردہ رکھنے میں سینہ کو بڑی تکلیف ہوتی تھی کیونکہ زخم کے دروستے تنفس میں الجھن اور گھٹن تھی جس سے سینہ پر بار تھا۔ اب سینہ شق ہو گیا اور زخم جگر کی پردہ داری کی تکلیف سے کیسی اچھی فراغت حاصل ہو گئی۔

(۱۳) شراب کی مستی اور سرور میں نین کی سی لذت بھی ہوتی ہے۔ حمار و سانپ میں سب سے چینی ہوتی ہے اس لئے نین کا لطفت باقی نہیں رہتا۔ مطلب ہے کہ باوڈ شہانہ کی سرمستی اب باقی نہیں رہے۔ اور خواب سحر کی لذت بھی اسی وقت تک رہتی جب تک نشہ تھا۔ اب وہ لذت کہاں۔

(۱۴) اس شعر میں "اب" کا لفظ مخصوص ہے۔ یعنی اب مرنے کے بعد مطلب ہے کہ زنا رگی میں ہم ان کے کو چہ تک پہنچ ہی نہ سکیں بال و پر کی ہو جس تھی کہ اڑ کر پہنچ جائیں۔ ہوا بھی ہمیں نہ پہنچا سکتی تھی۔ اب خاک ہوئے پر ہماری خاک ان کے کو چہ ہیں اڑتی پھرتی ہے۔

(۱۵) گل کترنا اور شکوفہ چھوڑنا مراد وفات ہیں۔ یعنی فتنہ پیہا کرنا اور یہاں لفظی طور پر واقعی گل تراشی مراد ہے۔ چونکہ نقش پا یا رگوں کے تشبیہ دیتے ہیں موج اور خرام میں بھی حرکت اور زوالی و بہرہ شہید ہیں اور یہاں مشبہ اور مشبہ بہ کو ساتھ ساتھ بیان کر دیا ہے۔ حسن خرام یا نحو بی خرام ظاہر ہے۔

(۱۶) "یو الہوس" اہل خواہش و غرض۔ اہل نظر۔ عاشقان صادق۔

(۷) خیرگی نگاہ کو مستی نظر سے تعبیر کیا ہے اور خیر جب پیدا ہوتی ہے تو نظر اپنا کام نہیں کر سکتی تاکہ عیوں پر پردہ سا معلوم ہوتا ہے اسی پردہ کو استاد نے معشوق کے رخ کا نقاب بیان کیا ہے۔

(۸) ”فرؤ“ آنے والی کل۔ قیامت کو بھی فردائے قیامت کہتے ہیں ”دی“ گزشتہ کل مطلب ہے کہ تمہارے جانے سے جو قیامت کل آنے والی تھی وہ کل گزیر چکی۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب ماضی و مستقبل کا کوئی قصہ ہی نہ رہا۔

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر لے	۱	ہو رانِ خلد میں تری صورت گرے
اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل	۲	میرے پتے سے غلق کو کیوں تیرا گھر لے
ساقی گری کی شرم کرو آج، ورنہ ہم	۳	ہر شب پیار ہی کرتے ہیں سٹے جسدِ رے
تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم	۴	میرا سلام کہیو، اگر نامہ برے
تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا	۵	فرصت کشاکشِ غم نہاں سے گرے
لازم نہیں کہ حضر کی ہم پیروی کریں	۶	جانا، کہ اک بزرگ ہیں ہم سفر لے

اے ساکنانِ کوچہ و دیار دیکھنا

تم کو کہیں جو غالب آشفتمے سر لے

(۱۱) یعنی اگر آنکھوں ہی کو لطف دیدار میسر آ جائے تو خیر ہم دل کی تسکین کا مطالبہ بھی نہ کریں۔ لیکن گنجائشِ تیری صورتِ تریا اور کہاں حورانِ خلد کی صورتیں۔
(۱۲) یعنی اگر میرے واقعہ قتل کے حوالہ سے تیرے گھر کا پتہ مشہور ہو گیا تو تو بدنام ہو جائے گا۔

(۴۱) یہ مضمون کچھ آغاز چاہتا ہے۔ یعنی شاعر کو ایک قاصد کی ضرورت
 ہوئی مگر کھڑکایہ کہ کہیں قاصد معشوق پر عاشق نہ ہو جائے۔
 ایک دوست اس عاشق کا ایک شخص کو لایا۔ اور اس نے عاشق
 سے کہا کہ یہ آدمی وطن دار اور معتد علیہ ہے۔ میں صامن ہوں کہ
 ایسی حرکت نہ کرے گا۔ خیر اس کے ہاتھ خط بھیجا گیا۔ قصداً را
 عاشق کا گمان سچ ہوا۔ قاصد مکتوب الیہ کو دیکھ کر والد و شہداء
 ہو گیا۔ کیسا خط۔ کیسا جواب۔ دیوانہ بن۔ کپڑے پھاڑ جنگل کو
 چل دیا۔ اب عاشق اس واقعہ کے وقوع کے بعد مدہیم سے کہتا
 ہے کہ غیب و اں تو خدا ہے۔ کسی کے باطن کی کسی کو کیا خبر۔ اے
 مدہیم تجھ سے کچھ سکلام نہیں۔ لیکن اگر نامہ بر کہیں مل جائے تو اس کو
 میرا سلام کہیو۔ کہ کیوں صاحب تم کیا کیا دعویٰ عاشق نہ ہونے
 کے کر گئے تھے اور انجام کار کیا ہوا۔ رما خود از مکتوب قاضی
 حب الجھیل صاحب۔ جھیل بریلوی)

(۴۲) غم پنہاں کی کشاکش نہ ہو اور غم پنہاں، جنوں ظاہر سے بدل
 جائے تو ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں۔
 (۴۳) یعنی خضر کی بزرگی تسلیم۔ لیکن سفر (ساوک) تو ہم ہی کر رہے
 ہیں اور ان منازل کو ہم خود طے کر لیں گے۔ ہمیں ان کی پیروی کی
 کیا ضرورت۔ البتہ خواجہ صاحب موصوف اگر چاہیں تو ہمارے
 ہم سفر ہو سکتے ہیں۔

(۴۴) یعنی اگر غالب آشفۃ سر کہیں مل جائے تو دیکھنا اس کی حالت
 اس کو چہ سے نکھنے کے بعد کیا ہوئی ہے۔

کوئی دن گزر نہ گمانی اور ہے	۱	اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
آتش و دوزخ میں یہ گرمی کہاں	۲	سوزِ غماتے نہسانی اور ہے
بارہا دیکھی ہیں ان کی رنجشیں	۳	پر کچھ اب کی سرگردانی اور ہے
دیکھے خط منہ دیکھتا ہے نامہ	۴	کچھ تو پیٹ سام زبان اور ہے
قاطع اعمار ہیں اکثر نجوم	۵	وہ بلائے آسمانی اور ہے

ہو چکیں غالب بلا میں سب تمام
ایک مرگ ناگسانی اور ہے

۴

(۳) یعنی نامہ بر آب کوئی ایسی غیر متوقعہ بات کہنے کو ہے کہ وہ
کہتے ہوئے جھجکتا ہے کہ خدا جانے سننے والے پر کیا گذرے۔
(۴) قاطع اعمار عمریں گھٹا دینے والے نجوم مراد ہیں۔ بلائے
آسمانی معشوق کی کہا گیا ہے۔

کوئی افسوس نہیں آتی	۱	کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے	۲	نہیں کیوں رات بھر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی	۳	اب کسی بات پر نہیں آتی
جاننا ہوں ثواب طاعت و زہاد	۴	پر طبیعت ادھر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہو	۵	ورنہ کیا بات کہ نہیں آتی
کیوں نہ چنچوں کہ یاد کرتے ہیں	۶	میسری آواز گر نہیں آتی
دارغ دل گر نظر نہیں آتا	۷	بوجی اے چارہ گر نہیں آتی
ہم وہاں ہیں جہاں سے تکیو بھی	۸	کچھ ہماری غمیں نہیں آتی
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی	۹	موت آتی ہے پر نہیں آتی
کہے کس منہ سے جاؤ گے غالب	۱۰	بشرم تم کو نگر نہیں آتی

(۳) موت تو ہمارے مانگے نہیں آتی۔ گویا وہ ہماری طلب اور
شب ہائے پھر سے وابستہ نہیں بلکہ اس کے لئے کوئی اور وقت
مقرر ہے۔ لیکن خدا جانے فیصلہ کیوں نہیں آتی۔ حالانکہ نہیں آنے
کا وقت رات ہی کا ہوتا ہے۔

(۴) یعنی پہلے حال دل پہری سو ہنسی آتی جاتی تھی۔ مگر اب تو کچھ
ایسی افسردگی ہے کہ کسی بات پر نہیں آتی۔

(۵) یعنی داغ دل اگر نظر نہیں آتا تو کیا سوز عشق سے دل کے
جلنے کی بو بھی نہیں آتی۔

(۶) یعنی ہم اُس مرتبہ فنا میں پہنچ گئے ہیں کہ ہم کو خود خبر نہیں رہی
کہ ہم کہاں تھے اور کہاں ہیں۔

(۷) یہ مرنا بمعنی کثرت و وفور محبت استعمال ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ
اس موقع پر یہی مراد ہے اور اس شعر میں۔

محبت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فرہ و م نکلے

و م نکلے بھی بمعنی محبت استعمال ہوا ہے۔

۱	آخر اس درد کی دوا کیا ہے	۱	دل ناوان تجھے ہوا کیا ہے
۲	یا الہی یہ ماجرا کیا ہے	۲	ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
۳	کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے	۳	میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
۴	پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے	۴	جبکہ تجھ بن کوئی نہیں موجود
۵	غزۂ وعشۂ واد کیا ہے	۵	یہ پری چہرہ لگ کیسے ہیں
۶	نگہ چشمِ سرمد کیا ہے	۶	شکین زلفِ عنبر میں کیوں ہے

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں	۷	ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے
ہم کو اُن سے فاقی ہے اُمید	۸	جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا	۹	اور درویش کی صدا کیا ہے
جان تم پر ہٹا کر رہا ہوں	۱۰	میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

۱۱
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

(۱) دلِ نازاں سے دردِ عشق کے متعلق سوال ہے۔ اور چارہ کار اور انجام کار کی پرستش۔
(۲) یعنی یہ حالت جمعِ اضراد کیسی۔ اور یہ الٹی بات کیوں ہے کہ ہم محبت کریں اور وہ نفرت۔
(۳) یعنی کاش تم ایک دفعہ پوچھ لو کہ میرا مدعا کیا ہے پھر دیکھو کیا اور کس قدر کہتا ہوں۔

(۷) اسی مضمون کو استاد مرحوم مختلف طریقوں سے لکھ چکے ہیں چنانچہ یہاں بھی معشوقِ حقیقی کو موجودِ وجودِ واحدِ حق کرتے ہوئے اُس سے مظاہرِ گوئی و مجازی کے متعلق سوال کیا ہے کہ تو تو موجودِ واحدِ موجود ہے۔ پھر یہ اس قدر اذاعِ مظاہر کیا ہیں یہ خوب صورت اور حسین لوگ جن کا حسنِ عالم آشوبِ اپنی پرستش اور عشق کے لئے جھکاتا اور کھینچتا ہے اُن کی نگاہوں کے سحر طراز غمزے۔ اُن کے اعجازِ آفریں عشوے۔ اُن کی چشمِ سرمہ سا کمرے۔ اُن کی زلفِ عنبرین کی دل پھنسا لینے والی شکنیں کیا ہیں۔ پھر یہ عالمِ نباتات کی نگاریاں ابرو ہوا کی موسم

آرائیاں اور بہار آفرینیاں کیسی ہیں۔ اور یہ سب کچھ کیا۔
کہاں سے اور کس طرح ہو رہا ہے۔

(۸) یعنی وہ ابھی نا آشنائے الفت ہیں۔ اور ہمیں ان سے وفا کی توقع ہے۔ یا ہم کو ایسے شخص سے وفا کی توقع ہے جو جانتا ہی نہیں کہ وفا کیا ہے۔

کہتے تو ہو تم سب کہ بہت غالیہ ہو آئے
(۱) اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی وہ آئے

ہوں کشمکش نزع میں، ہاں جذب محبت
(۲) کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

ہے صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم
(۳) آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں، گو آئے

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
(۴) ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی ہو آئے

جلاوے ڈرتے ہیں نہ دم غلط سے جھگڑتے
(۵) ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں جو آئے

ہاں اہل طلب کون سے طعنہ نایافت
(۶) دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
(۷) اس در پہ نہیں یار تو کعبے ہی کو ہو آئے

کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تقریر
(۸) اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھ کو ڈلو آئے

(۱) ”غالیہ“ عین زلفوں والا (دو) ضرورتِ ردیف کے لئے
بجائے (۱) کے واؤ استعمال کیا ہے۔ یعنی تم سب کہتے تو ہو
کہ وہ آجائے، کاش ایسا بھی ہو کہ تم گھر کے کہو کہ لودہ آگئے۔
(۲) یعنی اگرچہ کشمکش نزع کی وجہ سے کچھ کہ نہ سکوں لیکن اسے
جذبِ محبت وہ میرے پوچھنے کو اس وقت ضرور آجائے!
(۳) ”صاعقہ“ بجلی۔ ”سیلاب“ پارہ۔ یہ سب معشوق کی شوخی اور
آتے ہی چل دینے کے اشارے ہیں۔

(۴) یعنی ہم اشکال و لباس پر نظر نہیں رکھتے ہم تو ہر جہیں ہیں
اُسی ایک حقیقت کو دیکھتے ہیں۔

(۵) خود بھی صاحبِ طلب ہیں اور اپنے ہی ہم مشربوں سے
مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ محرومی کا طعنہ کون سنے۔ وہ نہیں بلا تو
ہم خود اپنے آپ کو کھو بیٹھے (اور راہِ سلوک میں اپنے کو کھو دینا
بھی ڈھونڈھ لینے کے برابر ہے)

(۸) ہم نفسوں سے محبوب کے اہل بزم مراد ہیں۔ ”تقریر“ بحث
یعنی ان کے ندیوں نے ان سے کہا کہ آپ آسے رونے دیجئے۔
رونے میں اثر ہی کیا رکھا ہے۔ خود اچھے سبے کہ ان کے دل کی
سی بات بنا دی۔ لیکن مجھے ڈیو دیا۔

(۹) ”انجن ناز“ معشوق کی بزمِ مطلب ہے کہ ہم بھی اُس بزمِ ناز میں
گئے۔ وہاں کا عالم دیکھا۔ کیا کہیں اُسی عجیب و غریب نظارہ ہے

تیری تقدیر کو رو آئے یعنی تم پر افسوس کرتے رہے کہ وہ محروم ہے
اس کی قسمت کہاں کہ اس بچن میں شریک ہو۔

۱	پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے	سینہ جو یا سنے زخم کاری ہے
۲	پھر جگر کھوونے لگانا خون	آدھ فصل لالہ کاری ہے
۳	قبیلہ مقصود نگاہ نیاز	پھر وہی پردہ عماری ہے
۴	چشم و لال جنس رسوائی	دل خریدارِ ذوقِ ثواری ہے
۵	وہی صدر رنگ نالہ فرسائی	وہی صد گوشتِ اشکباری ہے
۶	دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر	عشرتستانِ بیقراری ہے
۷	جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے	زور بازارِ جاں سپاری ہے
۸	پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں	پھر وہی زندگی ہمارے ہے
۹	پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز	گرم بازارِ فوجداری ہے
۱۰	ہور ماسپہ جہان میں اندھیر	زلف کی پھر سرشتِ داری ہے
۱۱	پھر دیا پارہ جگر نے سوال	ایک فریادِ آہ و زاری ہے
۱۲	پھر ہوئے ہیں گواہِ عشقِ طلب	اشک باری کا حکم جاری ہے
۱۳	دل و مژگان کا جو مقدمہ تھا	آج پھر اس کی رو بکاری ہے

یہ خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جسکی پڑہ داری ہے

۱۴

(۲) ”فصل لالہ کاری“ موسم بہار۔ ناخن سے جگر کھونے کی رعایت ہے
(۳) یعنی نیاز کیشِ عشق کا قبیلہ مقصود وہ (مشتوق کا) پردہ عماری ہے
پردہ عماری اور خلافِ کعبہ کی رعایت ظاہر ہے۔

(۴ و ۵) یعنی آنکھیں نہ رسوائی کے سوئے کی دلالی کرتی ہیں۔ اور دل

ذوق خواری کا خریدار ہے۔ آنکھیں اسی طرح ہزاروں آنسو بہاتی ہیں اور دل ہزاروں طرح نالہ فرساست ہے۔

(۶) ”ہوا“ شوق۔ ”خرام ناز“ معشوق کا چلنا پھرنا۔ اور خرام ناز کا وصف حشر برپا کرتا ہے۔ محشرستان اسی رعایت سے لائے ہیں۔ اور دل بمیقار کو محشرستان کہتا ہے میقاریوں کی ہل چل اور ہنگاموں پر مبنی ہے۔

(۷) ”عرض“ نمود و نمائش۔ یہاں لین دین اور فروخت کرنا مراد ہے ”جان سپاری“ جان دینا۔

(۸) ناز و انداز سے پھر مقابلہ ہے اور عشاق کا گوشت و خون ہور ہا ہے۔

(۹) پھر گرفتار زلف ہو رہے ہیں۔

(۱۰) پارہ جگر پھر فریاد درو کرتا ہے۔

(۱۱) عشق کے آثار پھر ظاہر ہو رہے ہیں اور گریہ و اشک کا سلسلہ جاری ہے۔

(۱۲) دل کا صنف مرگھاں سے پھر مقابلہ ہے۔ یہ پانچوں شعر عدالتی یا دفتری اصطلاحوں میں ادا کئے گئے ہیں مثلاً قوداری سرشتہ داری۔ سوال۔ روبکاری وغیرہ۔

جنوں تہمت کش تسکین نہ ہو گر شادمانی کی
(۱) نمکپاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی

کشا کش ہستے ہستی سے کرے کیا سعی آزادی
(۲) ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی

	پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طفلاں ہے شرارِ سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی	۳
--	-----------------------------------------------------------------------------------	---

۱) ”تمت کش“ مہتمم ”خراش دل“ زخمِ دل ”جنوں“ عشق یعنی اگر ہم سے شادمانی ظاہر ہو تو ہمارے جنوں عشق پر تسکین طلبی کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ دنیا بھر کی شادمانیاں عشاق کے زخمِ دل پر نمک کا کام کرتی ہیں۔ یعنی شادمانیوں میں ان کے لئے کوئی حقیقی لذت نہیں ہوتی۔

۲) ”کشا کش“ مئے ہستی ”زندگی کی الجھنیں اور وابستگیوں۔“ ”سعی آزادی“ آزادی کی کوشش ”فرصت“ فراغ ”موجِ زنجیر“ میں تشبیہ ہے۔ مطلب ہے کہ دریا کو جس قدر روانی میں آزادی ہوتی ہے دریا جس قدر زیادہ رواں ہوتا ہے (اسی قدر زنجیر امواج کی کثرت ہوتی ہے، گویا زنجیرہ امواج رُافی و آزادی دریا ہی کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ یہی حال انسان کی کوشش آزادی کا ہے، کہ آزادی کی کوششیں خود زنجیر بنجاتی ہیں۔ اورہ لایق و افکار کا سلسلہ اور بڑھ جاتا ہے!

۳) ”پس از مردن“ مرنے کے بعد ”زیارت گاہ“ مرنے کی رعایت سے استعمال ہوا ہے۔ ”شرارِ سنگ“ آگ جو پتھر سے مضاربت میں نکلتی ہے۔ ”شرر“ اور پھول کی تشبیہ ہے مطلب ہے، کہ لڑکے میری قبر پر بھی پتھر مارتے ہیں اور اس زیارت گاہ پر شرارِ سنگ کے پھولوں کا چڑھا دیا ہوتا ہے۔

- نکوہش ہے سزا فریادی بیداد دلبر کی
(۱) مبادا خندہ دندان نما ہو صبح محشر کی
- رگ لیلیٰ کو خاک وشت مجنوں ریشگی بنے
(۲) اگر بوئے بجائے دانہ دہقان نوک نشتر کی
- پیر پروانہ شاید یاد بان کشتی سے تھا
(۳) ہوتی مجلس کی گرمی سے روانی دور ساغر کی
- کروں بیداد ذوق پر فشانی عرض کیا قدرت
(۴) کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہر کی
- کہا تک روؤں اس کے نیمے کے نیچے قیامت ہے
(۵) مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

(۱) "نکوہش" ملامت۔ "فریادی بیداد دلبر" معشوق کے مظالم کی فریاد کرنے والا۔ "خندہ دندان نما" خندہ ملامت، مضحکہ یعنی معشوق کے فریادی کی اجراء ملامت و مضحکہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس فریادی کے لئے صبح قیامت بھی، تمخر کرے!

(۲) اس شعر کے متعلق تلخیص یہ ہے کہ مجنوں کی فصد کھولی گئی تھی اور جذبِ الفت نے یہ اعجاز دکھایا تھا کہ رگ لیلیٰ بھی خونفشاں ہو گئی تھی۔ شعر میں استاد نے اسی جذب کو دوسری طرح ادا کیا ہے۔ کہ وہاں فصد کھلنے سے یہ ہوا اور یہاں اس کا دوسرا پہلو بھی ہے، اپنی مجنوں کے عشق و جذبات سے ساری ادنیٰ نجد معزور ہے، اور اس کی ضرورت نہیں کہ خود مجنوں کی رگ میں نشتر لگے تب لیلیٰ کی رگ سے خون جاری ہو، بلکہ خاک وشت مجنوں

میں، اگر وہ تھاں بچائے دانہ کے نوک نشتر بودے تو رگِ لیلیٰ
مُجروح ہو جائے۔

(۳) پرفشانی "اڑنے کے لئے پروں کو حرکت دینا، یا پرتو لٹکانا یعنی
اُس کی تاب کہاں کہ ذوقِ پرفشانی کا ظلم بیان کروں، کیونکہ یہاں
اڑنے سے پہلے ہی بازو کی قوت پرواز کر چکی ہے اور ارادہ سے
قبل ہمت نے جواب دیدیا ہے!!

(۴) مجلس کی گرمی سے، مشاغلِ مجلس کے شروع ہونے کی طرف اشارہ
ہے۔ شمع بھی لوازمِ مجلس سے ہے۔ پیر پروانہ کو کشتی سے "یاد بان"
کہا ہے۔ پس یہ کشتی رواں ہوئی، اور دور چلتے لگا۔

(۵) یعنی خیمہ کے بجائے اگر پتھر کی دیوار ہوئی، تو سر پھوڑ لیتا۔
روتے روتے مدت ہو گئی۔

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے (۱)

پہناں تھا دامنِ سختِ قریبِ آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے (۲)

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے (۳)

سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر
وہ لوگ رفتہ رفتہ سسراپا الم ہوئے (۴)

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہریس
تیرے سوا بھی ہم پر بہت سے شتم ہوئے (۵)

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خوں چکاں

(۶)

ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

اللہ کے تیری تندہی خو جس کے ہم سے

(۷)

اجزائے نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوئے

اہل ہوس کی فسخ ہے ترک نبرد عشق

(۸)

جو پانوں اٹھ گئے وہی اُن کے علم ہوئے

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے

(۹)

جو واں نہ کچھ سکے سودہ یاں آکے دم ہوئے

چھوڑی آس نہ ہم نے گدائی میں دل لگی

(۱۰)

سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

(۱۱) "بے اعتمادی" حد سے تجاوز کرنا "کم ہوئے" سبک ہوئے

ذلیل ہوئے۔

(۱۲) سخت قریب "بہت قریب" یا "دام سخت" جس کی گرفت مضبوط ہو۔

(۱۳) ایسی ہستی جو فنا پذیر ہو، چھوٹی قسم سے زیادہ وقعت و ثبات

نہیں رکھتی ایسا ہم نے اپنی جان دے کر اپنے ٹٹنے کی قسم پوری کر دی۔

(۱۴) "سختی کشاں" مبتلائے مصائب۔ یعنی عشاق اس قدر

سختیوں میں مبتلا رہے ہیں کہ ہمہ تن مصائب ہو گئے ہیں یا

خود ہی تصویرِ الم بن گئے ہیں۔

(۱۵) یعنی علاوہ آلامِ عشق کے غم روزگار اور ستم ہائے آسمانی بھی

ہوتے رہے ہیں!

(۱۶) "ہاتھ قلم ہونا" ہاتھ کٹنا۔ لیکن یہاں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ

جنونِ عشق کے واقعات خونیں لکھتے لکھتے انگلیاں فگار ہو گئیں اور
 فگار انگلیوں سے قلم اور خون سے روشنائی کا کام لیا !
 (۷) "مندی غو" تیزی مزاج۔ "بیم" خوف۔ رزق کی رعایت سے نالہ
 کے اجزاء (مکڑھے) کہتے ہیں "بیم" غم و رنج۔ مطلب ہے کہ تیری
 بد مزاجی کے خوف سے، نالے کھینچنا دشوار تھا، نالوں سے غم
 پنہاں کو تسکین ہوتی ہے۔ گو غم پنہاں تحلیل ہو کر نالوں میں
 نکلتا ہے اور کم ہوتا رہتا ہے، مگر تیرے خوف سے جب نالے
 نہ کھنچے تو غم پنہاں کے لئے اجزاء نالہ رزق ہو گئے گویا غم
 پنہاں کی پرورش و زیادتی کے باعث ہوئے !

(۸) "علم" نشاناتِ فسخ مراد ہیں۔ اور پائے فرار کو علم سے تشبیہ دی ہے
 اور سچ یہ ہے کہ اہل ہوس مقابلہ عشق سے گریزاں اور میدانِ عشق سے
 فرار کو اپنے لئے مفید جانتے ہیں۔ اس لئے ان کی نگاہوں میں
 ایشار و قربانی نقصان معلوم ہوتے ہیں۔

(۹) "عدم" سے یہاں ازل مراد ہے۔ یعنی وہی نالے جو اس عالم میں
 کھینچے جاتے، یہاں اس عالم میں سانس بن گئے ہیں گویا ہماری
 ہستی کی حقیقت اور بناء آلام ہیں۔

۱	تو فسادگی نہاں ہے بہ کمین بے زبانا	جو نہ نقد داغ دل کی کریمہ شعلہ پاسبانی
۲	کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہا	بچھے اس سے کیا توقع، بہ زمانہ جوانی
۳	کہ مرے عدو کو یار سے میری ننگا	یونہی دکھ کسی شینا نہیں خوب تر نہ کتا

(۱۰) "دارغ" کی درجہ ہم سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ اس لئے نقد داغ
 کہا گیا ہے۔ شعلہ سے مراد سوزِ عشق ہے۔ "فسادگی" مریجھانا یا

بیدل و مایوس ہونا۔ یہ کہیں "آڑ میں۔ گھات میں مطلب ہے کہ
اگر نقدِ داغ کی حفاظت شعلہٴ عشق نہ کرے تو فسادگی جو بے نیازی کی
آڑ میں چھپی ہوئی ہے اُس کو چھپا لے جائے۔ یعنی اگر شعلہٴ عشق باقی
نہ رہے تو بے دلی اور مایوسی داغِ دل پر چھا جائیں۔

(۲) "کو دکی" پچپن پچپن میں قصہ کہانی سننے کا شوق ہوا کرتا ہے۔

(۳) یعنی کسی کو تکلیف دینا اچھا نہیں۔ ورنہ رقیب کے لئے میں ضرور
یہ بددعا کرتا کہ میرے مصائب اُس پر منتقل ہو جائیں۔

۱	اک شمع ہے دلیلِ سحر و خموش ہے	۱	ظلمتِ کدہ میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
۲	مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے	۲	نے مژدہ وصال نہ نظرِ آراہ جمال
۳	اے شوقِ پاں اجازتِ تسلیم ہوش ہے	۳	مٹنے کیا ہے محسنِ خود آرا کو بے حجاب
۴	کیا اوج پرستارہ کو ہر فروش ہے	۴	گوہر کو عقدِ گردنِ خواباں میں دیکھنا
۵	بزمِ خیال، میکدہ بے خروش ہے	۵	دیدارِ بادہ، حوصلہ ساقی، نگاہِ مست

قطعہ

۶	زہوار اگر تمہیں ہوس ناؤ نوش ہے	۶	اے تازہ دارِ دانِ بساطِ ہوائے دل
۷	میری سنو، جو گوشِ نصیحتِ نبوش ہے	۷	دیکھو مجھے، جو دیدہٴ عبرتِ نگاہ ہو
۸	مطرب بہ لغمہ رہزنِ تمکینِ ہوش ہے	۸	ساقی بہ جلوہٴ دشمنِ ایمان و آگہی
۹	دامانِ باغبان و کعبِ گل فروش ہے	۹	یا شب کو دیکھتے تھے، کہ ہر گوشہٴ بساط
۱۰	یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے	۱۰	لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
۱۱	سنے وہ شر و شور نہ جوشِ خروش ہے	۱۱	یا صبح دم جو دیکھے آکر تو بزم ہیں
۱۲	اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے	۱۲	داغِ فراقِ صحبتِ شب کو جلی ہوئی
۱۳	غالب صریحاً عامہ نوائے نروش ہے	۱۳	آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں

(۱) "طلبتکہ بیت المحزن۔ عاشق کا گھر مراد ہے یعنی میرے گھر میں ہمیشہ شبِ غم ہی رہتی ہے صبح کی دلیل بجی ہوئی شمع ضرور ہے لیکن میرے گھر کی شمع صبح کی وجہ سے گل نہیں ہوئی بلکہ شبِ غم کی جوشِ ظلمت میں وہ روشن ہی نہ ہو سکی۔

(۲) پہلے دیدار سے آنکھیں کامیاب ہوتی رہتی تھیں اور کانوں کو آنکھوں پر رشک یا آنکھوں سے شکایت محرومی ہوتی تھی لیکن اب مدت ہوئی کہ نہ مژدہ وصل سننے میں آتا ہے نہ نظارہ جمالی یا ریتھر ہے اور آنکھوں اور کانوں میں موافقت ہے یعنی دونوں کا محرومی میں ایک حال ہے۔

(۳) "حسن خود آرا" محبوب سے ہتھارہ ہے "تسلیم" عربی لفظ ہے جس کے معنی اطاعت یا خود کو حوالہ کر دینے کے آتے ہیں یعنی شراب لے تو ان کو بے حجاب کر دیا۔ اے شوقِ آب تجھے بھی اجازت ہے کہ ہوش و ادب کو تو بھی نشہ کے حوالہ کر کے شوخی و گستاخ دستی اختیار کر۔

(۴) "عقد کردن" گلے کا مار یا لٹھا مراد ہے۔ "ستارہ اوج پر" ہونا خوش نصیبی کے معنوں میں محاورہ ہے۔ ستارہ اور موتی کی تشبیہ ظاہر ہے یعنی معشوقوں کے گلے میں موتی دیکھ کر گوہر فروش کے ستارہ کا اوج ظاہر ہوتا ہے۔

(۵) "بزم خیال" یعنی عالم خیال میں محفل کا تصور "بے خروش" بے ہنگامہ۔ بے شور و غل۔ یعنی بزم خیال میں نظارہ شراب مست نگاہ، ساغر طلبی، اور ساقی کا حوصلہ عالی یا ساغر

دینے میں عالی حوصلگی ہے۔ اور یہ ایسا میکر ہے جس میں
شور و غل بھی نہیں۔

(پتا ۱۲) "تازہ واردان" نئے آنے والے۔ "بساط" فرش۔ "مستد"
"ہوا سے دل" ذوق و شوق یا ولولہ ہونے والے۔ "دل" "زہار" کلمہ نفی
مؤکر۔ "ناؤ نوش" مئے نوشی اور سماع۔ "دیدہ عبرت نگاہ" وہ
آنکھ جو بربادیوں کے آثار سے عبرت حاصل کرے۔ "گوشن
نصیحت یوش" وہ کان جو نصیحتوں کو سنتیں۔ "ساقی جلوہ ساقی
جلوہ سماقی کے عالم ہیں۔ ایمان و آگہی وین و عقل۔ "مطرب نغمہ"
مطرب جب نغمہ سرا ہوا گانے کے عالم ہیں۔ "رہزن" چور۔ یہاں
باطل کرینے والا مراد ہے۔ مطلب ہے کہ اے وہ لوگو کہ تمہارے
دلوں میں ذوق و شوق اور ولولے تازہ تازہ پیدا ہوتے ہیں۔
محفل سازی۔ مئے نوشی اور نغمہ و ساز کی ہوس ہے۔ اگر تمہاری
آنکھیں عبرت نگاہ ہیں تو مجھے دیکھو اور عبرت پکڑو اور اگر تمہارے
کانوں میں نصیحت سننے کی اہلیت ہے تو میری نصیحت سنو کہ
جلوہ ساقی ایمان و عقل کا دشمن ہے۔ اور نغمہ مطرب ضبط و
ہوش کو برباد کر دیتا ہے۔ ہم پر تو یہ گزری کہ رات تو یہ دیکھا کہ
فرش محفل کا ہر کونہ پھولوں سے بھرا ہوا دامن یا غبان یا پھول
بیچنے والے کا پھولوں بھرا ہاتھ تھا۔ ساقی کے لطف خرام نے جنت
کی گل تراشیاں اور گل کاریاں پیش نظر کر دی تھیں اور کیفیت
ساز نے کانوں کو بہشتی سرور سے معمور کر دیا تھا صبح کے وقت
جو یزید کا عالم دیکھا تو مسرت۔ گرمی محفل۔ اور ہنگامہ عیش و طرب

کچھ بھی نہ تھا۔ ایک جلی ہوئی شمع باقی ہے اور پھر وہ بھی خاموش گویا
صحبتِ شب کے فراق کا داغ کھاتے ہوئے ہے۔
(۱۳) ”ضریر خامہ“ قسلم کی آواز ”تو اسے سروش“ پیغام و
صدائے غیب۔

۱	نہ ہوتی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی	۱	امتحان اور بھی باقی ہے تو یہ بھی نہ سہی
۲	خارِ خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہے	۲	شوقِ گلچینِ گلستانِ تسلی نہ سہی
۳	مے پرستانِ خمِ مے منہ سے لگائے ہی بنے	۳	ایک دن گر نہ ہوا بزم میں باقی نہ سہی
۴	نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرَا	۴	گر نہیں شمعِ سببِ خانہ لیلیٰ نہ سہی
۵	ایک ہنگامہ یہ موقوف ہے گھر کی رونق	۵	نوحہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی
۶	نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا	۶	گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی
<p>عشرتِ صحبتِ خواب ہی غنیمت سمجھو نہ ہو کی غالب اگر عمرِ طبعی نہ سہی</p>			

(۲) گل و خار دونوں مقابلہ کی چیزیں ہیں، یاد و نون ایک ہی فزیت
کی پیداوار ہیں۔ یعنی المِ حسرتِ دیدار کے کاسٹے کی پھین تو ہے اگرچہ
شوق کو گلچینی جمالِ میسر نہیں!

(۳) آہ نالہ کو شعراء شرر بار لکھا کرتے ہیں اور چراغ و شمع میں بھی
شعلہ ہوتا ہے اور آنکھ، چراغ اور شمع وغیرہ نور میں شترک ہیں
اور ان میں یہی وجہ مشبہ ہے۔ اور عشاق کے عقیدہ میں جہاں
شمع عشق کی روشنی نہ ہو وہاں آفتاب و شمع بھی بے نور و تاریک
ہیں۔ اسی اعتبار کو لیلیٰ کے گھر کو ”سببِ خانہ“ سے تعبیر کیا ہے
مطلب یہ ہے کہ گرچہ سببِ خانہ لیلیٰ کو شمعِ نفسِ قیس میں میسر نہیں!

جو تو اغیار کے گھر جانے کے لئے بناؤ سنگھار کرتا ہے تو ہم سے
وعدہ خلائی کاوانغ آئینہ کے ہمارے اور زیادہ نمایاں ہو جانا
چاہیے۔

(۳۱) یعنی ہوسوں میں اُنچک کر عافیت برباد نہ کر۔ عجز یا ترک طلب
ہی بین سلامتی اور راحت ہے۔

(۳۲) یعنی وہ وفا پرورد محبوب، تو پیش نظر ہو اور عشق صادق نہ
ہو۔ ایسا ہے کہ یومیم بہار ہو اور مصدوعی دیوانگی تو بھلا محبوب
کیا ہاتھ آسکتا ہے۔ اور بہار سے کیا لطف حاصل ہو سکتا ہے۔

لاؤ اتنا ہوں، کہ گر تو بزم میں جاوے مجھے
(۱) بیراؤ نہ دیکھ کر گر کوئی بتلاوے مجھے
کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آجائے رزم
(۲) واں ملک کوئی کسی چیلے سے پتیا دے مجھے

منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا، پر یا نثار عتاب
(۳) کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلائے مجھے
یاں ملک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
(۴) زلف گر بن جاؤں تو شانہ میں الجھا دے مجھے

(۳۵) یعنی تجھ کو منہ دکھا۔ منہ میں خفا ہے اور منہ دکھلا دینے کے لئے
خفا ہوتا ہے تو آنکھیں ہی دکھاوے کیونکہ غصہ میں آنکھیں ہی
دیکھائی جاتی ہیں

۱	ہوتا ہے شب و روز تماشا کے آگے	۲	کھیل رہے اور رنگ سلیمان سے نزدیک
۱	اک بات ہے اعجازِ مسیحا میرے آگے	۲	

۳	جو نام نہیں صورت عالم مجھے منظور	۳	جو وہ ہم نہیں سستی اشیا مرے آگے
۴	ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرے ہوتے	۴	گھستا ہے جہیں خاک پہ دریا مرے آگے
۵	مت پوچھ کہ کیا حال ہے، میرا ترے پیچھے	۵	تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے ترے آگے
۶	سچ کہتے ہو خود ہیں خود آراہوں، کیوں ہوں	۶	بیٹھا ہے بُت آئینہ میں مرے آگے
۷	پھر دیکھئے اندازِ گل افشانی گفتار	۷	رکھ دے کوئی پیمانہ صہبائے آگے
۸	نفرت کا گماں گندے ہے میں رشک ہو گزرا	۸	کیونکر کہوں لو نام نہ ان کا مرے آگے
۹	ایمان مجھے دے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر	۹	کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے
۱۰	عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام	۱۰	مجنوں کو بڑا کنتی ہے لیلیٰ مرے آگے
۱۱	خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے	۱۱	آئی شب بھران کی تمنا مرے آگے
۱۲	ہے موجزن اک قلمِ مخوں کا ش بھی ہو	۱۲	آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے
۱۳	گو ہاتھ کو جنبش نہیں کہکھوں میں تو دم ہی	۱۳	رہنے دوا بھی ساغرو میںا مرے آگے

ہم ہمیشہ وہ ہم مشرب و ہمزاد ہے میرا
فنا لب کو بڑا کیوں کہوا چھامے آگے

۱۴

(۱) یعنی دنیا کو بازی گاہ سمجھتا ہوں اور انقلابات و حوادث کو کھیل
(۲) دنیا وہی جاہ و چشم و شکوے ہیں اور موت و حیات چٹکے۔
(۳) یعنی عالم کے اشکال و صورت بڑے نام ہیں۔ اور اشیا کا
وجود وہم۔

(۴) یعنی میرے خاک اُڑانے سے صحرے چھپ جاتا ہے۔ اور میرے
گریہ کے مقابل دریا اظہارِ غم کرتا ہے۔

(۵) یعنی یہ تو نہ پوچھ کہ تیرے بھر میں مجھ پر کیا گندتی ہے بلکہ یہ
دیکھ کہ موجودگی اور وصل میں تو کیا تلاقی کرتا ہے۔

(۷) یعنی تم جو مجھے خود بین و خود آرا کہتے ہو سچ کہتے ہو۔ کیوں مفروضہ خود بین نہ ہوں کہ ایسا معشوق آئینہ سیما میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔

(۸) یعنی پھر دیکھئے میرے منہ سے کیسے پھول بھڑکتے ہیں۔ ذرا جام شراب میرے سامنے رکھ دو کہ طبیعت بحال ہو جائے۔ (۹) یعنی لوگ اس کا نام لیتے ہیں اور مجھے رشک ہوتا ہے کہ اس کا نام یہ کیوں لے رہے ہیں۔ تاہم منع بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نام سے نفرت تو ہے نہیں رہتا۔

(۱۰) یعنی میں دیوانوں کی طرح عشق نہیں۔ (۱۱) یعنی وصل میں خوش تو ہوتے ہیں۔ لیکن مرگِ شادی نہیں ہوتا۔ شب بھر کی تمنا گویا بڑا بول بھلی۔

(۱۲) یعنی رونے میں ایک دریا خون رواں ہے۔ کاش اسی پر مصائب کا خاتمہ ہو جائے، ابھی نہ معلوم کن کن مصیبتوں سے سابقہ ہوتا ہے۔

کہوں جو حال، تو کہتے ہو مارغا کہئے	۱	تم ہی کہو کہ چہ تم یوں کہو تو کیا کہئے
نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم سنگر ہیں	۲	مجھے تو جو ہے کہ جو کچھ کہو، بجا کہئے
وہ بیشتر سہی، پردل میں جب اتر جائے	۳	نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہئے
نہیں ذریعہٴ راحت جراحِ پریکاں	۴	وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ و لکشا کہئے
یہ مدعی بنے اس کے نہ مدعی بنے	۵	جو تا سزا کہئے اس کو نہ تا سزا کہئے
دہن حقیقت جانکا ہی مرض نکھئے	۶	کہیں مصیبتِ ناساز ہی دوا کہئے
ہا شکایتِ پنج گراہی نشیں کیجئے		کہیں حکایتِ صبر گریز پا کہئے

۸	رہے نہ جان تو قاتل کو جو نہا دیجئے	کٹے زبان تو خنجر کو مرجھا کے
۹	نہیں نگار کو الفت، نہ ہو نگار تو ہے	روانی روشنی وستی ادا کے
۱۰	نہیں بہار کو فرحت، نہ ہو بہار تو ہے	طراوت چمن و ثوبی ہوا کے
۱۱		
سفینہ جبکہ کنارے پہ آگنا غالت		
خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کے		

(۱) یعنی جب حال کہنا چاہتا ہوں تو آپ فرماتے ہیں کہ مطلب کہئے۔ مدعا کہئے۔ عبارت مختصر۔ حاصل کلام۔ یعنی کچھ نہ کہئے اب آپ ہی کہئے کہ جب آپ ہی ہمارا حال نہ سنیں تو ہم کیا کریں۔

(۲) یعنی جو دل میں جگہ کر لے وہ دوست ہے۔ چاہے نشتر نگاہ ناہی کیوں نہ ہو۔

(۳) یعنی تیرے زخم سے کچھ نہیں ہوتا۔ انشراحِ قلب تو تلوئے کے زخم سے ہوتا ہے۔

(۴) یعنی لڑنے والے سے لڑائی مول نہ لو۔ جواب نہ دو اور بڑا کہئے والے کی بھی سن لو۔

(۵) یعنی نشاۃِ حوادث ہوں۔ کبھی مرض کی جانکاہی ہے کبھی ودا کی ناموافقت ہے۔ کبھی یار کی شکایت ہے۔ کبھی رخصت صبر و ضبط کا اظہار ہے۔ غرض کہ یوں گزرتی ہے۔

(۶) یعنی اگر جان جائے تو قاتل کو بخش دو۔ اور زبان کہئے تو خنجر کو مرجھا کہو۔ ہر صورت ظلم کی لذت اٹھاؤ۔

(۷) یعنی معشوق کو محبت نہیں، نہ سہی، یہ کیا کم ہے کہ وہ معشوق

(۳) ”بہا“ قیمت۔ آلات میکشی“ مینوشی کے ظروف یعنی ساغرو مینا
بیچ کر شراب پی لی۔ اب چون کہ شراب کی قیمت ادا کرنے کو کچھ
نہیں رہا۔ گویا شراب کا جھگڑا مٹا۔ شراب گئی۔ ساغرو مینا
بک گئے۔ قصہ پاک ہوا۔

(۴) یعنی یہ جگر ہی پھولوں کے لباس و صورت میں تھے جو نالہ
بلبل سے چاک ہوئے یا پھولوں کا کھلنا بھی چاک جگر کے
مماثل ہے۔

(۵) یعنی اہل شوق کے عدم وجود کے متعلق سوال ہی کیا۔ یہ
سمجھو کہ اپنی ہی آگ میں آپ جل گئے یا خود ہی آگ تھے اور خود
ہی جلنے والے۔ یا جن کے وجود میں عدم تھا اور جن کا عام ہی
وجود تھا۔

(۶) یعنی ہم تو ان سے تغافل اور کم نگہی کا شکوہ اور التفات و
یگانگت کا مطالبہ کرنے گئے تھے۔ انہوں نے جو نظر ڈالی۔
بجلی گری۔ خاک ہو گئے۔ کچھ تھا ہی نہیں۔
(۷) یعنی کچھ ٹھوکرین لگائیں۔ الزام کر دیا۔ غرض کہ خوب گت
بنائی۔

نشد ہا شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب
سببشہ سے سرو سبز چہ بہار نغمہ ہے
(۱) ہم نشیں مدت کہہ کہ برہم کرنے بزم عیش و ورس
واں تو میرے نالہ کو بھی اعتسار نغمہ ہے
(۲) نغمہ کا وار کے مدد دیا اور دیرا روانی میں مشاہدہ ہے۔ ہی بہار

سے نغمہ کو جو ثبارِ نغمہ کہا ہے۔ پھر اس رعایت و تلازمہ سے شیشہ
مٹے کو سرو سے تشبیہ دی ہے۔ اور سرو کی تو صیف سبز ہے۔ اب
شیشہ مٹے سرو سبز جو ثبارِ نغمہ ہو گیا۔ اور جب شیشہ سرو سبز
ہے تو یہ سرو سبزی دلیل ہے کہ نشہ کما رنگ شاداب و تازہ ہے
اور باجے اسی شادابی اور سرو سبزی سے مست مسرت ہو کر
نغمہ سنج ہو گئے ہیں۔

(۱۲) یعنی "نغمہ بن جاتا ہے گردانِ نالہ میرا جائے ہے۔"

عرضِ نازِ شوخی و دنیاں، برائے خندہ ہے

(۱)

دعوئے جمعیتِ احبابِ جائے خندہ ہے

ہے عدم میں غنچہ جو عبرتِ انجمِ گل

(۲)

یک جاں زانو تال در قہمانے خندہ ہے

کلفتِ افسردگی کو عیشِ بے تابی حرام

(۳)

ورنہ دنیاں و زولِ افشردن بجائے خندہ ہے

سیورِش باطن کے ہیں احبابِ منکر و دنیاں

(۴)

دل محیطِ گریہ و لبِ آتشنائے خندہ ہے

(۱) "عرض" اظہار۔ "تازہ" خوبی۔ "دنیاں" اور جمعیتِ احباب میں

رعایت ملحوظ ہے۔ یعنی دانتوں کی خوبی کا اظہار ہنسی پر موقوف

ہے۔ یا ہنسی میں دانتوں کی خوبی ظاہر ہوتی ہے اور احباب

ہنسنے پر لہنے کے لئے جمع ہوا کرتے ہیں گویا یہاں جمعیت کا

مقصد ہنسنے ہوتا ہے اور وہاں ہنسی میں خوبی ظاہر ہوتی ہے۔

دونوں کی حقیقت ہنسی پر ہے۔ یعنی معنی کے استہزا اور ہج

یہ ہے کہ اس جہیت عالم پر تفریق پہنستی ہے۔

(۲) غنچہ جب کھل گیا۔ پھول ہو گیا۔ گویا غنچہ کا وجود نہ رہا۔ عدم میں چلا گیا اب اس جہان میں غنچہ پھول کے اس انجام پر کہ اب یہ کیفیت بھی نہ رہے گی اور مڑ جھا کر خاک میں مل جائے گا۔ محو عبرت ہے۔ دوسرے مصرعہ میں زانو سے محویت کا اور مثال سے عبرت انجام کا اشارہ ہے۔ مطلب ہے کہ ہر مقدمہ ایش اور ہر ختم و مسرت ایک زانو سے فکر انجام اور ایک جہاں محویت عبرت رکھتا ہے۔ گویا بے تعداد مصیبتوں کے بعد ایک معمولی اور فانی مسرت پیسر آتی ہے یا عالم عدم سے ایک ایسا وجود پیدا ہوتا ہے جو معدوم ہونے والا ہے اور یہ مثال ہے۔

ارکان بین العدین کی۔

(۳) کلفت افسردگی "افسردگی کی تکلیف" عیش بیتابی۔ بیتابی کی راحت۔ یہ ظاہر ہے کہ افسردگی اور بے دلی کی کلفت سے بیتابی واضطراب کا منہ گامہ ہوتا ہے۔ افسردگی کی پٹانا امیہ پر ہوتی ہے اور بیتابی کا جوش امیہ پر۔ عیش کی طلب خواہ بیتاب کر دینے والی ہی کیوں نہ ہو عیش ہے۔ اور نا امیدی کی محرومی خواہ صورت سکون ہی کیوں نہ ہو کلفت ہے۔ ورنہ دل افسردن سے بیتابی مراد ہے۔ اور بعضی طور پر یہ کہ جب دل میں گڑبڑیں گے تو زخم ہو جائیں گے اور شکات زخم کی تشبیہ بنتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بیتابی جس کو زناں درد دل افسردن اور کلفت ہے۔ اس لئے عیش ہے۔ اور عیش بیتابی

کلفتِ افسردگی کو حرام ہے۔ یعنی کلفتِ افسردگی کو بیابانی اور غم بھی میسر نہیں ہوتے بلکہ یکسر لہجہ جاوید ہوتی ہے۔
 (۴) ”سوزِ نیشِ باطن“ سوزِ نہاں۔ اس شعر میں لطف یہ ہے کہ
 ۱۔ میں سوزِ نہاں اور دل محیطِ گریہ میں ڈوبا ہوا دو ضدیں جمع
 کر دی ہیں۔ مطلب ہے کہ سوزِ غم نے ہمارے دل کو بھر گریہ
 نہیں ڈلو دکھا ہے گو ہماری صورتِ بشاشت ہے۔

۱۔ آئینہ زانوئے فکرِ اشعارِ جلوہ ہے	۲۔ چشم و اگر دیدہ آغوشِ دواغِ جلوہ ہے
-------------------------------------	---------------------------------------

(۱) ”حسن بے پروا“ معشوقِ بے پروا کا ”متاع“ جنس۔ خریدار
 کی رعایت ہے۔ جلوہ سے نمود و نحوہ نمائی مراد ہے۔ اور خود نہائی
 بغیر خود آرائی کے نامکن ہے۔ لہذا آئینہ میں بناؤ سنگھار ہو رہا
 ہے۔ زانو کو شعراء آئینہ لکھا کرتے ہیں۔ آرائش کی طلب اور
 آئینہ کی ضرورت کی مناسبت زانو کے ساتھ فکر کا اضافہ کیا ہے
 گویا آئینہ کی احتیاج زانو سے فکر ہے مطلب ہے کہ وہ حسن
 بے پروا خود آرائی پر مائل ہوا ہے۔ اور آئینہ زانوئے فکر بن گیا
 ہے اور طرح طرح کے آرائش و نمود کے طریقے سوچتا اور ایجاد
 کرتا ہے۔

(۲) ”تا کجا“ کب تک۔ ”آگہی“ عقل۔ ”رنگِ تماشا با ختن“ بدل
 جانے والے رنگوں اور انقلاب پذیر صورتوں کا نظارہ تماشا
 مراد ہے۔ چشم و اگر دیدہ کھلی ہوئی آنکھ۔ آغوشِ دواغ کی تشبیہ
 ہے مطلب ہے کہ اسے عقلِ نظارہ عالم میں کب تک مہلت

ہے گی۔ بس یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عالم کو قیام و ثبات نہیں
اس پر آنکھیں کھولنا۔ بدل جانے والے منظروں کے لئے آغوش
دور کے مثل ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے منظر بدل جاتا ہے۔

۱	جب تک وہاں زخم نہ پیدا کرے کوئی	۱	مشکل کہ تجھ سے راہ سخن و اگرے کوئی
۲	عالم غبار و حشت جنوں ہے سر بسر	۲	کب تک خیالی طرہ لیلہ کرے کوئی
۳	افسردگی نہیں طرب انشاء التفات	۳	ہاں درد و بکے دل میں گر جا کرے کوئی
۴	رونے سے اسے نیم، ملاست نہ کر مجھے	۴	آخر کبھی تو عقدہ دل واکرے کوئی
۵	چاک جگر سے جب رہ پریش نہ واہوئی	۵	کیا فائدہ کہ حبیب کو رسوا کرے کوئی
۶	نحت جگر سے ہے رگ ہر خار شلیخ گل	۶	تا چند باغبانی صحر اکرے کوئی
۷	ناکامی نگاہ ہے برقی نظارہ سوز	۷	تو وہ نہیں کہ تجھ کو تنہا شا کرے کوئی
۸	ہر سنگ و خشت ہے صدف گوہر شکست	۸	نقصان نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی
۹	سر بر ہوئی نہ وعدہ صبر آزا سے عمر	۹	فرست کہاں کہ تیری تنہا کرے کوئی
۱۰	ہے وحشت طبیعت اسجاد یا س خیز	۱۰	یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی
۱۱	بیکار ٹی جنوں کو ہے سر پیچے کا شغل	۱۱	جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسن فروغ شمع سخن و نور ہے اسد
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

۱۲

(۱) یعنی جب تک تیغ عشق سے زخمی نہ ہو۔ یا جب تک غم عشق دل
کو زخمی نہ کر دے اس سے بات کرنی ناممکن ہے۔ گویا تجھ سے
ہم کلامی کے لئے یہ وہن نہیں بلکہ وہن زخم کی ضرورت ہے۔
(۲) مقصود کلام "طرہ لیلہ" کا استعارہ ہے، اسی کی رعایت تلخی
سے جنوں "استعمال کیا ہے لفظ "لیلہ" کا مفہوم محض معشوق حقیقی

ہے ”طرہ“ نہایت و آرایش کی چیز ہے، اور اضافات حسن نہیں سے
ہے۔ بعض لوگ دنیا کو ”پر تو جمال الہی“ سمجھتے ہیں، گو یا ”کیلی“ ذات
اور ”طرہ“ لیلے ”پر تو ذات۔ کائنات کی بے ثباتی، اور اس کے تغیرات
بدیہی امور ہیں۔ ”وحشت بھی گریز و فراری کی کیفیت ہے۔ اس کے
موجودات بے ثبات کو بالفاظ دیگر ”غبار وحشت“ کہنا چاہیے۔ طلب
شاعر یہ ہے کہ اس عالم کے اشکال فانی اور آثا رہے بود کو ”غبار وحشت
مجنوں“ تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اس کو تجلیات ذات باقی ”طرہ“ لیلے
کیونکر قیاس کر لیں؟

(۳) ”طرب انشاء التفات“ التفات سے مسرت حاصل کرنا۔ یعنی
افسردگی اور بے دلی سے مسرت التفات حاصل نہیں ہوتی
ہاں درد کی کنجائش ضرور ہوتی ہے اور میرے دل افسردہ میں
کوئی درد ہی بن کر جگہ کر سکتا ہے۔

(۴) یعنی جگر شق ہو جانے پر تو کسی نے پوچھا نہیں۔ محض جیت گیا
پھاڑنے سے کیا فائدہ۔ معرفت کی رسوائی ہے۔

(۵) یعنی جگر کے ٹکڑے آنسوؤں میں نکل کر لوک خار میں چھڑ
گئے ہیں اور ہر کانٹا شلخ اور لخت جگر پھول معلوم ہوتے ہیں۔
دیکھئے کب تک یہ باغبانی صحرایہ ہوتی رہے گی۔

(۶) یعنی شدت نور کے بالمقابل آنکھیں خیر ہو جاتی ہیں۔ گویا جا
برق نظارہ سوز ہے۔ آفتاب سے کمال اشراق میں نگہ نہیں
ٹلائی جا سکتی۔ اس لئے کمال ظہور کو کمال خفا کہا جاتا ہے۔ پس اس
ذات انوار و تجلیات کو کون دیکھ سکتا ہے۔ یعنی خود آب و تاب جلوہ

نگاہ کو دیا۔ سے محروم کر دیتی ہے پھر تجھ کو کون دیکھ سکتا ہے۔
 (۸) مقصود کو گوہر مقصود، عام طور پر کہا جاتا ہے، یہاں مقصود
 جذبات کر کے محض گوہر استعمال کر دیا ہے اور شعر میں محض لفظی رعایت
 بھائے استدلال کے ہے۔ لڑکے دیوانوں کے پتھر مار رہے ہیں جس
 سے حاصل مقصود، شکست ہوتی ہے۔ یعنی یہ گوہر شکست
 صرف سنگ و خشت سے نکلتا ہے۔ تو گویا جنون سے معاملہ کرنے
 میں کوئی نقصان نہیں کہ ایٹم پتھر کے بدلے یہ موتی ہاتھ آتا ہے۔
 (۹) یعنی وعدہ صبر آزمائی مدت فرصت عمر سے طویل یعنی گویا زمانہ
 صبر طویل تھا اور عمر کم۔ پس اتنی فرصت کہاں کہ تیری کوئی تمنا کرے
 کیونکہ عمر تو آزمائش صبر ہی سے چلے ختم ہو جاتی ہے۔
 (۱۰) یعنی اس عالم ایجاب کی طبیعت میں یا امکانات کے خاصہ میں وحشت
 و بیگانگی ہے اور اس سے توقع رکھنی عجیب ہے۔ اور یہ وحشت
 و بیگانگی ایسا درد نہیں ہے جو کوئی پیپا کرے۔
 (۱۱) مفہوم یہ ہے کہ ایک ہتلائے الم، مشاغل الم پورے رہیں
 بھی بچو رہو، تو پھر کیا کرے!
 (۱۲) یعنی کلام میں اثر نہیں ہوتا۔ جب تک کہ دل میں درد نہ ہو۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی	۱	میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
شرع قاتلین پر مار سہی	۲	ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
چال جیسے کڑی کمان کا تیر	۳	دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
بات پرداں زبان کھتی ہے	۴	وہ کہیں اور سُستا کرے کوئی
بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ	۵	کچھ نہ سمجھ سندا کرے کوئی

۱۔ سنو گر بڑا کہے کوئی	۶۔ نہ کہو گر بڑا کرے کوئی
۲۔ روک دو گر غلط چلے کوئی	۷۔ بخش دو گر خطا کرے کوئی
۳۔ کون سے جو نہیں ہے عاجز	۸۔ کس کی حاجت روا کرے کوئی
۴۔ کیا کیا خضر نے سکنا کرے	۹۔ اب کسے مناسب کرے کوئی
<p>۱۰۔ جب توقع ہی اٹھ گئی غالب کیوں کسی کا نگہ کرے کوئی</p>	
<p>(۱) یعنی ہمیں کیا کوئی اعجاز عیسوی رکھتا ہے تو رکھا کرے ہمارے درو کی لگر کوئی دوا کرے تو ہم اس سبھا سمجھیں۔ (۲) یعنی شرع اور قانون پر فیصلہ تو ہو جائے لیکن جو قتل کرنے میں وہ آلات ہلکے ہی استعمال نہ کرتا ہو جو قانونی گرفت میں آسکیں تو ایسے قاتل کا کوئی کیا کر سکتا ہے۔ (۳) کڑی کمان کے تیرے سے تیز رفتار می کی تشبیہ دیتے ہیں۔ یعنی بے جھجک۔ بے محابا۔ زود خرام۔ جو گزر گاہ کے فریادیوں کی فریاد بھی نہ سنتا ہو۔ اور جو سوراہ کے بسلوں پر نظر بھی نہ ڈالتا ہو بلکہ مسرورانہ گزر جاتا ہو۔ ایسے کے دل میں کوئی کیا جگہ پیدا کر سکتا ہے یا ایسے کے دل میں جگہ پیدا ہو تو بات ہے۔ (۴) یعنی خود آب حیات پی لیا۔ اور سکنا رو کو محروم رکھا۔ جب خضر جیسے شخص نے یہ کیا تو کسی دوسرے رہنما سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (۵) یعنی جب امید ہی نہیں تو شکایت کیسی۔</p>	
۱۔ غلام ساقی کو ٹرہوں مجھ کو غم کیا ہے	۲۔ بہت سہی غم گیتی، شراب کم کیا ہے
۳۔ تمہاری طرز روش جانتے ہیں ہم کیا ہے	۴۔ رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

سخن میں خامہ غالب کی آتشیں نشان
یقین ہے سب کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے

(۱) یعنی کتنا ہی غم روزگار کیوں نہ ہو ساقی کوثر کا غلام ہوں۔ شراب
بہشت جس میں سرورِ خلد کی کیفیت ہوتی ہے (کا ایک کھونٹا سارا
افکار زمانہ کو بھلا دے گا۔

(۲) یعنی تمہاری عادت ہم خوب جانتے ہیں کہ ہمیشہ جھوٹے
مرد عیانِ عشق کی قدر کرتے ہو۔ یا ہمارے دکھانے اور ستانے کو اور
پر مہربانیاں کرتے رہتے ہو۔ پس رقیب پر اگر مہربانی ہے تو یہ
کوئی نئی بات نہیں۔

(۳) یعنی غالب کے کلام سے سوزِ عشق تو مترشح ہوا کرتا ہے مگر
اب وہ زمانہ سوز ہی کہاں۔

۱	بارغ پاکِ خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے	۱	سایہ شایخ گل، افعی نظر آتا ہے مجھے
۲	جو ہر تھنغ بہ سرِ چشمہ دیگر معلوم	۲	ہوں میں سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے
۳	مدعا محو تماشا شے شکستِ دل ہے	۳	آئینہ خانہ میں کوئی سنے باتا ہے مجھے
۴	نالہ سراپہ یک عالم و عالم کفِ خاک	۴	آسماں بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے
۵	زندگی میں تو وہ بھٹل سے اٹھا دیتے تھے	۵	دیکھو اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

(۱) "سایہ شایخ" اور "افعی" میں تشبیہ ہے۔ مطلب ہے کہ بارغ بھی
مجھے خفقانی سمجھ کر ڈراتا ہے اور سایہ شایخ گل افعی معلوم ہوتا ہے
"یہ" کا اشارہ بہت بے ساختہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ
"یہ سانپ" نکلا۔

(۲) "زہراب" آبِ حیات کا صن۔ جو ہر کو سبزہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔

اور تلوار کو زہر میں بھجایا کرتے ہیں۔ گویا زہر آب تیغ پر سبزہ چہر
 آگتا ہے۔ مطلب ہے کہ جس طرح سبزہ چہر سواٹے زہر آب
 تیغ کے کسی ہر چشمہ پر نہیں آگ سکتا۔ میری ہستی ممکنہ بھی
 ایسی ہے جس کی نشوونما سر زمین عادم و ملاکت پر ہوتی ہے۔
 (۴) دل کو آئینہ لکھتے ہیں۔ اس لئے بڑے ہوئے دل کے ٹکڑوں
 سے آئینہ خانہ مراد ہے۔ اور دل ٹوٹنا ناکامی کے اعتبار پر ہے
 مطلب ہے کہ مقصد تو پورا نہیں ہوا دل ٹوٹ گیا اور اب وہی
 مدعا لئے محروم اس آئینہ خانہ کی سیر کر رہا ہے۔

(۵) آپرند کو مشیت پر کہتے ہیں۔ لیکن قمری کارنگ چوں کہ خاکی
 ہوتا ہے اس لئے اس کو کف خاک یا کف خاکستر لکھا کرتے ہیں
 مصرعہ اولیٰ میں جو کف خاک سے اس سے عالم کے ہیج ہونے
 کا اشارہ ہے۔ اور اسی کف خاک کی رعایت سے قمری استعمال
 ہوا ہے۔ اور آسمان کو تحقیراً بیضہ قمری کہا گیا ہے۔ مطلب ہے
 کہ اس دنیا بے پُرساؤ کا حاصل غم ہے۔ دنیا ہیج و بے ثبات
 ہے اور یہ گنبد نیلی مسیری نگاہ میں بیضہ قمری سے نہ پاؤ
 وقوت نہیں رکھتا۔ جس سے فسادات غم پیدا ہوتے رہتے ہیں
 (۶) یعنی زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیا کرتے تھے۔ اب زبان
 سے تو کام چلتا نہیں دیکھئے نقش کون اٹھاتا ہے۔ کاش اب
 وہ ہاتھوں سے کام لیں۔

۱	معدی ہوئی ہے کو کیہ شہر یار کی
۲	جب اس کے دیکھنے کے لئے آئیں باطل
۱	اتراٹے کیوں نہ خاک سیریاہ گذار کی
۲	لوگوں میں کیوں نمود نہ ہوا لالہ زار کی

۳	بھوکے نہیں ہیں سیر گلستان کے ہم دلے کیونکر نہ کھائے کہ ہوا ہے بہار کی
---	--------------------------------------------------------------------------

(۱) کو کیہ گھوڑا۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان، لیکن پھر بھی کم نکلے

(۱)

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا ہے گا اس کی گردن پر
وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دمیدم نکلے

(۲)

(۳)

نکلنا خلی سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترسے کو چہ سے ہم نکلے

بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا
اگر اس طرہ پہنچ چشم کا ہیچ و خم نکلے

(۴)

(۵)

مگر لکھو اٹھے کوئی اس کو خط، تو ہم سے لکھو اٹھے
ہوئی صبح، اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشنائی
پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں حجام جم نکلے

(۶)

(۷)

ہوئی جن سے توقع خستگی کے وادیاں کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ ستم نکلے

محبت میں نہیں ہے فرق جیتنے اور مرنے کا
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فر پہ دم نکلے

(۸)

(۹)

کساں میخانے کا دروازہ غائب اور کہاں واعظ
ہر اتنا جانتے ہیں کل، وہ جانا تھا کہ ہم نکلے

(۱) یعنی اب بھی ایسی ہزاروں خواہشیں ہیں جن پر جان جاتی ہے اور گویا بہت سی آرزوئیں پوری ہوئیں لیکن موجودہ خواہشوں کے مقابلہ میں کم پوری ہوئیں۔

(۲) یعنی قاتل کے ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ میرا خون اُسکی گردن پر کیا رہے گا یہ تو یوں بھی آنکھوں سے ہٹا رہتا ہے۔ رونے میں نہ بہا قاتل نے بہا دیا۔

(۳) یعنی آدم کا غلہ سے نکلنا سنا ہی کرتے تھے۔ یا اس کو ایک ماڑے بعد ہو چکا ہے لیکن ہم پر یہ تازہ واردات ہے۔

(۴) یعنی آپ کو اپنی سرو قامت پر بہت ناز ہے۔ اگر زلف گرہ گیر کے بل نکل جائیں تب معلوم ہو کہ قامت دراز ہے یا زلف۔

(۵) یعنی اکثر لوگ اس کو نامہ ہائے شوق لکھواتے رہتے ہیں یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کون کیا لکھواتا ہے ہم صحیح ہی قلم لے کر پھر کرتے ہیں تاکہ لوگ ہمیں سے ان کو خط لکھائیں۔

(۶) یعنی اس زمانہ میں مینوشی میں ہم مشہور ہو گئے ہیں اور اب پھر وہ زمانہ آیا ہے کہ جام جمشید کے دور ہوں۔

(۷) یعنی ہمیں جن سے اپنے حال پر ملال یا اپنے ستمہائے عشق کے داد کی امید تھی وہ غم زمانہ یا جور افلاک سے ہم سے بھی زیادہ ستائے ہوئے نکلے۔

(۸) جیتے ہیں اور مرتے ہیں دونوں محاورے ہیں جن سے اہل زبان واقف ہیں۔ شعر حسن بیان کے اعتبار سے عظیم المثال ہے۔

(۹) یعنی یہ تو میں کہہ نہیں سکتا کہ ناہار میخانہ میں تھا یا میخواری کے

لئے جا رہا تھا لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب ہم میخانہ سے نکل رہے
تھے تو ذات شریف دروازہ پر ملے تھے۔

کوہ کے ہوں بار خاطر گریہ کیا ہو جائیے
بے تکلف اسے شرارت جیسے کیا ہو جائیے

(۱)

بیہوش آسان تک بال و پر ہے یہ کچھ قفس
از سر نو زندگی ہو کر رہا ہو جاوے

(۱) کوہ اور شرارت جیسے میں یہ رعایت ہے کہ کوہ پتھر ہے اور شرارت
پتھر سے نکلتا ہے گو یا شرارت پتھر کی سختیوں یا ٹکرائے کی مصیبت
سے نکلنے کے لئے پتھر سے جدا ہوتا ہے۔ مطلب ہے کہ اسے
شرارت جیسے تو تو پتھر کے دل میں جگہ پائے ہوئے تھا اور اسی
چوٹ اور سختی سے کیسا صاف نکل گیا ہم تو اگر تجھ سے بھی زیادہ
تیز رفتاری اور غیر نمایاں صورت حاصل کر لیں جب بھی اتنی آسانی
کے ساتھ ان سختیوں اور صعوبتوں سے چھٹکا نہیں پاسکتے۔
بلکہ جیسے ہمارے سے آواز کار جو عمل ہوتا ہے اور آواز واپس
آتی ہے ہم اگر مصائب سے نکلیں تو پھر انہیں کی طرف رجوع
ہونا پڑیگا۔ گویا کہ ہمارا بار غم ہمارے ہی نہیں اٹھا سکتا۔

(۲) ”کچھ قفس“ استعارہ ہے قفسِ عنصری یا جسمِ انسانی سے۔
بال و پر سے روح کی پرواز مبادیہ حیات کی طرف مراد ہے۔ مطلب ہے
کہ یہ قفسِ عنصری روح کے بال و پر کے لئے تنگ ہے اگر اس
سے رہائی مل جائے تو روح قصائے عالم ارواح کی طرف
پرواز کر جائے اور اپنے مبدیہ حیات میں پہنچ جائے۔ اس قفس

جسم سے نکلے تو از سر نو زندگی ہو جائے جیسے کہ پرند کی زندگی اناٹے سے نکلنے کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔	
۱ موریج شراب ایک شرعہ خوابناک ہے	مستی بہ فوق غفلت ساقی ہلاک ہے
۲ حبیب خیال بھی تیسے ہاتھوں سے چاک ہے	جز زخم تیغ ناز نہیں دل میں آرزو
۳	بوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اس۔ صہرا ہماری آنکھ میں یک مشت خاک ہے
<p>۱۱ محبوب کی چشم مخمور کو خوابناک بھی کہتے ہیں۔ یہاں غفلت کی لفظی رعایت بھی ملحوظ ہے۔ غالباً ساقی ساقی گری کرتے کرتے شدت نشاط میں سونے لگا اور اس نیند نے ایسا خماری پیدا کیا کہ مستی شراب سے بھی زیادہ دل فریبی پیدا ہو گئی گویا خود مستی اس اداسے خواب پر شمار ہونے لگی اور موریج شراب شرعہ خواب آلود بن گئی۔</p> <p>۱۲ یعنی سولے تیغ ناز سے زخمی ہونے کے دل میں کوئی آرزو ہی نہیں ہے۔ اور گریبان خیال بھی زخم کی طرح چاک ہو گیا ہے۔</p> <p>۱۳ کچھ نظر نہیں آتا "میں دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ بڑی سے بڑی چیز کی کوئی وقعت نہیں دو منبر سے یہ کہ جوش وحشت اس درجہ ہے کہ وسعت صہرا نا کافی ہے۔</p>	
۱ قیامت کشتہ لعل بتاں کا خواب سٹکیں ہے	لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گوارہ چلبانی
<p>۱۱ یعنی ہم ایسے رشک مسیحا کے ہلاک لئے ہوتے ہیں کہ اس عباد عیسوی ہم کو جلا نہیں سکتا۔ بلکہ ہمارے خواب سٹکیں کے لئے جنبش لب عیسیٰ گوارہ جنبانی کے مماثل ہے۔ کہ اور غفلت برپا ہے</p>	

آب سیلاب طوفان صراے آب ہے
 نقش پا، جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ ہے
 (۱)
 بزم مے وحشتگرہ ہے کس کی چشم مست کا
 شیشے میں نبض پری نہاں ہے موج بادہ سے
 (۲)

(۱) سیلاب سے یہاں سیل حوادث مراد ہے۔ اور طوفان صراے آب سے بارش میں رات کی گرج وغیرہ مقصود ہے۔ یا خود پانی کے جوش و خروش کی صدا میں انہیں صداؤں سے حوادث کی شدت اور تصادم و تصارب وغیرہ کی تشبیہ دی ہے۔ اور بادل جب زور شور سے گرجتا ہے تو لوگ کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں۔ یہاں جادہ کو انگلی سے اور نقش پا کو کان سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب ہے کہ نزولِ حوادث ایسے زور شور سے ہو رہا ہے۔ جیسے طوفان ابر و رعد آتا ہو یہاں تک کہ نقش پا نے بھی خون سے اپنے کانوں میں انگشتِ جادہ دے لی ہے۔

(۲) ہرن کی آنکھ اچھی ہوتی ہے اور اس کی وحشت مشہور ہے۔ شاید اسی قیاس پر شعرا کے یہاں آنکھوں کی وحشت وصف میں داخل ہو گئی ہے۔ ”پری“ ایک وجودِ دہمی ہے جس کے متعلق حسن اور انسانوں سے چھینا یا ور کیا جاتا ہے مطلب ہے کہ محفلِ شراب خدا جانے کس کی چشم مست کا وحشت کر رہے کہ موجِ شراب نبض پری کی طرح شیشہ میں چھپ گئی ہے

ہیں میں بھی تما شائی نیرنگ تماشا | مطلب نہیں کچھ اس سو کہ مطلب ہی ہرگز

(۱) یعنی میں تو صرف تماشا کی دلچسپی اور تفریحی سے لطف حاصل کرتا

ہوں۔ یہ غرض نہیں کہ تمنا پوری ہی ہو۔

سیاہی جیسے گر جائے دم تحریر کا غلہ پر ۱ مری قسمتیں یوں تصویر پر شہماں ہجر کی

(۱) یعنی میرے لہ ششہ تقدیر میں شب ہجران کا جو نقش ہے وہ ایسا ہے جیسے لکھتے لکھتے سیاہی قلم سے کاغذ پر گر جائے۔

ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک افعال ہے

(۱)

خوشی ز ریشہ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے

مکلف بر طرف ہے جانتاں تر لطیف بدخویاں

(۲)

بنگاہ بے حجاب ناز، تیغ تیز غرباں ہے

ہوئی یہ کثرت غم سے تلفت کیفیت شادی

(۳)

کہ صبح عید مجکو بار تر از چاک گریباں ہے

دل و دین نقد لا، ساقی سے گرسودا کیا چاہے

(۴)

کہ اس بازار میں ساغر سلیع دست گراں ہے

غم آغوش بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو

(۵)

چراغ روشن اپنا قلزم صرصر کا مرجاں ہے

(۱) گویا ہر نالہ ایک نے ہے اور ہجوم نالہ صد نیستاں ہے۔ اب جو

نالہ لب تک آتا ہے ایک ریشہ صد نیستاں کی حیثیت رکھتا ہے۔

”خس بدنداں ہونا“ اظہار عجز کرنا۔ مطلب ہے کہ نالوں کا ہجوم بھی

ہے اور حیرت کہ نالہ کرنے میں عجز ہے۔ چونکہ حیرت خاموشی کی

مقتضی ہے پس خاموشی ریشہ صد نیستاں کا تذکرہ کاوانتوں میں

لیکراظہار عجز کرتی ہے۔ اسی قسم کا ایک شعر اور گزشتہ حصہ ہے۔

نہ آئی سطوت قاتل بھی رافع میر نالوں کو لیا دانٹوں میں چوٹ کا ہوا ریشہ نیستاں کا

وہاں سطوتِ قائل اور یہاں جوہنِ حیرت کا مضمون ہے۔
 (۲) لطف و التفات میں نگاہیں چاہ ہوتی ہیں۔ نگاہِ محبوب کو تیغ لگاتے
 ہیں اس لئے بے حجاب نگاہ کو تیغ تیز عریان ہونا چاہیئے مطلب
 ہے کہ اُن کے ستم سے اُن کا کرم زیادہ اسبابِ قتل رکھتا ہے۔
 (۳) دوست گردان "علی سبیل الحب لیست۔ اس ہاتھ دو اُس ہاتھ کو۔
 یعنی ساقی سے اگر معاملہ سے خوشی کرنا ہے تو نقدِ دل و دین دے
 کر ساغرِ شراب خرید لے۔ کیونکہ بازارِ میخانہ میں جام سے ایسا
 سودا ہے جو یہی قیمت چاہتا ہے۔

(۴) تلامِ آب سے آندھی یعنی طوفان ہوا کو تشبیہ دی ہے اور
 چراغ سے مرجان کو۔ اور چراغِ روشن۔ غمِ عشق سے استعارہ ہے
 مطلب ہے کہ جس طرح تلامِ آب سے چراغِ مرجان گل نہیں ہوتا
 اسی طرح صرصرِ حوادث و آلام سے چراغِ عشق نہیں بجھتا گویا
 آغوشِ غم ہی میں عشاق کی پرورش ہوتی ہے۔

۱	نغمہ نشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے	۱	نگاہِ دل سے تری ہر دم سا نکلتی ہے
۲	خشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم	۲	صبا جو غنچہ کے پردہ میں جا نکلتی ہے
۳	نہ پوچھ سیتے عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ	۳	کہ زخمِ بددین در سے ہوا نکلتی ہے

(۱) نغمہ نشیوں سے یہاں ضبطِ آہ مراد ہے۔ یعنی آہیں رُک لی ہوتی
 ہیں۔ دہواں گھٹا ہوا ہے۔ اب جو معشوق کی نگاہِ دل میں اترتی
 ہے تو اس دھوئیں سے کاجل لگ جاتا ہے اور دل سے ہر دم
 لگائے ہوئے نکلتی ہے۔ خموشی سے اسی ادا کے پیدا ہونے کی
 طرف شعر میں اشارہ ہے۔

(۲) غنچہ کی بستگی کو تنگی خلوت سے تشبیہ دی۔ دبے اور بچنے سے پسینہ آجاتا ہے۔ مطلب ہے کہ صاحب خلوت غار غنچہ میں جا بھکتی ہے تو پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے۔ اور یہی پسینہ شبنم کہلاتا ہے۔
 (۳) وہ زخم جو سانس دینے لگے بہت مرگ ہے۔ اس زخم کو روزن در سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مطلب ہے کہ تیغ نگاہ کی تیر باریاں کہ کیا پوچھتے ہو جس نے زخم کو ہوا دار روزن بنا دیا ہے۔

جس جا نسیم شاد کشن زلف یا ہے	۱	نافہ دماغ آہوئے دشت تار ہے
کس کا سلاخ جلوہ ہے حیرت کو بجا	۲	آئینہ فرش شمش جوت انتظار ہے
ہے ذرہ ذرہ تنگی جاہ سے غبار شوق	۳	گر دام یہ ہے وسعت صحر اشکار ہے
دل مدعی و دیدہ بستاند عا علیہ	۴	نظارے کا مقدمہ پھر رو بکا ہے
چھڑ کے ہے شبنم آئینہ برگ گل پر آب	۵	اے عندلیب قمت و دارع ہمار ہے
بیج آپڑی ہے وعدہ دلہا کی مجھے	۶	وہ آئے یا نہ آئے یہ یاں انتظار ہے
بے پردہ سوئے وادی مجنوں گزرنہ کر	۷	ہر ذرے کے نقاب میں دل میقرار ہے
اے عندلیب یک کفین غص ہر اشیا	۸	طوفان آہ آید فصل ہمار ہے
دل مرگ گنوا، خبر نہ سہی سیر ہی سہی	۹	اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے

غفلت کفیل عمر و اسد صا من نشاط
 اے مرگ گنوا، خبر نہ سہی سیر ہی سہی

(۱) معشوق کی زلفوں میں نسیم کے سراپت ہونے کو شاد کشی سے تعبیر کرتے ہیں۔ مطلب ہے کہ جہاں نسیم زلفوں سے مشکبو ہو کر چلتی ہو۔ وہاں شامہ آہو مشک بن جاتی ہے اور دماغ آہو نافہ۔
 (۲) حیرت اور آئینہ کی رعایت ظاہر ہے مطلب ہے کہ اے خدا

حیرت کو کس کے جلوہ کی تلاش اور کس کا انتظار و سراغ ہے
کہ سارا عالم آئینہ بنا ہوا ہے۔

۱۳) جوش شوق۔ دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا ہے اور دیوانگی
شوق نے خاک اڑانی شروع کی ہے۔ صحرا میں جگہ کم ہے اس
لئے غبارِ ذرہ کے برابر ہے۔ اور جگہ حلقہٴ دام کے برابر مطلب ہے
کہ اگر ایسی تنگی جا ہے تو ایسی حلقہ میں تمام غمراہ کی وسعت شکا رہو
جاسٹکل۔ گویا تمام صحرا ایک حلقہٴ دام ہو جائے گا۔ جس میں
دیوانگی شوق کی خاک اڑانے کی حسرت پوری نہ ہوگی۔

۱۴) یعنی دل نے آنکھوں کو الزام دیا ہے کہ انہوں نے ویدار
کر کے اس مصیبت عشق میں پھنسا دیا۔

۱۵) سفر کے وقت آئینہ پر پانی چھڑکنے کی کوئی رسم ہے۔ اُسی
تلازمہ سے آئینہ برگ گل پر آپ شبنم گویا بہار کی علامت سفر ہے۔
۱۶) ہر ذرہ کے نقاب میں یا ہر ذرہ کے لباس و شکل میں ایک
ایک دل بیقرار ہے گویا ساری دادی جذبات عشق مجنوں سے
معمور ہے۔ یہی کو بے محابا اور بے پردہ نہ جانا چاہئے۔

۱۷) یعنی اسے عن ریب ایک کفِ خس لاکر آشیان بنائے ورنہ
جوش بہار سے ہر خس شاخ گل ہو جائے گا یا اسے عن ریب تو
ایک کفِ خس کا آشیان بنا رہی ہے اور اس جوش بہار میں جبکہ
سارا زمانہ گلستان ہو گیا ہے تو نے شاخمائے گل سے اپنا
آشیانہ نہ بنایا۔

۱۸) "خبر" یہاں بمعنی علم و معرفت ہے دل میں انوار و تجلیات کا پرتو

ہوتا ہے۔ دل کو آئینہ کہا جاتا ہے۔ اور اس پر تو تجلیات کو تمثال سے تعبیر کیا ہے۔ مطلب ہے کہ شکستہ خاطر نہ ہو اور آئینہ دل کو ضائع نہ کر۔ معرفت نہ سی۔ اسے کم عقل اور کم ذوق پر تو تجلیات کی سیر کر لے۔

(۱۰) عیش و غفلت یا مستی و بے خبری میں عمر طبعی کے ہی بھی اگر موت آئے تو مرگ ناگہاں معلوم ہوگی۔ یہی مطلب ہے کہ غفلت عمر سے وابستہ ہے۔ اور میں نشاط و مستی میں جھو ہوں اسے مرگ ناگہاں اب تجھے کیا انتظار ہے۔ کیونکہ تیری ناگہانی کے اسباب جمع ہیں۔

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے	۱	ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
حسرت نے لار کھا تری بزم خیال میں	۲	گلدستہ نگاہ سویدا کہیں جسے
پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اچھا	۳	افسوس انتظار تمنا کہیں جسے
سر پہ بجوم در و غریب سے ڈالنے	۴	وہ ایک مشت خاک کہ صحر کہیں جسے
ہے چشمِ تر میں حسرت دیدار سے نہا	۵	شوقِ عشاں گسیختہ دریا کہیں جسے
درکار ہے شگفتن گھماٹے عیش کو	۶	صبح بہار پلنسپتہ دینا کہیں جسے

غالب بڑا نہ مان جو واعظ پڑا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

(۱) یعنی تجھ جیسا کوئی حسین تو ہے نہیں۔ آئینہ تیرے ہاتھ میں ویٹے دیتا ہوں تاکہ تو خود حیران و تماشا ہو جائے۔

(۲) دل کے نقطہ سیاہ کو سویدا کہتے ہیں۔ آنکھ کی پتلی اور سویدا میں تشبیہ ہے۔ عاشق کا دل آئینہ خیالی ہوتا ہے جس میں محبوب

مست نشین رہتا ہے۔ گلارستہ بھی لوازماستہ بزم میں سے ہے سو یاد
چشم خیال میں سے سینکڑوں حسرت بھری نگاہیں شوق دیدار میں
بیکل رہی ہیں۔ جن کو گلارستہ سے تشبیہ دی ہے گیایا یہ گلارستہ
حسرت نے اس کے بزم خیال میں لا کر رکھ دیا ہے۔

(۳) "کان میں افسوں پھونکنا" محاورہ ہے جس کے معنی آمادہ
کرنے اور ہم خیال بنالیتے کے ہیں۔ مطلب ہے کہ خدا جانے یہ
افسوں انتظار جس کو تمنا کہنا چاہئے محبت کے کان میں کس نے
پھونک دیا ہے کہ محبت یکسر انتظار و تمنا ہو گئی ہے۔

(۴) "خاک بر سر کردن" فارسی محاورہ ہے جس کے معنی بھلا دینے
کے ہیں۔ مطلب ہے کہ غربت اور آوارہ وطنی کے و فریغ سے
سارے صحرایں خوب خاک اڑائی۔ صحرایہ و فور اور ہجوم غم
کے مقابلہ میں ایک مشیت خاک سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا
یہی مشیت خاک لے کر عزت کے سر پر ڈال دیتے ہیں۔ یعنی غریب
کے غم کو فراموش کر کے یہیں گھر بنائیے۔ دو سار پہلو یہ ہے کہ
ایسا ہجوم غم ہے کہ صحرایہ مشیت خاک معلوم ہوتا ہے جس
کو اپنے سر پر اس غم میں ڈالتا ہوں۔

(۵) "عنان گسیختہ" سے چلنے کے لئے پاک پھیرے ہوئے یعنی تیار۔
شوقِ عنان گسیختہ سے یہاں شوقِ مائل بہ گریہ مراد ہے۔ مطلب
ہے کہ حسرت دیدار سے ایک شوقِ گریہ بار آ نکھولیں میں موجزن
ہے۔

(۶) یعنی جس طرح پھول کھلنے کے لئے صبح بہار کی ضرورت ہے۔

اسی طرح گلابائے عیش کھلنے کے لئے سفیدہ پنبہ بیٹا ضروری ہے۔
(۱) یعنی واعظ کے بڑا کہنے کا بڑا نہ ماننا چاہئے۔ کیونکہ دُنیا میں
ایسا کوئی نہیں جس کو سب اچھا کہتے ہوں۔ اور اچھے سے اچھے
شخص کو کوئی نہ بڑا کہنے والا ضرور ہوتا ہے۔

۱	شبِ نیم بہ گل لالہ نہ خالی زاد ہے	۱	داغِ دل بیدار و نظر گاہِ حیا ہے
۲	دلِ خوں شدہ کشمکشِ سمرتِ دیدار	۲	آئینہ بدستِ بُت بدستِ حنا ہے
۳	شعلے سے نہ ہوتی ہویں شعلہ نے جلی	۳	جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے
۴	تمثال میں تیر ہی ہے وہ شوخی کہ بھاشق	۴	آئینہ باندازِ گل آغوشِ کشا ہے
۵	قمری کفِ خاکستر و بلبِ قفسِ رنگ	۵	اسے تالہ نشانِ جگر سوختہ کیا ہے
۶	خونے تری افسردہ کیا و حشتِ دل کو	۶	مشتوقی و بے وصلگی طسوفہ بنا ہے
۷	بجوری و دعوائے گرفتاری الفت	۷	دستِ سنگ آئندہ پیمانِ وفا ہے
۸	معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ	۸	یتیم ستم آئینہ تصویرِ مناس ہے
۹	اسے پر تو خورشیدِ جہاں تاباں اور بھی	۹	سائے کی طرح ہم یہ عجیب وقت پڑا ہے
۱۰	ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے	۱۰	یارِ بے اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب
کوئی نہیں پیرا تو مری جان خدا ہے

(۱) یعنی لالہ کے پھول پر شبِ نیم، سب سے وجہ نہیں، بلکہ اس سے یہ ظاہر
ہوتا ہے کہ یہ داغ جو درد نہیں رکھتا، اپنے بیدار ہونے پر
مجبور ہے، اور شبِ نیم قطرہ عرقِ شرم ہے!
(۲) بدستِ حنا "نشہ رنگِ حنا میں پور"۔ اپنے ہاتھ میں شوخی
رنگِ حنا، دیکھ کر مفرور ہو جانے والا۔ دلِ خوں شدہ، اور شوخی

رنگ حنا میں، رنگ وجہ شبہ ہے۔ دل، اور آئینہ کی رعایت
 ظاہر ہے۔ مطلب ہے کہ ایک ہمارا آئینہ دل ہے، کہ کشمکش حسرت
 دیدار میں خون ہو رہا ہے، اور ایک وہ بھی آئینہ ہے جس کو وہ
 خود اپنے حنا لیدرہ ہاتھ میں لئے ہوئے دیکھ رہے ہیں یا
 (۳۳) یعنی اس افسردگی پر، کہ سوز عشق میں اشتعال و جوش نہیں،
 اور جی بجھ سا گیا، دل بہت ہی جلتا ہے، اتنا جلتا ہے کہ خود
 سوز عشق سے بھی شاید اتنا نہ جلتا!

(۳۴) یعنی تیرے عکس عارض، اور پر تو رخسار سے آئینہ گلابی ہو گیا
 ہے، اور ذوق و شوق، میں گل کی طرح آغوش کشا معلوم ہوتا، اور
 تیرا سراپا اس آغوش شوق میں نظر آتا ہے!

(۳۵) نالہ سے عشق مراد ہے۔ قمری، بلبل، اور جگر، تالوں کے مختلف
 پیکر ہیں۔ قمری کو فارسی والے بالعموم کف خاکستر کہتے ہیں۔
 بلبل قفس رنگ یعنی بلبل مبتلائے عشق نگل۔ رنگ سے رنگ گل
 مفہوم ہے۔ مطلب ہے کہ۔ "عشق، تیری جو کھٹ خاکستر ہے
 اور بلبل بس کو قفس رنگ کہنا چاہئے، تیرا آزاد، اور دل۔
 عشق میں مشہور ہیں، مگر ہمارا جگر جو رنگ خون بھی رکھتا تھا، اور
 جس کو تو نے جلا کر خاکستر بھی کر دیا، اس کے محبوب و مطلوب کا
 کوئی نشان نہیں!

(۳۶) وحشت دل سے دیوانہ پن کی اُنک مراد ہے۔ مطلب ہے
 کہ تیری بد خوئی اور برہمی مزاج نے دل بچھا دیا۔ اور یہ ہے۔
 معشوق شوق و عاشق دیوانہ چاہئے، ورنہ معشوق کی بے چوہگی

بڑی مصیبت ہوتی ہے!
 یعنی، عشق پر تو اختیار نہیں، کیونکہ یہ تو وہ آتش ہے کہ لگائے نہ
 لگے، اور بجھائے نہ بجھے۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم نجات کرتے ہیں
 اور عہدِ وفا سے ہاتھ نہیں اٹھاتے، درآئیکہ پتھر کے نیچے ہاتھ
 دب گیا ہے، اور فرماتے ہیں کہ ہم خود نہیں نکالتے!
 (۷) یعنی تیغِ ستم آئینہ ہے، جس میں پچھلے مقتولین کی صورتیں نظر
 آتی ہیں۔

(۸) سایہ کی افتادگی سے وقت پڑنے کی تمثیل و تشبیہ ہے۔ آفتاب
 کے سامنے سایہ نہیں بھڑکتا، اپنے لمبائے کرم، کو پر تو خورشید
 جہاں تاب کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

منظور ہستی یہ شکل تجلی کو نور کی	۱	قسمت کھلی تھے قد رنج سے ظہور کی
اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤں میں	۲	پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ ہور کی
واعظانہ تم پیو، نہ کسی کو پلاسکو	۳	کیا بات ہے تمہاری شراب ظہور کی
رطنا سے مجھ سے شہر میں قاتل کیوں اٹھا	۴	گویا ابھی سنی نہیں آوازِ صویر کی
آبد ہمار کی ہے کہ بیل ہے نغمہ رنج	۵	اڑتی سی اک خبر ہے نہ بانی طیور کی
گوواں نہیں، پتہاں کے نکالے ہوئے تو ہیں	۶	کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہو دور کی
کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب	۷	آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طیور کی
گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر	۸	کی جس سے بات اُس نے شکایتِ ضرور کی

غالب گرا اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں

حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

(۱) یہ شکل کا اشارہ سراپائے حضورِ رسالت کی جانب ہے۔ ”تجلی“

جلوہ آرائی۔ مطلب ہے کہ مشوق حقیقی کو اپنے انوار کی جلوہ آرائی یا جمال تمنائی یا بنمود اس شکل اقدس میں منظر پیش اور آپ کے قدیم زیبا اور روئے تاباں سے ظہور کی قسمت کھل گئی۔

(۴) کفن جیسا سادہ لباس اس پر خون شہادت کی افشاں۔ اسی میں کروڑوں بناؤ ہیں کہ تیرے شہید پر حوروں کی لہجائی ہوئی ہو گئی ہیں پڑتی ہیں۔

(۵) کیا بات ہے تمسخر اور استہزا کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اوسے معنی بھی مترشح ہو گئے ہیں کہ ایسی شراب کا ذکر ہی کیا جو نہ خود پیتے ہو نہ کسی کو پلاتے ہو۔

(۶) قائل کا مزاج ایسا لاڈبالی ہے کہ صور کی آواز بھی نہ سنی یا اس کے لاڈبالی پن پر طنز کیا ہے کہ ابھی تک قائلانہ غرور باقی ہے۔ کہ آواز نہ سونے نہیں سنی۔ اور یہ نہیں معلوم کہ وقت داد و فریاد ہے خواجوں کو مجرم کی حیثیت سے خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ (۷) بلبلوں کے نغمہ سنجی کی آواز جو کان میں آئی ہے اس کو اڑتی سی خبر زیبانی طیور کی کہا ہے اور خوب کہا ہے۔

(۸) یعنی یہ فرض نہیں ہے کہ وہ سب سے ان ترائی فرماتے ہیں آؤ ہم بھی قسمت آزمائی کر لیں۔

(۹) یعنی زبان میں اتنی شوخی و طعاری نہ ہوئی چاہیے کہ جو منہ میں آئے وہ کہہ ڈالیں اس سے جو کوئی بات کرتا ہے اس کی بازتابانی کی شکایت ضرور کرتا ہے۔

- غم کھانے میں یُدوا دل ناکام بہت ہے
(۱) یہ کہ رنج، کہ کم ہے مئے گلفام بہت ہے
- نکتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
(۲) سے یوں کہ مجھے دُرودتہ جام بہت ہے
- نے تیرکیاں ہیں سے نہ صباؤ کیوں ہیں
(۳) گوشہ میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
- کیا زُبد گویاؤں کہ نہ ہو، مگر چہ رہا
(۴) پاواشنِ عمل کی طمع حسام بہت ہے
- ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں
(۵) پابستگی رسم و رو عام بہت ہے
- زمزم ہی پہ چھوڑو، مجھے کیا طوفانِ حرم سے
(۶) آلودہ پہ مئے جامۂ احسان بہت ہے
- مے قدر گرا اب بھی نہ بنے بات، کہ اُن کو
(۷) انکارِ نسیم اور مجھے ابرام بہت ہے
- خوں ہو گئے جگر آنکھ سے پکا نہیں لے کر
(۸) پہننے دے مجھے یال کہ ابھی کام بہت ہے
- ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
(۹) شاعر تو وہ اچھا ہے یہ بدنام بہت ہے

(۱) یعنی دل غم کھانے میں بدست کمزور ہے۔ شراب کی کمی کا غم بھی اس کے لئے بہت ہے۔

(۲) دُرودی کش "اُن سے نوشوں کو کہتے ہیں جو پلچٹ تک نہیں

چھوڑتے۔

(۳۳) یعنی قفس گوشت عافیت تو ہے کہ نہ پتر کمان میں نظر آتے
ہیں نہ صیاد تاک میں۔

(۳۴) یعنی میں زہد کی وقعت کیا کروں۔ ریائی نہ بھی سہی اور لادگوں
کے لئے دام تزدیر نہ بھی ہو۔ پھر بھی اجر آخرت کا لالچ خلوص
کے منافی ہے۔

طاعت میں تا ہے نہ سے وانگیں کی لاگ

دو نرخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

(۳۵) یعنی وہ لوگ جن کو اس دنیا میں اپنی ہوشیاری اور عقل کا
دعویٰ ہے نہیں معلوم کس روش خاص پر نازاں ہیں۔ کوئی
خصوصیت تو نظر نہیں آتی۔ سب کے سب رفتار زمانہ کے
پیرو اور رسم و رواج کے حلقہ بگوش ہیں۔

(۳۶) "ابرام" اصرار۔

(۳۷) یعنی ابھی گریہ میں جگر کا خون بہا دینے کا کام میرے ذمہ باقی ہے۔

مات ہوئی ہے یار کو مہاں کئے ہوئے

(۱)

جوش قدح سے بزم چیراغاں کئے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر سب گریخت لخت کو

(۲)

عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کئے ہوئے

پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم

(۳)

برسیوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

(۳۴) پھر گرم نالہ ہائے شہر بار ہے ففس

مدت ہوئی ہے سیر چراغاں کئے ہوئے

پھر پرستش جبرائیل کو چلا ہے عشق
(۵) بسا ماں صد ہزار نمسکداں کئے ہوئے

پھر بھر رہا ہے خامہ مشگاہ بخون دل
(۶) ساز چمن طرازی داماں کئے ہوئے

باہم گر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
(۷) نظارہ و خیال کا ساماں کئے ہوئے

دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے
(۸) پستار کا صنم کدہ، ویراں کئے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہے خیریدار کی طالب
(۹) عرض متاع عقل و دل و جاں کئے ہوئے

دوڑے ہے پھر سہرا یک گل و لالہ پر خیال
(۱۰) صد گلستاں بنگاہ کا ساماں کئے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کھولنا
(۱۱) جاں نذر دلفریبی عنوان کئے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس
(۱۲) زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
(۱۳) سرمہ سے تیز و تشنہ مشگاہ کئے ہوئے

اک لڑبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
(۱۴) چہرہ فروغ سے سے گلستاں کئے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے ہیں
سر زریہ بارِ منیت دریاں کئے ہوئے

(۱۵)

جی ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کے برادن
بیٹھے ہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

(۱۶)

غالب ہیں نہ چھپرے کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کئے ہوئے

(۱۷)

(۱) جوشِ قدس "ساغر کے متواتر دور۔ شراب کو آتش اور آتشین
کہتے ہیں اس لئے ساغر کی چراغ سے تشبیہ ہے۔

(۲) یعنی جگر کے ٹکڑے جمع کر کے اب پھر مرزاگانِ یار کی دعوت
کرتا ہوں۔

(۳) یعنی پاس وضع اور ضبط سے دم گھٹا جاتا ہے۔ طبیعت
الچلتی ہے۔ مدت سے گریبان چاک نہیں کیا۔

(۴) نالہ کا وصف شعرا کے یہاں شرر ہاری مسلم ہے۔ چراغاں
اور نالہ میں شرر ہاری مشترک و مشابہ ہے۔

(۵) یعنی عشق اس قدر استقامت سے جراحتِ دل کی پرسیش کو چلاتا
گو یا عشق کے پڑنے زخموں میں پھر تازگی اور لذت پیدا ہو رہی ہے۔

(۶) چمن طرازی سے نقش و نگار بنانے مراد ہیں۔ یعنی مرزاگان
خون فشاں سے دامن کو گلستان بنانے کی تیاری ہے۔

(۷) آنکھ نظارہ کا سامان کر رہی ہے اور دل وصل کا خیال کرتا
ہے۔ دونوں آپس میں رقیب ہو گئے ہیں۔

(۸) "پندار" نیکی یا نیک کرداری سے نفس میں غور پیدا ہوتا ہے۔

لوگ اُس کو اچھا سمجھتے اور وہ خود کو اچھا جانتا ہے۔ اس کیفیت کو
 پندار کہتے ہیں۔ یہ غیریت اور خودی کے بتوں کا مجموعہ ہے۔ کیونکہ
 ہر وہ وجود جو خدا کے سوا ہو صنم ہے۔ اسی لئے پندار کا صنم کدہ
 لکھا ہے۔ اس کے برعکس جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور
 جس کے عیوب پر نکتہ چینیاں ہوتی اور ملامت کی جاتی ہے
 اُس شخص کے دل میں شرمندگی انکسار اور رجوع و خشوع
 کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں۔ پس صنم کدہ پندار کے
 بالمقابل کوئے ملامت یقیناً کعبہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مطلب
 ہے کہ عاصیوں کا خانہ سیاہ پوش عصیاں جو کہ کوئے ملامت
 میں ہے صنم کدہ پندار ویران کر کے دل اُسکی طرف جاتا ہے۔
 (۹) یعنی پھر عقل و دین اور دل فروشی کا بازار گرم اور شوق کسی
 خریدار طرح دار کا منتظر ہے۔

(۱۰) گویا ہر نگاہ میں ایک ایک سبز باغ تمنا کا سامان ہے اور خیال
 یار بار گل و لالہ (معشوقوں سے ہتھارہ ہے) پر دوڑتا ہے۔
 (۱۱) یعنی معشوق کا ایسا خط کھولنا چاہتا ہوں، جس کا عنوان ہی
 ہر طعہ کر جان نذر کردوں۔

(۱۲) ”گو بہار ناز“ جس کے خن میں تازہ تازہ یا پہلے پہل بہار آئی ہو۔
 ”چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے“ یعنی سرورِ نشاط
 مے سے چہرہ شاداب و تاباں کئے ہوئے۔

(۱۵) یعنی دل چاہتا ہے کہ کسی معشوق کے دروازہ پر دربان کے
 قدموں پر سر رکھ کر خوشامد کرتے رہیں اور پٹے رہیں۔

(۱۶) یعنی دل ایسی فرصت کا طالب ہے کہ دن رات تصورِ جاناں کے سوا کوئی دوسرا شغلِ زندگی ہی نہ ہو۔
 (۱۷) یعنی جوشِ اشک سے ایک دریائے متلاطم بہا دینے کا ارادہ کئے ہوئے ہے۔

- نویں امن ہے پیدا دوستِ وہاں کے لئے
 (۱) رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لئے
- بلا ہے گر مثرۂ یارِ تشنہ خوں سے
 (۲) رکھو کچھ اپنی بھی پہر گاہِ خوں نشاں کیلئے
- وہ زندہ ہم ہیں، کہ ہیں روشناسِ خلق اسے خضر
 (۳) نہ تم، کہ چوسنے عسکرِ جاوداں کے لئے
- رہا بلا میں بھی، میں مبتلائے آفتِ رشک
 (۴) بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کیلئے
- فلک نہ دور رکھ اُس سے مجھے کہ میں ہی نہیں
 (۵) دراز دستیِ قاتل کے امتحاں کے لئے
- مثال یہ مری کوشش کی ہے اک مرغِ اسیر
 (۶) کرے قفس میں فراہم خسِ آشتیاں کیلئے
- گدا سمجھ کے وہ چپ تھا، مری جو شامت آئے
 (۷) اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے
- یہ قدر شوق نہیں طرفِ تنگنائے غزل
 (۸) کچھ اور چاہئے وسوت مرے بیاں کیلئے
- دیا ہے شعلِ کو بھی تا اسے نظر نہ لگے
 (۹)

بنا ہے عیشِ تجملِ حسینِ خاں کے لئے
زباں پہ بارِ خدا یا، یہ کس کا نام آیا
(۱۰) کہ میرے لطف نے بوسے مری زباں کیلئے

نصیرِ دولت و دیں، اور معینِ ملت و ملک
(۱۱) بنا ہے چرخِ بریں جس کے آستان کے لئے

زمانہ عہد میں اُس کے ہے محوِ آرایش
(۱۲) بنیں گے اور ستارے آبِ آسماں کے لئے

ورقِ تمام ہوا اور مدح باقی ہے
(۱۳) سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
(۱۴) صلائے عام ہے یارِ ان نکتہ واں کیلئے

(۱) "نویدا من" مژدہ امن یعنی تمام ستم شوق ہی ختم کئے دیتا ہے۔
اور فلک کو ظلم کرنے کا کوئی پہلو باقی نہیں رہتا اس لئے دوست کا
ظلم پیغام امن ہے۔ کہ جو چرخ سے مامون ہو گئے۔

(۲) یعنی اگرچہ معشوق کی مڑگاں بھی خونِ دل کی پیاسی ہے۔ مگر
مجھے گرہِ خونیں کے لئے خون بچا لینا ضروری ہے۔

(۳) یعنی چوری چھپے کا جینا ہی کیا۔ چاہے عمرِ جادواں ہی کیوں
نہ ہو۔ پس اے حضورِ زندہ تو ہم ہیں کہ ساری دنیا ہمیں پہچانتی
ہے اگرچہ عمر کم ہے۔

(۴) یعنی یہ دیکھنے کے لئے کہ تاتل کس قدر بڑھ بڑھ کر
قتل کرتا ہے مجھ کو قاتل سے دور نہ رکھ دراز دستی کا امتحان

دوسروں پر کر لے۔

(۵) یعنی رشاک ہے کہ تیرے ستم سارے زمانہ پر کیوں ہوں۔
مجھ ہی پر کیوں نہ ہوں۔

(۶) یعنی اس دنیا میں ہمارا دولت یا اسباب معیشت جمع کرنا
وہی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ ایک طائر گرفتار قفس میں آشیائے
کے لئے تنگ جمع کرے۔

(۷) یعنی پہلے تو وہ مجھے فقیر جان کر خاموش تھا۔ قسمت میں جو
دھکے کھانے تھے میں پاسبان کے قدموں پر گر پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ
ان کا عاشق ہے۔ اور گھر میں جانے کی اجازت چاہتا ہے
بس پھر کیا تھا۔

(۸) ”تنگ نائے“ پانی کا وہ محدود حصہ جو ساحل میں سے دور دور تک
گزرتا ہو۔ مطلب ہے کہ شوق کے مقابلہ میں غزل میں مضامین
نہیں سما سکتے۔ آپ قصیدہ کی روش اختیار کرتا ہوں۔

(۹) یعنی عیش بنا تو تجمل حسین خاں ہی کے لئے ہے۔ لیکن دوسرے
لوگوں کو بھی کچھ کچھ اس لئے مل گیا ہے کہ ان کے عیش کو نظر نہ لگے۔

(۱۰) شعر سابق میں تجمل حسین خاں کا نام آچکا ہے۔ پھر چارہ ہفتہ کے
اظہار کے لئے استفہام استعمال کیا ہے کہ یہ کس کا نام ہے۔ جو میری
قوت گویائی میری زبان کے بوسے لیتی ہے۔

(۱۱) نصیر دمعین کے معنی مددگار کے ہیں اور یہ عمدہ نام سے سلطنت کے
مصطلح نام ہیں۔

(۱۲) اس کے زمانہ میں سارے جہان پر رونق چھا گئی ہے اور تمام

دنیا آرائشوں میں مصروف ہے۔ کچھ تعجب نہیں کہ خرخ پیر کو
نئے ستارہ میسر آجائیں۔

(۱۳) ”ورق“ تختہ کا غذا اور کشتی۔ بھی تختوں کی ہوتی ہے۔
”بحر بیکراں“ وہ دریا جس کا کنارہ نامعلوم ہو۔ مطلب ہے کہ بحر
بیکراں درج کے لئے تختہ کا غذا تو ختم ہو گیا سفینہ چاہئے۔
(۱۴) یعنی اجباب کو اذن و صلا ہے کہ وہ بھی اس طرح طرح لکھا کریں
جس اواسٹے خاص سے غالب نے نکتہ سرایاں اور مضمون
آفرینیاں کی ہیں۔

غزلیات تمام

۴۰

قصائد قطعات

اور

متفرقات غالب

۴۰

قصیدہ اول

در منقبت

- (۱) سار یک وزہ نہیں فیض چین سے بیکار
سایہ لالہ بے داغ سویدائے بہار
- (۲) مستی یاد صبا سے ہے بعرض بہرہ
ریزہ شیشہ سے جو ہر تیغ کسار
- (۳) بہر ہے جام زمر کی طرح داغ پلنگ
تازہ ہے ریشہ نایب صفت رشے شرار
- (۴) مستی ایر سے گلچیں طرب ہے حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار
- (۵) کوہ و صحرا ہمہ مسموری شوق بلبلسل
راہ خوابید ہوئی خندہ گل سے بیدار
- (۶) سوئے ہے فیض ہوا صورت مرغانِ قیوم
سر نوشت دو جہاں ابر بیک سطر غبار
- (۷) کاٹ کر پھینکے ناخن تو باندازِ ہلال
قوتِ ناسیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار
- (۸) کف ہر خاک پر گردوں شدہ قمری پرواز
دام ہر کاغذ آتش زدہ طاؤس شکار
- میکرے میں ہو اگر آرزو سے گل چینی

بھول جایک قدح بادہ بہ طاق گلزار
موج گل ڈھونڈو بخت کدہ غنچہ بارغ
(۱۰) گم کرے گوشہ میخانہ میں گر تو دستار

کھینچے گرمائی اندیشہ چمن کی تصویر
(۱۱) سبزہ مثل خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار

لعل سے کی ہے پتے زمزمہ مدحت شاہ
(۱۲) طولی سبزہ کسار نے پیدا منتقار

وہ شہنشاہ کہ جس کی پے تعمیر سرا
(۱۳) چشم جہول ہوئی قالبِ شست دیوار

فلکِ العرش ہجومِ خم دوشِ مزدور
(۱۴) رشتہ فیض ازل ساز طناب معمار

سبزہ تہ چمن و یک خطِ پشت لب نام
(۱۵) رفعت ہمت صد عارف و یک اوج حصار

واں کی خاکشاک سے حاصل ہو جسے یک پرکاش
(۱۶) وہ رہے مرہ سہ بال پری سے یزار

خاک صحرائے بخت جو ہر سیر
(۱۷) چشم نقش قدم آئینہ بخت بیدار

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینہ تاز
(۱۸) گرد اس دشت کی امید کو احرام بہار

آفریش کو ہے واں سے طلبِ بستی تاز
(۱۹) عرضِ خمیازہ ایجا دی ہے ہر موج غبار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے لے شمع شبستان بہار
(۲۰) دل پروانہ چراغان پر میل گلزار

شکل طاؤس کرے آئینہ حسانہ پرواز
(۲۱) ذوق میں جلوے کے تیرے بہواٹے دیدار

تیری اولاد کے غم سے ہے برفٹے گردوں
(۲۲) سلک اختر میں مہ نو مشرۃ گوہر باد

ہم عبادت کو ترا نقش قدم ہر نماز
(۲۳) ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظهار

نارح میں تیری تھاں زمزمہ نصیبی
(۲۴) جام سے تیرے عیاں بادۂ جوش اسرار

جو ہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر
(۲۵) یک طرف نازش مرثاں و دگر سو غم خار

مردمک سے ہو عزا خانہ اقبال نگاہ
(۲۶) خاک در کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ دار

دشمن آل نبی کو بطرب حسانہ دہر
(۲۷) عرض خمیازہ سیلاب ہو طاق دیوا

ویدہ تادل آئینہ یک پر تو شوق
(۲۸) فیض معنی سے خط سا غرراقم سرشار

(۱) یعنی فیض چمن بہار نے کسی شے کو بے مصرف نہیں کھا۔ لالہ کا سایہ بے داغ، دل بہار کا "سویدا" معلوم ہوتا ہے۔

(۲) سبزہ زار چمن کو تشبیہاً جو ہر تیغ کہسار سمجھنا چاہئے، باد صبا کی جولانی سے لہلہانے میں ریزہ ہائے شیشہ سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) چیتہ کا داغ مثل جام زمرود ہے۔ اور شرر مثل ریشہ تاج۔

(۴) ہجوم ابر سے حسرتِ دل محلِ چینی سرور کرتی ہے اور چھائے ہوسے یادِ دل پر خیال ہوتا ہے کہ اس آغوش میں دونوں جہان کا فشار ممکن!

(۵) جنگل اور پہاڑ ترانہ ہائے عشقِ عنبر لیسے معور ہو گئے ہیں اور سناں رستے پھولوں کے قہقروں سے آباد ہو گئے ہیں۔

(۶) یعنی زمین کو ایک سطر بخطِ خیال سمجھنا چاہئے، اور فیض ہوا، ہوا پر تیار کرتا ہے، وہ دو جہان کی خوش نصیبوں کی تحریر کے برابر ہے، جس طرح یشیم کی مڑگانِ خاک آلود کی خاک کے پامالِ اس کے اشک ہائے بیکسی کا سلسلہ!

(۷) یعنی اگر ناخن بھی کاٹ کر پھینکا جائے، تو قوتِ نامیہ اس کو بھی بیکار نہ چھوڑے گی، بلکہ ہلالی بنا دے گی!

(۸) کاغذِ آتشزدہ جلا ہوا کاغذ جس میں کچھ سوراخ اور کچھ سکڑاں پیدا ہو جاتے ہیں۔ دام سے تشبیہ ہے یہ مطلب ہے کہ ہر مشیتِ خاکِ قمری بنکر آسمان کی طرف پرواز کتاں ہے، اور کاغذِ آتشزدہ کا جمال بھی طاؤسِ رقصاں کو شکار کرتا ہے! اگر طاؤس شعلہ رقصاں سے مستعار ہو گیا جائے تو دام کاغذِ آتشزدہ طاؤس

شکلہ کا شکار کرنے والا کتنا چاہئے !

(۹) یعنی شراب خانہ میں بیٹھے بیٹھے، اگر بھول توڑنے مقصود ہوں تو میخانہ کے نقش و نگار والے طاق پر ساغر شراب رکھ کر بھول جاؤ توڑے ہی عرصہ میں طاق کے نقوش سبزہ و شاخ گل ہو جائیں گے اور ساغر گل بن جائے گا۔

(۱۰) یعنی اگر گوشہ میخانہ میں تیری دستار گم ہو گئی، تو آب تلامش دستار عبت ہے۔ کیونکہ فیض موسم نے گوشہ میخانہ کو توغیوں کے باغ کا خلوت کر دیا، اور دستار کو موج نکہت گل !
(۱۱) یعنی مصویر خیال، اگر چمن کی تصویر کھینچے، تو پرکار تصورات کسی حسین کا سبزہ خط بن جائے !

(۱۲) سبزہ زار کوہ کو طوطی، اور لعل (پتھر) کو منقار طوطی کہا ہے، گویا یہ طوطی کہ سار حضرت مولیٰ علی کی طرح کرتی ہے !
(۱۳) وہ شہنشاہ وہ عالیجناب ہے جس کی مجلس کی تعمیر کے لئے چشم جبریل کے سانچہ کی ڈھلی ہوئی اینٹیں تیار ہوتی ہیں۔

(۱۴) اس کی مجلس کی تعمیر کے جو مزدور ہیں وہ اس قادرِ عالی مرتبہ ہیں کہ فلک العرش، ان کے ہجوم خم دوش کے برابر ہے، اور رشتہ فیض ازل اس کے معمار کی طناب یا ڈوری ہے !

(۱۵) یعنی سبزہ نہ افلاک، اس کے پشت لب بام کا ایک خط ہے اور چار دیواری کی بلندی سینکڑوں عارفوں کی ہمتی کی برابر ہے۔
(۱۶) وہاں کے خن و خاشاک ہیں سے اگر ایک تنکے کا ریشہ کسی کو ملے تو آجائے تو وہ بال پر ہی کے پنکھے سے بیزار ہو جائے۔

(۱۷) یعنی صحرائے نجف کی خاک، رہروانِ معرفت کے لئے
اکسیر سلوک ہے، اور خود راہرو کا نقش قدم، اس کے بخت
رسا کا آئینہ ہے۔

(۱۸) سرزمینِ نجف کا ایک ایک ذرہ آفتاب کے لئے آئینہ ہے
جس میں خود بینی کرتا ہے اور اس جنگل کی خاک، امید کے لئے
احرام ہے، کہ کعبہ مقصود بیمار کا طواف کرے!

(۱۹) زمین کی گردی شکل کو موجِ غبار سے تعبیر کیا ہے اور تشبیہ
خمیانہ ایجاد کہا ہے "خمیانہ" خواہش و طلب سے آئیں
سے ہے مطلب ہے، کہ "ایجاد" موجِ غبار سے انگریزیاں لیتی
ہے، اور حمارِ ظاہر کرتی ہے، یعنی عالم خلقت کو اس سرزمین سے،
آفرینش پر ناز کرنے کی مستی مطلوب ہے!

(۲۰) یعنی اے آرام گاہِ ہمارا کی شمع! تیرے فیض سے پروانہ کا دل
چراغوں بنا ہوا ہے اور پیلے سبیل گزار، یعنی اس کے دل میں
چراغ ہمارے عشق شمع روشن ہیں، اور اس کا پہلو و سبیل
گل سے معمور!

(۲۱) "پرواز" محاورہ کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کے معنی اترانے
اور ناز کرنے کے ہیں، اور لفظی رعایت سے، طاؤس سے تشبیہ ہے۔
مطلب ہے کہ تیرے جلوہ کے ذوق میں آئینہ خانہ اڑنے لگے۔

اور دیدار کی خواہش اس کو طاؤس پر ایں بنا دے!
(۲۲) یعنی، غمِ امان سے، ستاروں کی لڑی، چشمِ ہلال کی مژدہ شکوہ
معلوم ہوتی ہے!

(۲۳) بے شک! عبادت کے لئے، تیرا نقش قدم سجدہ گاہ ہے
یا فرمانِ قبولیت کی مہر، اور ریاضت کے لئے تیرا حوصلہ،
پشت پناہ!

(۲۴) تیری تعریف میں سرورِ کائنات کی توصیف کی صدا ہے، اور
تیرے جہام سے بادۂ اسرارِ معرفت الہی پُر جوش ہے!

(۲۵) تیرا درست دُعا آئینہ ہے، اور تاثیر و اجابت اُس کا جوہر، پھر یہ
جوہر ایک طرف تو حنینوں کی مڑگاں کے لئے سترِ مایہ ناز ہے،
دوسری طرف خار کے لئے باغِ غم ہے، کہ مڑگاں کی معشوقانہ
ناوکِ ننگنی اور چھین اس سے زیادہ پُر تاثیر ہے!

(۲۶) جو آنکھ تیرے خاکِ در پر فرش نہ ہو، اُس کی سیاہ پوش مہلی،
نحت نگاہ و بصر کے لئے ماتم خانہ بن جائے۔

(۲۷) آلِ بئی کے دشمنوں کے لئے عشرت خانہ، دہر کا ہر طاق
غیاظہ طوفانِ حوادث ہو جائے!

(۲۸) آنکھوں سے دل تک پر تو شوق نے، ایک آئینہ لگایا ہے
اور معنی کے فیض نے، خطِ جہامِ شعر کو سرشار و مست
کر دیا ہے۔

قصید دوم

۱	دہر جز جلوه یکتائی معشوق نہیں	۱	ہم کہاں ہوتے اگر حسن ہو تا خود ہیں
۲	بید لہیا تے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ فوق	۲	بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں
۳	ہرزہ ہے لقمہ زیر و بم ہستی و عدم	۳	لغو ہے آئینہ فسق جہنم و تمکین
۴	نقش معنی ہمہ خمیہ ازہ عرض صورت	۴	سخن حق ہمہ پیما نہ ذوق تمکین
۵	لاف دالت غلط و نفع عبادت معلوم	۵	در دیک ساغر غفلت ہے چہ دنیا و جہنم
۶	مثل مضمون وفا با بدست تسلیم	۶	صورت نقش قدم خاک بفرق تمکین
۷	عشق ہے ربطی شیرازہ اجڑائے حواس	۷	وصل زنگار رخ آئینہ محسن یقیں
۸	کوہ کن گرسنہ مزدور طرب گاہ رقیب	۸	بے ستوں آئینہ خواب گراں شیریں
۹	کس نے دیکھا نفس اہل وفا آتش خیمز	۹	کس نے پایا اثر نالہ دلہائے حزیں
۱۰	سامع زمزمہ اہل جہاں ہوں لیکن	۱۰	نہ سرو برگ ستایش نہ دماغ لہریں
۱۱	کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ	۱۱	یک قلم خارج آداب وقار و تمکین
۱۲	نقش لاجل لکھ لے خامہ ہدیایاں تحریر	۱۲	یا علی عرض کر لے فطرت و سواس قہریں
۱۳	منظر فیض خدا جان و دل ختم رسل	۱۳	قبیلہ آل نبی کعبہ ایجاب یقیں
۱۴	ہو وہ سرمایہ ایجاد جہاں گرم خرام	۱۴	ہر کف خاک ہو واں گردہ تصویر زریں
۱۵	جلوہ پرواز ہو نقش قدم اس کا جس جا	۱۵	وہ کف خاک ہے ناموس و عالم کی امیں
۱۶	نسبت نام سے اس کی ہے یہ تہیہ کہ ہے	۱۶	ابداً پشت فلک خم شدہ ناز زریں
۱۷	فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا	۱۷	لوئے گل سے نفس باد صبا عطر آگین
۱۸	برش تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا	۱۸	قطع ہو جائے نہ سر رشته ایجاد کیں

۱۹	کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے لٹوٹے	رنگ عاشق کی طرح رونق بخاندہ ہیں
۲۰	جاں پناہ دل و جاں فیض رسانا ثناء	وصی ختم رسل تو ہے بقول اے یقین
۲۱	جسم اطہر کو ترے دوش پیہر منسب	نام نامی کو ترے ناصیہ عرش نگین
۲۲	کس کے ممکن ہے تری طرح بغیر از واجب	شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئین
۲۳	آستان پر ہے ترے جو ہر آئینہ سنگ	رقم بستہ کی حضرت جبریل امین
۲۴	تیرے در کے لئے اسباب نثار آمادہ	خاکیوں کو جو خدا نے دیئے جانچ لادیں
۲۵	تیری مدحت کیلئے ہیں لہجہ کام و زباں	تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست جہاں
۲۶	کس سے ہو سکتی ہے مداحی محمد صرح خدا	کس سے ہو سکتی ہے آرایش فردوس ہریں
۲۷	جنس بازار معاصی اسدا اللہ اسد	کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
۲۸	شوخی عرض مرطالبتیں گستاخ طلب	ہے ترے حوصلہ فضل پہ زبکہ یقین
۲۹	فے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول	کہ اجابت کے ہر حرف پہ سو بار آئیں
۳۰	غم شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز	کہ رہیں غم جگر سے طری آنکھیں رنگین
۳۱	طبع کو الفت دل میں یہ سرگرمی شوق	کہ بہا نکالے اس سے قدم اور مجھ سے جہاں
۳۲	دل الفت نسب و سینہ تو حید فضا	نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزین

صرف اعداد اثر شعلہ وود ووزخ

۳۳

وقف اجاب گل و سنبھل فردوس ہریں

۱۱۱ سو فیاض کرام کا عقیدہ ہے کہ تخلیق کائنات سے پہلے خدا نے اپنے جمال کو دیکھنا چاہا تو اس منشا سے دیدہ سے یہ عالم ظہور پذیر ہوا شعر میں یہی تلخیص ہے کہ اگر حسن کو اپنی خود بینی متصور نہ ہوتی تو ہمارا وجود

کہاں ہوتا..... جو کہ
بمنزلہ آئینہ..... تجلیات
کے ہے۔

(۲) یعنی، تماشا، و نظارہ سے دل ایسا اُچاٹ ہو گیا ہے، کہ نہ عبرت
کی غرض سے نظر اٹھتی ہے نہ دلچسپی مناظر کا شوق دیدار پیدا
ہوتا ہے۔ اور تمنا کی بیکسی اور پیہ بسی کا یہ عالم ہے کہ نہ کوئی
دین کی تمنا ہے، نہ دنیا کا ارمان!

(۳) وجود اور عدم کے مباحث بیکار ہیں۔ اور عقل و جنون کے
امتیازات عبرت ہیں۔

(۴) یعنی جن نقوش پر معنی چسپاں کئے جاتے ہیں یا جن اعتبارات پر
حقیقت آشنائی کا دعویٰ ہوتا ہے وہ سب لفظی اور ظاہری
بھول بھلیاں اور آلٹ پھیر ہیں اور دنیا میں حق کوئی کے لئے
نہیں بلکہ داد طلبی کے لئے ہے۔

(۵) یعنی عقل پر گھمنڈ یا عقلمنداری کی شیخیاں غلط عبادات سے
نفع کی توقع ہی کیوں۔ دنیا و دین ساغر عشق کی تلچھٹ ہیں۔ یا دنیا و
دین کو غرقِ مئے عشق الہی کر دینا بہتر ہے۔ عبادت معاوضہ اور
آجرت کے لئے نہ کرنی چاہئے اور معاملات و علاقہ کی آلودگی میں
عقل پر گھمنڈ نہ ہونا چاہئے۔

(۶) یعنی طاعت و بندگی بھی وفا کی طرح برباد ہیں اور غرور و تمکنت
نقشِ قلم کی طرح خاک بسر ہیں۔ یعنی نہ عجز کا رآمد ہے نہ غرور کا
انجام بخیر۔

(۷) یعنی عشق خلل حواس ہے۔ اور وصل آئینہ آفت کو مکر کر دینے والا ہے۔

(۸) یعنی فرما د عشرت گاہ خسرو کا محض مزدور ہے۔ چونکہ تو فاضل شیریں کوہ بے سنوں کی طرح ناقابل جنبش ہے۔ اگر کوہ کن مزدور محض نہ ہوتا بلکہ جذبہ کامل و صادق بھی رکھتا ہوتا تو فاضل شیریں قائم نہ رہتا۔

(۹) یعنی اہل وفا و عشق کی آہوں میں تاثیر گداز باقی نہ رہی، اور دل غمگین کے نالے بے اثر ہو گئے!

(۱۰) یعنی ہم تو اہل زمانہ کے پیچھے سس لیتے ہیں، ورنہ، نہ آن سے توقع تحسین رکھتے ہیں، نہ آن کی نفیس پردہ دارانہ شکایت! (۱۱) خدا کی پناہ! کس قدر بیہودہ گوئی کر گیا، آداب توقیر و تعظیم سے گذر گیا!

(۱۲) یعنی اسے قلم ہدیان تحریر یا۔ اے قلم پریشان رقم الاحول لکھ، اور اے خیال و سوسہ قریں، یا علی! پکار دتا کہ لاحول لکھنے سے، وساوس، ماسوسے سے نجات ہو، اور جو لکھنا چاہتا ہوں وہ لکھ سکوں، اور آداب وقار و تمکین سے بعید نہ ہو جاؤں)

(۱۳) یعنی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ فیض الہی کے منظر و پس کر حضور رسالت پناہ کے جان و دل، آل رسول کے قبلہ اور عالم ایجاد و امکان کے کعبہ ہیں!!

(۱۴) یعنی وہ حاصل عالم ایجاد، جہاں قدم رکھے، گویا اس کے نقوش قدم سے، تمام عالم امکان کا مرتفع پیش ہو جاتے۔

(۱۵) اور جس خاک پر اُس کا نقش قدم منقش ہو جائے، وہ خاک
 و دونوں جہانوں کے لئے، باعثِ حرمت و شرف ہے!
 (۱۶) حضرت ممدوح کرم اللہ وجہہ کی کنیت ابو تراب ہے اس
 نسبت کی وجہ سے زمین کے فخر و ناز کا، آسمان ہمیشہ خم شدہ
 رہے گا۔

(۱۷) یعنی یہ آپ ہی کے فیض و لطافت کا اثر ہے، کہ صبا پھولوں
 سے معطر ہے۔

(۱۸) یعنی آپ کے تلوار کا کاٹ زمانہ بھر میں مشہور ہے، اور بڑا
 ہوتا ہے، کہ کہیں رشتہ ایجاد و امکاں نہ منقطع ہو جائے!

(۱۹) یعنی، اُس کا جلوہ کفر سوز ہے، اس لئے یقین ہے، کہ تباہ
 چین کی رزق اس طرح اڑ جائے جیسے عشاق کا رنگ!

(۲۰) یعنی اے جان پناہ، اے دل و دیر کو مستفیض فرمانے
 والے، اور اے بادشاہ! تو یقیناً وصی رسول کریم ہے!

(۲۱) "نامیہ عرش نگین" یعنی پیشانی عرش پر آپ کا نام نامی
 کندہ ہے۔

(۲۲) یعنی، جس طرح شمع کا فروغ، شعلہ ہی پر منحصر ہے، اسی
 طرح آپ کی تو صیغ صرف خداوند تعالیٰ فرما سکتا ہے، کیونکہ
 آپ ذات واجب الوجود میں فنا ہیں، اس لئے ہم، اور ممکنات
 سے آپ کی مدح ناممکن ہے!

(۲۳) یعنی تیرے استاد کے آئینہ سنگ کے جوہر، وہ نشانات
 ہیں جو جبریل امین کے سجدوں سے بنے ہیں!

(۲۶) یعنی، بہشت کو سوائے خدا کے کوئی دوسرا آماستہ نہیں کر سکتا ہے! اسی طرح ممدوحین خدا کی مدحت کوئی غیر نہیں کر سکتا!

(۳۲) یعنی دل میں محبت ہو، اور سینہ فضائے توحید بن جائے، اور اس فضا میں جو ہوا چلتی ہو، وہ نفس صداقت معمور کی ہو، اور نگاہ ایسی جلوہ آشنا ہو، کہ جب نظر اٹھے، دیدار میسر آجائے!

قصیدہ سوم

۱	ہاں مہ نونیں ہم اس کا نام	جس کو تو جھک کے کر باہو سلام
۲	دو دن آیا ہے تو نظر دم مسج	یہی انداز اور یہی اندام
۳	پائے دو دن کہاں ہا غائب	بندہ عاجز ہے گردش آیام
۴	اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا	آسمان نے بچھا رکھا شہادام
۵	مرجبا اے سرور خاص خواص	خستہ اے نشاط عام عوام
۶	عذر میں تین دن نہ آنے کے	لے کے آیا ہے عید کا پیغام
۷	اس کو بھولانہ چاہئے کہنا	مسج جو جائے اور آئے شام
۸	ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا	تیسرا آغاز اور ترا انجام
۹	راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے	مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں تمام
۱۰	جانتا ہوں کہ آج دنیا میں	ایک ہی ہے امید بگاہ انام
۱۱	میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش	غائب اسکا مگر نہیں ہے غلام
۱۲	جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو	تب کہا ہے بطرہ استقام

۱۳	مہر تاباں کو ہو تو ہوا سے ماد	۱۳	قرب ہر روزہ یک سبیل نہ دم
۱۴	بچھ کو کیا پایہ روشناسی کا	۱۴	جنہ بہ تقریب عید ماہ صیام
۱۵	جاننا ہیں کڑا کے فیض سے تو	۱۵	پھر بنا چاہتا ہے ماہ تمام
۱۶	ماہ بن ماہتاب بن میں کون	۱۶	مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
۱۷	میرا اپنا جسام معاملہ ہے	۱۷	اور کے لین دین سے کیا کام
۱۸	بے مجھے آرزوئے بخشش خاص	۱۸	گر تجھے ہے امید رحمت عام
۱۹	جو کہ بخشے گا تجھ کو فر فرغ	۱۹	کیا نہ دے گا مجھے سے گنہام
۲۰	جبکہ چودہ منہ زل فلکی	۲۰	کر چکے قطع تیری تیزی گام
۲۱	تیرے پر تو سے ہوں مرغ پذیر	۲۱	کوئے و مشکوے و صحن و منظر و بام
۲۲	دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز	۲۲	اپنی صورت کا ایک بلوریں جام
۲۳	پھر غزل کی روش پہ چل نکلا	۲۳	تو سن طبع چاہتا تھا لگام
۲۴	زہر غم کر چکا تھا میرا کام	۲۴	تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بام
۲۵	مے ہی پھر کیوں میں پتو جائے	۲۵	غم سے جب ہو گئی ہو زلیست حرام
۲۶	بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے	۲۶	کہ نہ سمجھیں وہ لذت و شنام
۲۷	کعبے میں جا بجائیں گے ناقوس	۲۷	اب تو باندھا ہے دیر میں احرام
۲۸	اس قرح کا ہے دور مجھ کو نقد	۲۸	چرخ نے لی ہے جس سرگر ہش دم
۲۹	بوسہ دینے میں اُنکو ہے انکاد	۲۹	دل کے لینے میں جنکو تھا ابرام
۳۰	چھیڑتا ہوں کہ اُنکو غمتہ آئے	۳۰	کیوں رکھوں دور نہ غالب اپنا نام
۳۱	کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہ	۳۱	اے پری چہرہ یکا تیز خرام
۳۲	کون ہے جسکے ورپہ ناصیہ سا	۳۲	ہیں مہ و مہر و نہ ہرہ و بہرام
۳۳	تو نہیں جانتا تو مجھ سے شن	۳۳	نام شاہنشاہ بلسن مقام

قبلہ چشم و دل بہادر شاہ ۳۴ منظر ذوالجلال و الاکر ام
 شہ سوار طریقتہ انصاف ۳۵ نو بہار حدیقہ اسلام
 جس کا ہر فعل صورت اعجاز ۳۶ جس کا ہر قول معنی الہام
 بزم میں میزبان قیصر و جسم ۳۷ رزم میں استاد ستم و سام
 اے ترا لطف زندگی افزا ۳۸ اے ترا غم فرخی فجام
 چشم بد و خسرانہ شکوہ ۳۹ لوحش اللہ چار فائدہ کلام
 جاں نثاروں میں تیرے قیصر دم ۴۰ جرعه خواروں میں تیرے مشہ جام
 وارث ملک جانتے ہیں تجھے ۴۱ ایرج و تور و خسرو و بہرام
 زور بازو میں مانتے ہیں تجھے ۴۲ گیدو گوڈو و بیسن و رہام
 رجبسا مو شگافی ناوک ۴۳ آنسریں آبداری مصمام
 تیر کو تیرے تیر غیب ہدف ۴۴ تیغ کو تیرے تیغ ختم نیام
 رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند ۴۵ برق کو دے رہا ہے کیا الزام
 تیرے فیل گراں جسد کی صدا ۴۶ تیرے رخس بسک عنان کا خرام
 فن صورت گری میں تیرا گزند ۴۷ گزند رکھتا ہو دستگاہ تمام
 اس کے مضروب کے مڑتے سے ۴۸ کیوں نمایاں ہو صورت او غام
 جب ازل میں رقم پذیر ہوئے ۴۹ صفحہ ہائے لیسالی و ایام
 اور ان اوراق میں بہ کلک قضا ۵۰ جملاً مندرج ہوئے احکام
 لکھ دیا شاہدیں کو عاشق کش ۵۱ لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
 آسمان کو کسا گیا کہ کہیں ۵۲ گیند تیز گزنیلی نام
 حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھیں ۵۳ خال کو دانہ اور زلف کو دام
 آتش و آب و باد و خاک نے ۵۴ وضع سوز و غم و دم و آرام

مہر رخشاں کا نام خسرو روز	۵۵	ماہ تاباں کا نام شمسہ شام
تیری توفیق سلطنت کو بھی	۵۶	دی بدستور صورت ارقام
کاتب تحکم نے بوجہ حکم	۵۷	اس رقم کو دیا طراز دوام
ہے ازل سے روانی آغاز	۵۸	ہوا بیتک رسائی انجم

(۱) جھک کر سلام کرنے، اور ہلالی شکل میں مشابہت ہے۔

(۹) "نام" چغل خور۔

(۱۰) "نام" خلق۔

(۱۱) (مصرعہ ثانی) یعنی ہمیشہ کے لئے روزانہ حضور ہی۔

(۱۲) یعنی سوائے عید کے، تیرا یہ مرتبہ نہیں، کہ بادشاہ کا روٹنا ہو سکے۔

(۱۳) "مشکوئے" مجلسرا۔

(۱۴) یعنی غم عشق تو مجھ کو ہلاک کر ہی چکا تھا، تو نے ناحق قتل کر کے

الزام اپنے سر لیا۔ یا مجھ کو تو غم عشق ہلاک کر ہی چکا تھا، تو نے دم

داپس آ کر جبکہ میں لاعلاج ہو چکا تھا، کیوں اپنی مسکائی کو رسوا کیا!

(۱۵) یعنی اسے بھی حرام ہے اور غم نے زندگی بھی حرام کر دی ہے،

پھر شراب ہی کو کیوں اختیار نہ کر دوں، تاکہ افکار کی ہر نقطہ تلخی

سے نجات پائیں!

(۱۶) "دام" قرض۔

(۱۷) "ابرام" اصرار۔

(۱۸) "پری چہرہ" اور "پیک تیز خرام" چاند سے مخاطب ہے۔

(۱۹) "ناصیہ سا" جبیں سا، "بہرام" مریخ۔

(۳۵) "حقیقہ" چمن۔

(۳۶) "لوحش اللہ" "نماشا اللہ" چشم بد دور۔

(۳۷) "شرید جام" کا اشارہ جمشید کی جانب ہے۔

(۳۸) یعنی لائق کی چنگھاڑ، رعد کی گرج سے زیادہ پریمیت ہو

اور گھوڑے کی رفتار، برق پر مفلح کرتی ہے!

(۳۹) "لیالی" ییل کی "ایام" یوم کی جمع ہے۔

(۴۰) "توقع" سند۔

(۴۱) "آطر از دوام" انداز ہمیشگی۔

قصیدہ چہارم

صبح دم دروازہ خاور کھلا	۱	مہر عالم تاب کا منظر کھلا
خسرو الخیم کے آیا صرف میں	۲	شب کو تھا غنیمت گویہ کھلا
وہ بھی تھی ایک سیمیا کی سی نمود	۳	صبح کو رازِ مہ و خست کھلا
ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ	۴	دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا
سطح گردیں پر پڑا تھا مات کو	۵	موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانب مشرق نظر	۶	اک نگار تیشیں رخ سر کھلا
تھی نظر بندی کیا جب روئے	۷	بادِ گل رنگ کا ساغر کھلا
لا کے ساقی نے عبوحی کیلئے	۸	رکھ دیا ہے ایک جام زر کھلا
بزم سلطانی ہوئی آراستہ	۹	کعبہ امن داماں کا در کھلا
تلخ زریں مہربانیاں سے سوا	۱۰	خسرو آفاق کے منہ پر کھلا

شاہ روشن دل بہادر شہ کہ ہے	۱۱	راز ہستی اس پہ سرتاسر کھلا
وہ کہ جسکی صورت تکوین میں	۱۲	مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا
وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے	۱۳	عقدہ احکام مغیب سر کھلا
پہلے دارا کا کل آیا ہے نام	۱۴	اُسکے سر ہنگو نکا جب فتر کھلا
روشنا سوئی جہاں فرست	۱۵	واں لکھ ہے چہرہ قیصر کھلا
تو سن شہ میں ہر وہ خوبی کہ جب	۱۶	تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا
نقش پاکی صورتیں وہ دلفریب	۱۷	تو کے بت خانہ آزر کھلا
مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کے	۱۸	منصب ہر دمہ و محور کھلا
تھا دل وابستہ قفل بے کلید	۱۹	کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا
لاکھ عقد و دلیں تھے لیکن ہر ایک	۲۰	میری حد و سع سے باہر کھلا
باغ معنی کی دکھاؤں گا ہمار	۲۱	مجھ سے گر شاہ سخن گستر کھلا
ہو جہاں گرم غزلخواہی نفس	۲۲	لوگ جانیں طلبہ معنبر کھلا
کنج میں بیٹھا رہیں یوں پر کھلا	۲۳	کاش کے ہوتا نفس کا در کھلا
ہم پکاریں اور کھلی یوں کون جائے	۲۴	یار کا دروازہ پاویں گر کھلا
ہم کو ہے اس راز داری پر کھنڈ	۲۵	دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا
واقعہ دل پر بھلا لگتا تھا داغ	۲۶	زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا
ہاتھ سر رکھ دی کب ابرو نے کہاں	۲۷	کب کر سے غمزے کی خنجر کھلا
مفت کا کس کو بڑا ہے بدرقہ	۲۸	رہ روی میں پردہ رہبر کھلا
سوز دل کا کیا کرے باران اشک	۲۹	آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا
نامے کیساتھ آگیا پیغام مرگ	۳۰	رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا
دیکھو غالب سگر اُلجھا کوئی	۳۱	ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

۳۲	پھر ہوا۔ حست طرازی کا خیال	۳۲	پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا
۳۳	خامی نے پانی طبیعت سے مدد	۳۳	بادشاہ کے اٹھتے ہی لنگر کھلا
۳۴	دع سے مدد کے دیکھے شکوہ	۳۴	یاں عرض ہے ترسہ جو ہر کھلا
۳۵	مہر کا نیا چرخ چکر کھا گیا	۳۵	بادشہ کا رایت لشکر کھلا
۳۶	بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب	۳۶	اب علویے پایہ منبر کھلا
۳۷	سکہ شاہ کا ہوا ہے روشناس	۳۷	اب عیار آبروئے زر کھلا
۳۸	شاہ کے آگے حرا ہے آئینہ	۳۸	اب مال سعی اسکندر کھلا
۳۹	ملک کے وارث کو دیکھا غلنے	۳۹	اب فریب طفل و سبخر کھلا
۴۰	ہو سکے کیا مرج۔ ہاراک نام ہے	۴۰	دفتر مدح جہاں داور کھلا
۴۱	فکر اچھی پرستائش نا تمام	۴۱	عجز عجاز ستائش گر کھلا
۴۲	جانتا ہوں ہے خط لوح ازل	۴۲	تم پہ اے خاقاں نام آور کھلا

۴۳	تم کرو صاحبقرانی جب تلک ہے طلسم روز و شب کا در کھلا
----	--------------------------------------------------------

(۱) ڈور واژہ خاور "مطلع آفتاب"۔ دوسرا مصرعہ اسی کی توضیح ہے۔
(۲) موتیوں کے خزانہ سے ستارے، مشبہ ہیں، آفتاب کو ستاروں
کا بادشاہ لکھتے ہیں، مطلب ہے کہ وہ موتیوں کا خزانہ جو رات
کھلا تھا بادشاہ انجم کے خرچ میں آگیا، یعنی آفتاب نکلا اور
ستارے چھپ گئے۔

(۳) "سیمیا" شعبہ، یاد بھی اشکال و صورت یعنی دن بکھنے پر معلوم
ہوا کہ ستاروں اور چاند کا وجود ثابت نہ تھا!
(۴) یعنی ستارے اصل میں ہماری زمین کی طرح کرات ہیں

- لیکن ہم کو آسمان کا زیور نظر آتے ہیں!
- (۶) نگار آتشیں رخ "معشوق شعلہ رو" آفتاب سے مستعار ہے
- (۷) "ساغر بادہ گلزنگ" آفتاب سے استعارہ ہے۔
- (۸) "صبوحی" وہ شراب جو صبح کے وقت پی جاتی ہے۔ جام زندہ سنہری ساغر آفتاب کی تشبیہ ہے۔
- (۱۰) مہرتاباں سے تاج زرّیں کو شبہ کیا ہے۔
- (۱۲) "صورت نگوین" صرف خلقت مراد ہے۔
- (۱۳) "تادیل" تفسیر۔
- (۱۴) "سرہنگ" سیاہی۔
- (۱۶ و ۱۷) گھوٹے کے نقوش پاکی دلکشی کو بتخانہ آزر کے دلغریب بتوں سے تشبیہ کی ہے۔
- (۱۸) "محور" وہ خط جس کے گرد کوئی کرہ گردش کرتا ہے۔
- (۲۰) سبحان اللہ کیسی بسیا ختہ بندش ہے، اور ممدوح کی طرف کیسا تائید ہی و تصریحی اشارہ ہے۔
- (۲۲) گویا اشعار سے مشامِ جاں معطر ہو جائے!
- (۲۳) سبحان اللہ نفس و پر و خیرہ استعارات میں کیسے ذر بہت جذبہ کا اظہار ہوا ہے، کہ "بادِ جود اختیار مجبور ہوں"
- (۲۴) یعنی ایلیں کون جائے کہ دروازہ درست کھلا ہی ہوا ہوا اور خاص و عام کا امتیاز نہ ہو، لطف تو یہ ہے کہ دروازہ بند ہوا، ہم پکاریں، اور صرف ہمارے لئے کھولا جائے۔
- (۲۵) یعنی ہم کو اس رازداری پر گھمنڈ ہے، اور اُس کو یہ ظلم ہے، کہ

ہم ہی کامیاب ہیں،

(۲۸) یعنی، موجودہ دور کی رہبری بس اس حیثیت کی ہے کہ اگر کسی کی رہبری کے لئے تیار ہوتے ہیں، تو اس لئے نہیں کرتے، کہ منزل تک پہنچا سکیں، بلکہ اس لئے رہبر بنتے ہیں کہ چند مسفراۃ ساتھ مل جائیں جن سے اپنی راہ آسان ہو جائے!

(۳۲) گویا، اعلیٰ اعلیٰ تشبیہات کا دفتر کھلا۔

(۳۴) یعنی، ممدوح کی شان و عظمت جو منزل جوہر کے ہے میرے بیان سے، جو بمصداق عرض ہے، ظاہر ہوتی ہے!

(۳۵) "رایت" جھنڈا۔

(۳۶) یعنی اس منبر کی بلندی و عظمت مرتبت اس سے ظاہر ہوتی ہے، کہ اس پر خطیب بادشاہ کا نام لیتا ہے۔

(۳۷) یعنی، بادشاہ کے نام سے مسکوک و منقوش ہونے سے معلوم ہوا، کہ سونا، واقعی قیمت رکھتا ہے۔

(۳۸) یعنی، سکندر کی کوشش کی غایت، معلوم ہو گئی، کہ آئندہ بادشاہ کے سامنے ہے!

(۳۹) یعنی، خلق نے اب حقیقی وارث ملک کو پہچان لیا، اور معلوم ہو گیا، کہ طغزل و سحر و غیرہ، غاصب و فداہ تھے اور مستحق سلطنت نہ تھے۔

(۴۰) "صاحبقرانی" نفع و خروج۔

ثنوی آمون کی تعریف میں

۱	ہاں دل درد مند زمر مر ساد	۱	کیوں نہ کھولے درخزینہ راز
۲	خامے کا صفحے پر رواں ہونا	۲	شاخ گل کا ہے گل نشاں ہونا
۳	مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھتے	۳	نکتہ ہائے خسرو فزا لکھتے
۴	بارے آمون کا کچھ بیاں ہو جائے	۴	خامہ نخل رطب نشاں ہو جائے
۵	آم کا کون مرد میسداں ہے	۵	نمر و شاخ گوے و چوگاں ہے
۶	تاک کے جی میں کیوں ہزاراں	۶	آٹے یہ گو ہے اور یہ میداں
۷	آم کے لگے پیش جائے خاک	۷	پھوڑتا ہے جلے پھولے تاک
۸	نہ چلا جب کسی طرح مقدور	۸	بادۂ ناب بن گیا انگور
۹	یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے	۹	شرم سے پانی پانی ہونا ہے
۱۰	مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہو	۱۰	آم کے آگے نیشکر کیا ہے
۱۱	نہ گل اسمیں نہ شاخ و برگ نہ بار	۱۱	جب خزاں لگے تب ہوا اسکی ہمار
۱۲	اور دوڑائیے قیاس کہاں	۱۲	جان شیریں میں یہ مٹھاس کہاں
۱۳	جان میں ہوتی گر یہ شیرینی	۱۳	کوہ کن باوجود غم سنگینی
۱۴	جان دینے میں اسکو یکتا جان	۱۴	پر وہ یوں سہل ہے نہ سکتا جان
۱۵	نظر آتا ہے یوں مجھے یہ سر	۱۵	کہ دوا خسا نہ ازل میں مگر
۱۶	آتش گل پہ قند کا ہے قوام	۱۶	شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام
۱۷	یا یہ ہو گا کہ فرطِ رافت سے	۱۷	باغبانوں نے باغِ جنت سے
۱۸	انگیں کے حکم رب الناس	۱۸	بھر کے بھیجے ہیں سبز لہر گلاس

یا لگا کر خضر نے شاخ نبات	۱۹	مدتوں تک ویسا ہے آب حیات
تب ہوا ہے ثمر نشاں یہ نخل	۲۰	ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
تھا ترنج زر ایک خسرو پاس	۲۱	رنگ کا زرد پر کہاں بوباس
آم کو دیکھتے اگر اک بار	۲۲	پھینک دیتا طلائے دست افشا
رونق کا رگاہ برگ و لہو	۲۳	نازش و دودمان آب و ہوا
رہ رو راہ خلد کا ترشہ	۲۴	طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ
صاحب شلخ و برگ بار ہے آم	۲۵	ناز پروردہ بہار ہے آم
خاص وہ آم جو دارزاں ہو	۲۶	نوبر نخل باغ سلطان ہو
وہ کہ ہے والی ولایت عمار	۲۷	عدل سے اس کے ہے حمایت عمار
نفر دیں عرشاں و جاہ جلال	۲۸	زینت طینت و جمال کمال
کار فرمائے دین دولت و نعت	۲۹	چہرہ آراستے تاج و مسند و تخت
سایہ اس کا ہما کا سایہ ہے	۳۰	خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
اے مفیض وجود و سایہ نور	۳۱	جب تلک ہے نود و سایہ نور
اس خداوند بندہ پرور کو	۳۲	وارث گنج و تخت و افسر کو

اشاد و دل شاد و شادماں رکھو
اور غالب پہ مہرباں رکھو

۳۳

(۱) "مزمرہ ساز" نغمہ ساز۔

(۲) "شاخ گل" قلم سے استعارہ ہے۔

(۳) نکتہ ہائے خرد و فرا عقل زیادہ کرنے والے رموز۔

(۴) "نخل" کجور کا درخت۔ "رطب" کجور۔

(۵) پھل اور شاخ کو گیند اور بٹے سے تشبیہ دی ہے۔

(۷) "تاک" انگور۔ چھالے، اور انگور میں مشابہت ہے۔

(۸) "بادہ ناب" شراب۔ گویا انگور شرم سے عرق عرق ہو گیا۔

(۹) "فرط رافت" جوش کرم بد انگلیں "شہار"۔

(۱۰) "شاخ نبات" مصری کی شاخ۔

(۱۱) "ترنج زر" سونے کا ترنج۔ طلائے دست افشار، ایسا

نرم سونا جو ہاتھ سے مسل جائے۔

(۱۲) "کار گاہ برگ و لوا" وہ مقام جہاں، درخت اور طائران

نغمہ میخ ہوں "دودماں" گھرانہ۔ خاندان "آب و ہوا" موسم

بہار مراد ہے۔

(۱۳) "بادشاہ کے باغ کا تازہ ثمر"۔

(۱۴) "عز شاں" شان کے لئے باعث عزت "جاہ جلال" جاہ

کی شان و مرتبت "طلینت" سے اخلاق احسنہ اور پاک باطنی

مراد ہے "جمال کمال" کمال کی نمود

(۱۵) "کار فرما" اہتمام کرنے والا "چہرہ آرا" باعث زیب و

زینت۔

(۱۶) "مفیض" فیض پہنچانے والا۔

قصیدہ

مرحباً سال فرخی آئیں
شب و روزا تختیاری لیل و نهار
گرچہ ہے بے عید کے نور و نور
سواں اکیس دن میں بولی کی
شہر میں کو بکو عبیر و گلال
شہر گویا نمونہ گلزار
تین تیر و بار اور ایسے خوب

عید شوال ماہ و فروردیں
مہ و سال اشرف شہور و شین
لیک پش از سہ ہفتہ بعد نہیں
مجلسیں جا بجنا ہوئیں رنگیں
باغ میں سو بسو گل و نسروں
باغ گویا نگار خانہ چیں
جمع ہرگز ہوئے نہ ہونگے کہیں

پھر ہوئی ہے اسی مہینہ میں
مہفل غسل صحت نواب
بزم گہ میں امیر شاہ نشان
پیشگاہ حضور شوکت و جاہ
جن کی مسند کا آسمان گوشہ
جن کی دیوار قصر کے نیچے
دہر میں اس طرح کی بزم سرور
انجسم چرخ گوہر آگیں فرش

منعہ محفل نشاط فریں
رونق افزائے مسند تمکین
بزم گہ میں حریف شیر تمکین
خیر خواہ جناب دولت و دیں
جن کی خاتمہ کا آفتاب نگین
آسمان ہے گدائے سایہ نشین
نہ ہوئی ہو کبھی بروئے نرین
نور مئے ماہ ساغر سمیں

راجہ انار کا جما کھاڑا ہے
وہ نظر گاہ اہل دہم و خیال

ہے وہ بالائے سطح چرخ بریں
یہ ضیا بخش چشم اہل یقیں

داں کہاں یہ عطا و بذل و کرم یاں زمیں پر نظر جہاں تک جاٹے نغمہ مطہر بان زہرہ نوا اس اکھاٹے میں جو کہ ہر مظلون	کہ جہاں گد یہ گر کا نام نہیں زالہ آسا بچھے ہیں در تیس جسلوہ لولیاں ماہ جبیں یاں وہ دیکھا بچشم صوت ہیں
-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	----------------------------------------------------------------------------------------------------------------

سرور مہر فرہوا جو سوار سب نے جانا کہ ہر پیری توں نقش سم سمند سے یکسر فوج کی گر در راہ مشک نشان بسکہ بخشی ہے فوج کو عزت مرکب خاص یوں زمیں پر تھا چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام اور داغ آپ کی غلامی کا	بکمال تجمل و تنزین اور بال پری ہے امن زمیں بن گیا دشت دامن گلچیں رہروں کی مشام عطر آگین فوج کا ہر پیادہ ہے فرزیں جس طرح ہے پہر پر پردیں ران پر داغ تازہ دیکھے وہیں خاص بہرام کے ہر زیب و ترس
------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

بندہ پرور شنا طرازی سے آپ کی مدح اور میسر امنہ اور پھر اب کہ ضعف پیری سے پیری نیستی خدا کی پناہ صرف اظہار ہے ارادت کا مدح گستر نہیں دعا گو ہے ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں	مدعا عرض فن شعری نہیں گر کہوں بھی تو کس کو آئے یقین ہو گیا ہوں نزار زار و حزیں دست خالی و خاطر غمگین ہے قلم کے جو سجدہ زیر جبین غالب عاجز و غیا ز آگین تم رہو زندہ جاوداں، آمین
--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	---------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

سلام

سلام اُسے کہ اگر بادشاہ کہیں اس کو
 نہ بادشاہ نہ سلطان، یہ کیا ستائش ہے
 خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی
 خدا کا بندہ، خداوندگار بندوں کا
 فروغ جو ہر ایماں، حسینؑ ابن علیؑ
 کفیل بخشش امت ہو، بن نہیں پڑتی
 مسیح جس سے کرے اخذ فیض جاں بخشی
 وہ جسکے ماتمیوں پر ہے سلسبیل سبیل
 عدو کی سمع رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات
 بہت ہے پایہ گرد و روح حسینؑ بلند
 نظارہ سوزِ ہریاں تک ہر ایک خاک
 ہمارے درد کی یارب کہیں دوانہ ملے
 ہمارا منہ ہے کہ دیں اُسکے حسن صبر کی داد
 زمامِ ناقہ کف اُسکے میں ہے کہ اہل یقیں
 وہ ریگ تفتہ وادی پہ گام فرسا ہے
 امامِ وقت کی یہ قدر ہے کہ اہل عناد
 یہ اجتہاد و عجب ہے کہ ایک دشمن دیں
 یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ
 علیؑ کے بعد حسنؑ اور حسنؑ کے بعد حسینؑ

تو پھر کہیں کہ کچھ اُسکے سو کہیں اس کو
 کہی کہ خامس آلِ عباس کہیں اس کو
 کہی کہ رہبرِ راہِ خدائے کہیں اس کو
 اگر کہیں نہ خداوند کیا کہیں اس کو
 کہ شمعِ انجمن کبریا کہیں اس کو
 اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اس کو
 ستم ہے کشتہ تیغِ جفا کہیں اس کو
 شہیدِ آتش نہ لب کر بلا کہیں اس کو
 کہ جنِ دانش و ملک، سب بجا کہیں اس کو
 بقدرِ فہم ہے گر کمیہ کہیں اس کو
 کہ لوگ جو ہر تیغِ قضا کہیں اس کو
 اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اس کو
 مگر نبیؐ و علیؑؑ مر حبا کہیں اس کو
 پس از حسینؑ علیؑؑ پیشوا کہیں اس کو
 کہ طالبانِ خدا رہنما کہیں اس کو
 پیادہ لے چلیں اور ناسزا کہیں اس کو
 علیؑؑ سے آگے لڑے اور خطا کہیں اس کو
 بُرا نہ مانئے، اگر ہم بُرا کہیں اس کو
 کرے جو ان سے بُرائی بھلا کہیں اس کو

نبیؐ کا ہونہ جسے اعتقاد کا فر ہے | رکھے آتام سے جو نبض کیا کہیں اس کو

بھرا ہے غالبِ دل خستہ کو کلام میں درد
غلط نہیں ہے کہ خوفی نوا کہیں اس کو

قطع

کرتا ہے چرخ روز بصد گونہ استرام
فرمانروائے کشورِ پنجاب کو سلام

حقگو و حق پرست و حق اندیش و حق شناس
نواب مستطاب ایسرشہ عتاشام!

جہم ترسہ منکلوڈ بہادر کہ وقتِ رزم
ترکِ فلک کے ہاتھ سے دو چھین لیں حسام

جس بزم میں کہ ہوا نہیں آئینِ میکشی
واں آسمان شیشہ بنے آفتاب جام

چاہا تھا میں نے تم کو مرچا روہ کموں
دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیال خام

دورات میں تمام ہے ہنگامہ ماہ کا
حضرت کا عز و جاہ رہے گا علی الہوام

سچ ہے تم آفتاب ہو جس کے فروغ سے
دریائے نور ہے فلک آگینہ فسام

میری سنو کہ آج تم اس سر زمین پر

حق کے تفضلات سے ہو مرجع انام

اخبار لودھیانہ میں میری نظر پڑی
تحریر ایک جس سے ہوا بندہ تلخ کام

ٹکڑے ہوا ہے دیکھ کے تحریر کو جگر
کاتب کی آستیں ہے مگر تیغ بے نیام

وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط لکھا
جب یاد آگئی ہے اکیچہ لیا ہے تھام!

سب صورتیں بل گئیں ناگاہ یک قلم
نمبر ہا، نہ نذرانہ خلعت کا انتظام!

ستر برس کی عمر میں یہ داغ جا نگہاز
جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا ختام

تھی جنوری مہینے کی تاریخ تیرہویں
استادہ ہو گئے لب دریا پہ جب خیام

اُس بزم پر فروغ میں اس تیرہ بخت کو
نمبر ملا نشست میں از روئے اہتمام

سمجھا اُسے گراب ہوا پاش پاش دل
دربار میں جو مجھ پہ چلی چٹک عوام

عزت پہ اہل نام کے ہستی کی سبے بنا
عزت جہاں گئی تو نہ بستی رہی نہ نام

تھا ایک گو نہ ناز جو اپنے کمال پر
اُس ناز کا فلک نے لیا مجھ سے انتقام

آیا تھا وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب
تھا بارگاہِ خاص میں خلعت کا اندام

اس کشمکش میں آپ کا مداح دردمند
آقا مئے نامور سے نہ کچھ کر سکا کلام

جواں نہ کر سکا وہ لکھا ہے حضور کو

دیں آپ میری داد کہ ہوں فائز المرام

ملک و سپہ نہ ہو تو نہ ہو کچھ ضرر نہیں
سلطان برو بکر کے در کا ہوں میں غلام

ویکتوریا کا دہر میں جو مدح خوان ہو

شاہانِ عصر چاہئے ایس عزت اس سودا

خود بے تدارک اس کا گرنٹ کو ضرور
بے وجہ کیوں ذلیل ہو، غالب ہو جس کا نام

امرِ جدید کا تو نہیں ہے مجھے سوال

بارے قدیم قاعدے کا چاہئے قیام

بے بندہ کو عادیٰ عزت کی آرزو
چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام

دستورِ فنِ شعریہ ہی ہے قدیم سے

یعنی دعایہ مدح کا کرتے ہیں اختتام

بے یہ دعا کہ زیرِ نگیں آپ کے رہے
اسلم ہندو سندھ سے تا ملک روم و شام

قطرہ عرض بحضور شاہ

۱	اے شہنشاہ فلک پایہ و ہمیش و نظیر	۱	اے جہاندار کرم شیوہ بے شبہ و عدیل
۲	بالوں سے تیرے ملے فرق ارادت اور نگ	۲	فرق سے تیرے کر کے کسب عبادت اکمیل
۳	تیرا انداز سخن شانہ زلف السام	۳	تیری رفتارت سلم جنبش بال جبریل
۴	تجھ سے عالم پہ کھلارابطہ قرب کلیم	۴	تجھ سے دنیا میں بچھا ماٹہ بذل خلیل
۵	ہ سخن اوج دو مرتبہ معنی و لفظ	۵	بکرم داغ نہ نا صبیحہ قلم زم و نیل
۶	تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی تو فیروز	۶	تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تھلیل
۷	ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر	۷	زہرہ نے ترک کیا جوت سے کرنا تحویل
۸	تیری دانش مری صلاح مفاسد کی رہین	۸	تیری بخشش مری اخلاص مقاصد کی کنیل
۹	تیرا اقبال ترحم مرے جینے کی نوید	۹	تیرا انداز تغافل مرے مرنے کی دلیل
۱۰	بخت ناسا نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں	۱۰	پر خج کج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو بیل
۱۱	پچھے ڈالی ہے سر رشتہ اوقات میں گانٹھ	۱۱	پہلے ٹھڈی تھی ہے بن ناخن تدبیر میں کیل
۱۲	پیش دل نہیں بے رابطہ خوف عظیم	۱۲	نش و دم نہیں بے ضابطہ جبر و قیل
۱۳	دور معنی سے مرا صفحہ نقا کی داڑھی	۱۳	غم گیتی سے مرا سینہ عمر کی زنجیل
۱۴	نکر میری گہرا اندوز اشارات کثیر	۱۴	کلک میری رقم آموز عبادات قلیل
۱۵	میرے ایہام پہ ہوتی ہے تصدیق توضیح	۱۵	میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل
۱۶	نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف	۱۶	جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

قبلہ کون مکاں خستہ لوانہی میں یہ دیر
کعبہ امن و اماں عقدہ کشائی میں یہ ہیل

(۱۲) اور رنگ "تخت" : فرق ارادت "سیر عقیقت و اطاعت کیب
سعادت" سعادت حاصل کرنا "اکلیل" تاج۔

(۱۳) شانہ زلف الہام یعنی اشارات غیب کی توضیح و تفصیل کرنیوالا
یا کلام کی الجھنیں دور کرنے والا طریقہ۔

(۱۴) یعنی موسیٰ جن کو مرتبہ قرب و ہمکلامی حاصل تھا، اس کی نظیر تو نے
پیش کر دی "مانڈہ" خوان نعمت۔ اور تو نے اپنے کرم عام سے
خاص و عام کے لئے، گویا، "بذل خلیل" کا مانڈہ بچھا دیا ہے۔

(۱۵) یعنی تیری باتوں سے، لفظ و معنی کا مرتبہ بلند ہوتا ہے۔ اور تیر
فیضان جاری سے قلوب ذلیل کی پیشانی پر داغ ہے۔

(۱۶) "توفیر" زیادتی "تقلیل" کمی۔

(۱۷) "ثور" نجومیات میں، ایک برج کا نام ہے، اور "حوت" بھی برج
کی ایک شکل ہے، چاند جب "ثور" میں، اور زہرہ "حوت" میں
ہو تو عیش و طرب کے آثار زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ "تحویل"
خارج ہونا "نکلنا" مراد ہے۔

(۱۸) "اصلاح" مقاصد سے یہاں رفع مشکلات مراد ہے "انحاح"
حل و کشود۔

(۱۹) "اقبال" ترجمہ "میلان رحم"۔

(۲۰) "رابطہ" شرکت : ضابطہ جز ثقیل بے حد مشکل سے سانس
لینے کو تمثیل کیا ہے۔

(۲۱) یعنی میری فکر بہت سے اشارات کے موتی چنتی ہے، اور میرا
قلم مختصر عبارات تحریر کرتا ہے، یعنی طبیعت کنا یہ پسند ہے۔

قسط

۱	اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے	کھلتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
۲	وہ ناز نہیں بتاں خود آرا کہ ہائے ہائے	وہ سبز زار ہائے مطرا کہ ہے غضب
۳	طاقت ربا وہ انکا اشار کہ ہائے ہائے	صبر آزمادہ ان کی نگاہیں کہ حنف نظر
۴	وہ بادہ ہائے ناب گورا کہ ہائے ہائے	وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں کہ دادا
(۳) حنف نظر چشم بد دور		

قسط

۱	زیب و بیا ہے اسے جھنڈا چھا کیئے	ہے جو صاحب کف دست پر یہ چکنی ڈلی
۲	ماطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کیئے	خانہ نگشت بدناں کہ اسے کیا لکھئے
۳	حرز بازوئے شگرفاں خود آرا کیئے	مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھئے
۴	داغ طرف جگر عاشق شید کیئے	مسی آلود سر انگشت حیدناں لکھئے
۵	سر پستان پر پی زاد سے مانا کیئے	خاتم دست سلیمان کے مشابہ لکھئے
۶	خال مشکیں رخ دل کش لیدا کیئے	اختار ریختہ قیس سے نسبت دیجئے
۷	نافہ آہوئے بیا باں خن کا کیئے	حجرا لاسود و یار حرم کیئے فرض
۸	رنگ میں سبزہ زرخیز میسما کیئے	وضع میں اس کو اگر سمجھیے قاف تریاق
۹	میکرے میں اسے خشت خم صہبا کیئے	صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر ہر نماز
۱۰	کیوں اسے نقطہ پر کا رمتا کیئے	کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھئے
۱۱	کیوں اسے مرد ملک دیدہ غنقا کیئے	کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجئے
۱۲	کیوں اسے نقش پے نافہ سلما کیئے	کیوں اسے تکرر پیرا بن لیدا لکھئے

بندہ پرور کے کف دست کو دل کیجئے فرض ۱۳ اور اس چکنی سپاری کو سویدا کیجئے

(۲) "انگشت بندہ ان ہونا" متحیر ہونا "سر بگرہاں ہونا" متفکر ہونا "ناطقہ" گویائی

(۳) "مکتوب" خط "حرز" تعویذ "شکر خان" خود آرا "مشتوقان" خود پسند

(۵) "مانا" مشابہہ

قطع

منظور ہے گزارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

سو پشت سے ہے پیشہ آب اسپہگری
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

استادشہ سے ہو مجھے پر قاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

جام جہاں نسل ہے شہنشاہ کا ضمیر
سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

میں کون اور ریختہ ماں اس سے مدعا

جس دن بساط خاطر حضرت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا زرو امتثال امر
دیکھا کہ چارہ غیسر طاعت نہیں مجھے

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

دو تھے سخن کسی کی طرف ہو تو رد سیاہ
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

تسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہیں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کستا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

ان یہ اشارہ سہرے کے اس مقطع کی جانب ہے :-

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں دیکھیں اس سہرے کو کہ کوئی بڑھکر سہرا

”سہرا“

خوش ہواے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا

باندھ شہزادے جواں بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے کھڑے پہ بھلا لگتا ہے

ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پہتا ہے پر اے طرف کواہ

مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پر دئے گئے ہونگے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سات دریائے فراہم کئے ہوں گے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

مُخ پر دو لہا کے جو گرمی سے پُینا ٹپکا
ہے رگ ابر گسر بار سراسر سہرا

یہ بھی اک بسا دنی تھی کہ قبل سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہیں ہیں اک چیز
چاہئے پھولوں کا بھی ایک نکر سہرا

جبکہ اپنے میں سما دیں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

مُخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک
کیوں نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار
لائے گا تاب گراں باری گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
 تجھ سے جانتی اسادت ہر تو کس بات سے ہے
 گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
 روتی بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے
 اور میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی غور کر دیں
 غیر کیا خوب مجھے نفرت مری اوقات سے ہے
 خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے سرست
 نسبت اک گونہ مرے دل کو ترے ہاتھ سے ہے
 ہاتھ میں تیرے رہے تو سن دولت کی عنایاں
 یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے
 تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیسرا
 گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے
 اس پہ گزرے نہ گماں ریو وریا کا زہنہار
 غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے

متفرقات

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو
 رکھ دیں چین میں بھر کرے مشک بو کی ناند
 جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے مست
 ہنرے کو رو نہ تا پھرے پھولوں کو جلے پھاند

غالب یہ کیا بیان ہے بجز مرع بادشاہ
بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشتہ خواند

بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلے حضور میں
ہے جن کے آگے سیم و زبر و مہر و ماہ مانند

یوں سمجھئے کہ بیچ سے خالی نکئے ہوئے
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بیشمار چاند

در مدح شاہ

اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاں دار
ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت

جو عقیدہ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو
تو داکرے اس عقارے کو سو بھی بشارت

ممکن ہے کرے خضر سکنہ سے ترا ذکر
گر لب کو نہ دے چشمہ حیواں سے طہارت

آصف کو سیماں کی وزارت سے شرف تھا
ہے فخر سیماں جو کرے تیری وزارت

ہے نقش مریدی تہا فرمان الہی
ہے داغ غلامی ترا تو قیغ امارت

تو آب سے گریلب کرے طاقت سیلان
تو آگ سے گردن کرے تاب شرارت

(ق)

ڈھونڈھے نہ ملے موجہ دریا میں روانی

باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت

ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں توغل
ہے گرچہ مجھے حسد طرازی میں ہمارت

کیونکر نہ کہوں مدح کو میں ختم دعا پر
قاصر ہے شکایت سے تری میری عبات

لوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں
نظارگی صنعت حق اہل بصارت

بتجہ کو شرف مہر جہاں تاب مبارک
غالب کو ترے عتبہ عالی کی زیارت

قسط

افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو اُس شخص کو ضرورت روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھولکے کھانیو کچھ نہ ہو روزہ اگر نہ کھائے تو ناجار کیا کرے

گزارش مصنف بجنور شاہ

اسے جہاں دار آفتاب آسمان
تھامیں اک درد مند سینہ فگار
ہوئی وہ میری گرمی بازار
روشناس ثوابت دستار
ہوں خود اپنی نظر میں آنا خواہ
جاننا ہوں کہ آئے خاک کو عار

اے شہنشاہ آسمان اوزنگ
تھامیں اک بے نوائی گوشہ نشین
تم نے مجھے کو جو آبرو بخشی
کہ ہوا مجھ سا ذرہ ناچیز
گرچہ از روئے غمک بے ہنری
کہ گراپنے کو میں کموں خاک

شاد و ہل کیوں اپنی جی میں کہ ہوں
 خانہ زاد اور مریدا و مرداح
 بارے نوکر بھی ہو گیا بعد شکر
 نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں
 پیرو مرشار اگرچہ مجھ کو نہیں
 کچھ تو جاڑے میں چاہئے آخر
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوش
 کچھ خریدا نہیں ہے ابھی سال
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ
 آگ تاپے کہاں تلک انساں
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
 میری تنخواہ جو مقرر ہے
 رسم ہے مرے کی چھ ماہی ایک
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات
 بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض
 میری تنخواہ میں تھائی کا
 آج مجھے سا نہیں زمانے میں
 رزم کی داستاں اگر سینے
 بزم کا التمس نام گر کیجئے
 ظلم ہے گردنہ دو سخن کی داد
 آپ کا بندہ اور پھروں نمنگا

بادشہ کا غلام کیا رگزار
 تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
 نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
 مدعا ئے سرور ہی الاٹھار
 ذوق آرایش سر و دستار
 تانہ دے باؤں سریر آزار
 جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
 کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
 بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
 دھوپ کھائے کہاں تلک جاندار
 و قنار بتنا عذاب النار
 اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
 خلق کا ہے اسی چلن پر مدار
 اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
 اور رہتی ہے سود کی تکرار
 ہو گیا ہے شریک سا ہو کار
 شاعر نغز گوئے خوش گفتار
 ہے زباں میری تیغ جو ہر دار
 ہے قلم میری ابر گوہر بار
 قمر ہے گردنہ مجھ کو پیار
 آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار

میری تنخواہ کیجے ماہ بہ ماہ ختم کرتا ہوں اب دعا یہ کلام	تانا ہو مجھ کو زندگی دشوار شاعری سے نہیں مجھے سروکار
	تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن بچاس ہزار
	قطعات
بہت سیہ کلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے جہاں میں جو کوئی فستح و ظفر کا طالب ہے ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے	
سہل تھا سہل دے یہ سخت مشکل آپڑی مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر بن ہوئے تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد تین سہل تین تبریں یہ سب کئے دن ہوئے	
جستہ انجمن طوبیٰ میرزا جعفر کہ جسکے دیکھے سے سب کا ہوا ہرجی محفوظ ہوئی ہے ایسی ہی فرخندہ سال میں غالب نہ کیوں ہو مادہ سال عیسوی محفوظ	
ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی کہا غالب کے تاریخ اسکی کیا ہے	ہوا بزم طرب میں رقص ناہید تو بولا انشراح جشن جیشید
گو ایک بادشاہ کے سبب ناز ہیں	در بار دار لوگ ہم آشنا نہیں

کانوں پہ ماتھہ جھرتی ہیں گرجے بوسام اس سے ہے یہ مراد کہ ہم شائیں

رباعی

بعد از اتمام بزم عید اطفال آپہنچے ہیں تا سواد اقلیم عدم	ایام جوانی ہے ساغر کش حال اے عمر گزشتہ یکدم استقبال
شب لطف و رخ عرق نشان غم تھا رویائیں ہزار آنکھ سے صبح تک	کیا شرح کروں کہ طرہ تر عالم تھا ہر قطرہ اشک دیدہ پر غم تھا
آتش بازی ہے جیسے شغل اطفال تھا موجود عشق بھی قیامت کوئی	بے سوز جگر کا بھی اسی طور کا حال لڑکوں کیلئے گیا ہو کیا کمیل نکال
دل تھا کہ جو جان در وہمید سہی ہم اور خسروں اے تجلی افسوس	بتیابی رشک و حسرت دیدہ سہی تکرار روا نہیں تو تہجد یہ سہی
ہے خلق حسد قماش لڑنے کیلئے یعنی ہر بار صورت کا غنہ باد	دشمنکہ ہر تلاش لڑنے کے لئے ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کیلئے
دل سخت نرناد ہو گیا ہے گویا پیر یار کے آگے بیل سکتے ہی نہیں	اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا غالب مند بند ہو گیا ہے گویا
دکھ جی کے پنہ ہو گیا ہے غالب واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں	دل رُک رُک کر بند ہو گیا ہو غالب سونا سوگن ہو گیا ہے غالب
مشکل ہے زبیں کلام میرا لے دل آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمایش	سُن سُن کے اُسے سخنوران کامل گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل
بہی بھی ہو جو بھکوشہ جم جاہ نے دال یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال	ہے لطف عنایات شہنشاہ پر دال ہے دلت دیر و دانش و داد کی دال

ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم
آثار جلالی و جمالی باہم

ہوں شاد نہ کیوں سافل دعا لی باہم
بے اہ کی شب قدر و دوا لی باہم

حق شہ کی بقا سے خالق کو شاد کرے
تا شاہ شیوع دانش و داد کرے

یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمریں گانٹھ
ہے صفر کہ ان فزائش اعدا کرے

اس رشتے میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا
اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا

ہر سیکڑے کیا ایک گرہ فرض کریں
ایسی گرہیں، سزار ہوں بلکہ سوا

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں
عشاق کی پرکشش سے اُسے عار نہیں

جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا
کیونکر مانوں کہ اس میں تلوار نہیں

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
کرتے ہیں درگاہ کام کرنے والے

کہتے ہیں کہیں خدا سے اٹھا اللہ
وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں

آرام کے اسباب کہاں سے لائیں

روزہ مرا ایساں ہے غالب لیکن
خس خانہ و برف آب کہاں سے لائیں

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے
بھیجے ہیں جوار منساں شہ بالا لے

گن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار
فیروزے کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

ضمیمہ

غزل

لطفِ نظارہ قاتلِ دم بسل آئے

جان جائے تو بلا سے یہ کہیں دل آئے

اُن کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گذری
دوست جو ساتھ مرے تالِبِ ساحل آئے

وہ نہیں ہم کہ چلے جائیں حرمِ کولے شیخ

ساتھ حجاج کے اکشر کئی منزل آئے

آئیں جس بزم میں وہ لوگ پکار اُٹھتے ہیں
لو وہ برہم زن ہنگامہ محفل آئے

دیدہ خونبار ہے مدت سے لئے آج ندیم

دل کے ٹکڑے بھی کئی، خون کے شامل آئے

سامنا خود دہری نے نہ کیا ہے نہ کریں
فلک تیرا ہی مگر تیرے مقابل آئے

اب ہے دلی کی طرف کوچ ہمارا غالب
آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے

غزل دیگر

میں ہوں مشتاق جفا مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش اس سوسا اور سہی
تم ہو بخت پھر تمہیں پندار خدائی کیوں ہے
تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی

غلہ میں کیئے تو دوزخ بھی ملا لیں یارب
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

ہم سے غالب یہ علاقے نے غزل لکھوائی
ایک بیداد گر بنج فضا اور سہی

جاتا ہر منہ اٹھتی ہر سب کی ادھر انگشت	ایک دست جہاں مجھ سے پھر ہے مگر انگشت
کس قدر خاک ہوا ہے دل مجنوں یارب	نقش ہر ذرہ سویدا ئے بیا باں نکلا

برہن شرم ہے باوصف شوخی اہتمام اُس کا
نگیں میں جوں شرار سنگ ناپیدا ہے نام اُس کا
مسی آلودہ ہے مہر فوازش نامہ ظاہر ہے
کہ داغ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اُس کا

بامید نگاہ خاص ہوں عمل کش حسرت
مبادا ہو عنان گیر تغافل لطف عام اُس کا

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری
کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے

بس اب بگڑے یہ کیا شرمندگی جلنے دو لجاؤ
قسم لو ہم سے گریہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

شب کہ ذوق گفتگو سے تیرے دل بیتاب تھا
شبخی وحشت سے افسانہ فسون خواب تھا

واں ہجومِ نغمہائے سازِ عشرت تھا اسد
ناخنِ غم یاں سدا تارِ نفسِ مضرب تھا

دو دو کو آج اُس کے ماتم میں سیہ پوشی ہوئی
وہ دل سوزاں ککل تک شمعِ ماتم خانہ تھا

سکوہِ یاسانِ غبارِ دل میں نہپساں کر دیا
غالب ایسے عجب کوشایاں یہی دیرانہ تھا

پھر وہ سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے

معزولی پیش ہوئی افسانہ انتظار

میر کے شعر کا احوال کہیں کیا غالب

مے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل

ہے نزاکت بسکہ فصل گل میں معمارِ چمن

ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشان

خارِ الم سے پشتِ بدنِ گزیدہ ہوں

ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج

میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں

ہے کہ بنیم طرب آمادہ کرد | برقی تنہتی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہکو

ان سائے گل پائے تخت تھا
ال عہد و مال بتاں نہ پوچھ

ہر داغ تازہ یک دل داغ انتظار ہے
عرض فضا تے سیدہ در داغیاں نہ پوچھ

ہاں کل وہ محرم راز اپنے سے کہ آہ
ہائی اس اللہ خاں نہ پوچھ

خنائے پنجہ مصیاد مرغ رشتہ برپا ہے	بیش خوں کے سبب لگ الو نہیں سکتا
آنسو کی بونا گرھسبر نایاب ہو گئی	زلبکہ سوکھ گئے چشم میں سرشک
کہ چشم تر میں بر ایک پارہ دل پائے در گل ہے	بے یان نکال شکوں میں غبار کلفت خاطر
تکلف بر طرف تجھ سے تری تصویر اہمی ہے	اگر موقوف انداز تغافل ہو
یاں ہے کہ صحبت نس و آتش برابر ہے	ہوں شوخی رگ یا قوت دیکھ کر
مجھے جو بھیجی ہے بسین کی روغنی روٹی	چھ س کی حقیقت حضور والا نے
جو کھاتے حضرت آدم یہ بسینی روٹی	تے گیہوں نکلتے نہ غلہ سے باہر

(تمام شد)

Gulam Mustafa Durrani

